جدید تخریج شدہ ایڈیشن

اسلام کا نظامِ مساجد

تالیف

مولانا مفتی محمد ظہیر الدین مفتاحی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مرتب فتاویٰ دار العلوم دیوبند انڈیا

تبصرہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ترتیب جدید، مقدمہ، تخریج وتحقیق

مولانا محمد نعمان صاحب

استاذ الحدیث جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن، کورنگی کراچی

حضرت مولانا محمد نعمان صاحب کی کتابیں اور بیانات واٹس ایپ پر حاصل کرنے کے لیے اس نمبر پر رابطہ کریں 0311-2645500

ادارۃ المعارف کراچی

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان

عرضِ مؤلف...... ۱۷
تقریظ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ...... ۱۹
تبصرہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ...... ۲۱
مقدمہ از مولانا محمد نعمان...... ۲۳

مساجد کی ابتداء

روئے زمین کی پہلی مسجد...... ۳۸
ایک علمی بحث اور اس کا جواب...... ۴۰
کعبہ کے قدیم ہونے پر قرآنی شہادت...... ۴۱
حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کی تحقیق...... ۴۲
مسجد کی امتیازی شان...... ۴۲
عہد نبوی کی پہلی مسجد...... ۴۴
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد نبوی...... ۴۶
مسجد نبوی کی حیثیت...... ۴۸
مسجد حرام اور مسجد نبوی کے درمیان باہمی فضیلت...... ۴۹
مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ...... ۵۰
درجاتِ مساجد...... ۵۱
تفاوتِ درجات کا راز...... ۵۳

مسجدوں کا قدرتی نظام..........۵۴
نظام مساجد کا استحکام..........۵۵
نظام مساجد میں تدریجی ترقی..........۵۶
دینی اور دنیاوی اصلاح کے مراکز..........۵۷
عیدین میں شرکاء کی حالت وکیفیت..........۵۸
مسجد حرام میں عالم اسلام کا اجتماع..........۵۹
مساجد کی اجتماعی حیثیت..........۶۰
نظام مساجد کی برتری..........۶۱
اجتماعی نظام کا عملی تعطل..........۶۲

قدرتی نظام اجتماع

اجتماع کے مرکزی گھر..........۶۳
مسجدوں کے مرکزی گھر ہونے کا ثبوت قرآن سے..........۶۳
مسجدوں کے مرکزی گھر ہونے کا ثبوت احادیث سے..........۶۵
نماز کی ادائیگی میں حضور کا عمل..........۶۹
صحابہ کی نگاہ میں باجماعت نماز کی اہمیت..........۷۰
نماز مسجد میں ادا کرنا شعارِ دین ہے..........۷۱
نظم جماعت اور اس کی اہمیت..........۷۱
باجماعت نماز کی اہمیت قرآن کی روشنی میں..........۷۱
احادیثِ مبارکہ میں جماعت کی شدید تاکید..........۷۴
میدانِ جہاد میں نماز باجماعت کا اہتمام..........۷۷

نظم جماعت پر اجماعِ صحابہ...۷۹
نظم جماعت فقہائے امت کی نظر میں...۸۰
جماعت ترک کرنے کی سزا...۸۲
نظم جماعت کا اہتمام عہد نبوی میں...۸۳
عہد صحابہ میں جماعت کا اہتمام...۸۶
اسلافِ امت کی جماعت سے محبت...۹۰
موجودہ دور کے علماء کا اہتمام جماعت...۹۰
نظم جماعت کی وجہ اور اس کے فضائل...۹۳
نظم جماعت میں ثواب کی زیادتی کی تفصیل...۹۵
دین اسلام کی دلوں پر حکمرانی...۹۷
مخصوص اوقات کی فضیلت...۹۹
فضائل و اجر کی کثرت...۱۰۱
سختی اور نرمی کا معیار...۱۰۲
نظم جماعت کی حکمتیں...۱۰۳
کاہلی کا انسداد...۱۰۳
علمائے دین کا امتحان...۱۰۴
قبولیتِ دُعا...۱۰۴
اِعلائے کلمۃ اللہ...۱۰۴
شیطان کی رسوائی...۱۰۴
تزکیہ اور تالیفِ قلوب...۱۰۵
انتشارِ جماعت کی کراہیت...۱۰۶

دلوں کی نورانیت......١٠٧
دین سے دنیا کی اصلاح......١٠٧
اسلامی مساوات......١٠٨
بغض وحسد کی روک تھام......١٠٨
محبت والفت......١٠٩
رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت......١٠٩
جامع مسجدوں کا نظام......١١٠
ہر جگہ جمعہ کی ایک ہی جماعت عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہ میں......١١٠
ائمہ اربعہ عدم تعددِ جمعہ کے حق میں......١١٢
مروّجہ تعددِ جمعہ......١١٢
قیامت کی یاد......١١٣
نمازِ جمعہ میں سورہ جمعہ اور منافقین پڑھنے کی حکمت......١١٤
پورا شہر ایک امام کے پیچھے......١١٥
تبلیغ واشاعت کی اہمیت......١١٥
اندازِ خطابت......١١٦
امام کی ظاہری ہیئت......١١٧
سامعین کا لحاظ......١١٧
امام کی توجہ......١١٨
قبولیت دعا کی گھڑی......١١٩
نماز جمعہ کی تاکید......١٢٠
ایک عام فائدہ......١٢٢

مسجدوں کا ایک اور نظام عیدگاہ کے نام سے...... ۱۲۲
اجتماع عیدین کی اہمیت...... ۱۲۳
ملکی اور دینی کام...... ۱۲۴
مسجد حرام کا اجتماع...... ۱۲۵
اسلامی عالمگیر کانفرنس...... ۱۲۵
اشاعت و تبلیغ کا موقعہ...... ۱۲۷

دعوتِ اجتماع

ضرورتِ اذان...... ۱۲۸
اذان کی ابتداء...... ۱۲۸
کلماتِ اذان کی حیثیت...... ۱۳۰
اذان کی تاریخ...... ۱۳۰
اذان کی عظمت...... ۱۳۱
بوقتِ اذان شیطان کی کیفیت...... ۱۳۲
شیطان صرف اذان سن کر کیوں بھاگتا ہے...... ۱۳۳
اذان شعارِ دین ہے...... ۱۳۴
مؤذن کی حیثیت...... ۱۳۶
اذان پر اجرت...... ۱۳۸
موجودہ دور میں اذان...... ۱۳۹
اذان کا جواب...... ۱۴۲
اذان کے جواب میں کلمات...... ۱۴۲

آدابِ اذان..........۱۴۳

قدرتی نظام وحدت

امامت واجتماعیت..........۱۴۶
نظام وحدت کا استحکام..........۱۴۷
نظام وحدت کی مخالفت..........۱۴۸
امام پر سبقت اور اس کی ممانعت..........۱۵۰
رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی..........۱۵۰
اصلاحِ امت..........۱۵۱
جماعت کی ظاہری ہیئت..........۱۵۲
عہد نبوی میں صفوں کی درستگی کا اہتمام..........۱۵۳
صفوں کی درستگی کے فوائد..........۱۵۳
جماعت میں امام کا قرب..........۱۵۶
امام کے قریب کون لوگ کھڑے ہوں..........۱۵۷
جذبہ ارتقاء..........۱۵۸
اجتماعیت اور اخوت ومساوات..........۱۵۸
امام کا انتخاب..........۱۵۹
امام کس حیثیت کا ہونا چاہئے..........۱۵۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امامت کے لئے ایک جامع شخصیت کی نامزدگی..........۱۶۰
امام کے لئے کامل الفقہ ہونے کی ضرورت..........۱۶۱
عہد صحابہ میں شعبہ امامت کی اہمیت..........۱۶۲

امام احمد رحمہ اللہ اور انتخابِ امام ۱۶۳
خود امام پر ذمہ داری ۱۶۴
موجودہ دور اور شعبہ امامت ۱۶۴
امام اور اس کے فرائض ۱۶۶
صفوں کی نگرانی ۱۶۶
فاروقِ اعظم کا اہتمام ۱۶۷
امام مقتدیوں کا لحاظ رکھے ۱۶۸
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقتدیوں کا لحاظ رکھنا ۱۶۹
رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امام کو ہدایت ۱۷۰
نماز میں تخفیف کا مطلب ۱۷۱
قرأت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ۱۷۲
ظہر وعصر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت ۱۷۳
مغرب میں حضور کی قرأت ۱۷۴
عشاء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت ۱۷۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت قرأت ۱۷۶
صحابہ کرام کی ترتیلِ قرأت ۱۷۷
موقع محل کے لحاظ سے قرأت ۱۷۸
نماز میں تعدیلِ ارکان کا لحاظ ضروری ہے ۱۷۸

باطنی اصلاح

خشوع وخضوع کا مفہوم اور اُس کی اہمیت ۱۸۱

خشوع کا حصول.................۱۸۳
استقبالِ قبلہ اور اس کا اثر.................۱۸۵
اسلافِ اُمت کی نماز میں خشوع وخضوع.................۱۸۵

دربارِ الٰہی اسلام کی نظر میں

قرآن میں تذکرہ.................۱۸۷
مساجد خدا کی ہیں.................۱۸۷
مساجد کی خدمت.................۱۸۸
حقِ خدمت مؤمن کامل کو.................۱۸۹
’’یَعْمُرُ‘‘ کے معنی.................۱۹۰
مسجد کی تعظیم وتکریم اور اس میں عبادت.................۱۹۰
اخلاص وللّٰہیت.................۱۹۱
طہارت ونفاست.................۱۹۲
مسجد کا مخالف سب سے بڑا ظالم ہے.................۱۹۳
اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں.................۱۹۴
مسجد کی فضیلت واہمیت احادیث کی روشنی میں.................۱۹۵
مساجد اللہ کے محبوب مقامات ہیں.................۱۹۶
مسجد میں آنے والے اللہ کے مہمان ہیں.................۱۹۶
نورِ کامل کی بشارت.................۱۹۶
مسجد کی حاضری رحمتِ الٰہی کا ذریعہ ہے.................۱۹۷
مساجد اللہ کے گھر ہیں.................۱۹۸

مساجد جنت کے باغ ہیں......١٩٩
مساجد دنیا کی بہترین جگہیں ہیں......١٩٩
مسجد کی برکت......٢٠٠
مساجد شعارِ اسلام......٢٠٢
نیت کی پاکی......٢٠٣
مسجد کی قربت......٢٠٣
تسکینِ خاطر......٢٠٥
مسجد میں آنے کا ثواب......٢٠٥
مسجد کی حاضری......٢٠٨

اجتماع کے مرکزی گھر اور اس کی تعمیر

مرکزی گھروں کی تعمیر......٢٠٨
تعمیر مسجد کی ضرورت......٢١٠
مرد مؤمن کو حق تعمیر......٢١١
تعمیر مسجد کا اجر......٢١٢
تعمیر میں بقدرِ وسعت حصہ......٢١٤
لوازماتِ مسجد......٢١٥
تعمیر میں چند امور کا لحاظ......٢١٦
ایک محلہ میں دو مسجدیں......٢١٧
سلفِ صالحین کی احتیاط......٢١٧
تعمیر سے پہلے نیت کی اصلاح......٢١٨

اعمالِ صالحہ میں نیت کا دخل............ ۲۱۹
ریا کاری کا فساد............ ۲۲۰
مسجد ضرار............ ۲۲۰
بطورِ ریا مسلمان کی تعمیر کردہ مسجد............ ۲۲۱
بانی کے نام کا کتبہ............ ۲۲۲
اللہ تعالی کے ہاں حلال مال کی قبولیت ہے............ ۲۲۳
زانیہ کی تعمیر کردہ مسجد............ ۲۲۳
مالِ حرام سے تعمیر کردہ مسجد کا حکم............ ۲۲۵
کراہیت والے مال سے تعمیر میں اجتناب............ ۲۲۶

مسجدوں کی تزئین

تعمیرِ مسجد میں سادگی............ ۲۲۷
دورِ عثمانی میں ترقی............ ۲۲۸
تزئین کی ابتداء............ ۲۲۸
تزئین شریعت کی نظر میں............ ۲۲۹
تفاخر علامتِ قیامت............ ۲۳۰
تزئین خشوع کے خلاف ہے............ ۲۳۱
بقدرِ ضرورت اجازت............ ۲۳۲
فقہاء کے ہاں تزئین کی تفصیل............ ۲۳۳
تزئین سے اجتناب............ ۲۳۴
موجودہ دور میں تزئین............ ۲۳۵

اذان کے لئے مینار............۲۳۶
منبر برائے خطبہ............۲۳۷
منڈیر یا کنگرہ............۲۳۸
مسجد البیت............۲۳۸
لفظ ''دور'' کے معنی............۲۳۹

مواضعِ مسجد

زمین کا عطیہ جائز طریقہ سے............۲۴۰
زمین کا حصول جائز ہو............۲۴۱
وقف کرنے کے بعد مسجد کی حیثیت............۲۴۱
جزوی مسائل............۲۴۲
تیار مسجد کو وسعت دینا............۲۴۳
تجدیدِ مسجد............۲۴۴
ناگہانی آفت یا مصیبت............۲۴۵
سامان جس کی ضرورت باقی نہ ہو............۲۴۶

دربارِ الٰہی کے آداب

آنے کے آداب............۲۴۸
نیت پاک اور بخیر ہو............۲۴۹
مسجد میں باوضو آنے کی کوشش کرے............۲۵۰
دعا پڑھتے ہوئے مسجد آئے............۲۵۰
اچھی ہیئت میں مسجد آئے............۲۵۲

باوقار انداز میں اطمینان کے ساتھ آئیں..........۲۵۲
مسجد میں پیدل چل کر آنا افضل ہے..........۲۵۳
دخولِ مسجد کے وقت دایاں قدم رکھیں..........۲۵۴
بوقتِ دخول دُعا پڑھیں..........۲۵۵
مسجد پہنچ کر سلام کریں..........۲۵۶
تحیۃ المسجد ادا کریں..........۲۵۶
تحیۃ المسجد سلام پر مقدم ہے..........۲۵۸

دربارِ الٰہی میں دنیا کے کام

مسجد میں اطمینان کے ساتھ بیٹھیں..........۲۵۸
دنیاوی باتوں سے اجتناب کریں..........۲۵۹
رحمتِ عالم کی پیشین گوئی اور امت کو ہدایت..........۲۶۱
مسجد میں سیاسی تقریریں..........۲۶۳
مسجد میں بلند آوازی..........۲۶۳
فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اہتمام..........۲۶۴
گم شدہ چیز کی تلاش کا اعلان..........۲۶۵
صنعت وحرفت..........۲۶۶
غزل خوانی..........۲۶۶
بچوں اور دیوانوں وغیرہ سے اجتناب..........۲۶۷
حدود کا اجراء..........۲۶۷
خصومت اور جنگ..........۲۶۸

نماز جنازہ ۲۶۹
نمازی کے آگے سے گزرنا ۲۶۹
عورتوں کا مسجد آنا ۲۷۰
مسجد میں تنازعات کا فیصلہ ۲۷۳
مجاہدینِ اسلام کی مشق ۲۷۵
دعوت دینا اور قبول کرنا ۲۷۵
کھانا تناول کرنا ۲۷۶
مسجد میں لیٹنا اور سونا ۲۷۶
مفادِ عامہ سے متعلق اشیاء مسجد میں لانا ۲۷۸
مسجد میں قید کرنا ۲۷۹
اسلام میں جیل خانہ ۲۷۹
مشرکین کا دخولِ مسجد ۲۷۹
مسجد کے دروازے بند کرنا ۲۸۰
مسجد میں دینی تعلیم دینا ۲۸۱

دربارِ الٰہی کی صفائی

صفائی کا ثبوت قرآنِ کریم سے ۲۸۳
صفائی کا ثبوت احادیث سے ۲۸۴
سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مسجد ۲۸۵
مسجد میں تھوکنا گناہ ہے ۲۸۶
مسجد سے گندگی دور کرنا ۲۸۶

مسجد کو گندہ کرنے کی سزا..۲۸۸
مسجد کی صفائی کرنے کا مقام نگاہِ نبوی میں..۲۸۸
مسجد کی خدمت ایمان کی علامت ہے..۲۸۹
مسجد کی صفائی کا معاوضہ..۲۸۹
مسجد آتے وقت بدن اور کپڑوں کی صفائی..۲۹۱
مسجد آتے وقت منہ کی صفائی..۲۹۱
مکڑیوں کے جالے..۲۹۳
اخراج ریح..۲۹۳
خوشبو کی دھونی..۲۹۴

وقف اور تولیت

مسجد کی تولیت..۲۹۵
حقِ انتخاب..۲۹۶
متولی کے اوصاف..۲۹۶
متولی کے فرائض..۲۹۷
موجودہ دور میں متولی..۲۹۹
تولیت کے لئے شرائط..۳۰۰
متولی کی غفلت..۳۰۰
کتبِ موقوفہ..۳۰۱

متفرق مسائل

فقہی جزئیات..۳۰۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مؤلف

۱۹۴۶ء کے شروع میں احکام مساجد کے نام سے میں نے اس کام کی ابتداء کی تھی، اس وقت میرے سامنے صرف فقہ اور فتاوی کی چند کتابیں تھیں، جن سے احکام یکجا کئے جو چند صفحوں سے زیادہ نہ ہوں گے، مشیت الٰہی اس زمانہ میں میعادی بخار میں مبتلا ہوا، مرض نے ایسی شدت اختیار کی کہ گھر والے مایوس ہو گئے، معالج بھی مطمئن نہ تھے، انہی ایام میں میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اللہ تعالی شفا دے تو احکام مساجد کی جگہ نظام مساجد کے نام سے اس کام کی تکمیل کروں، اللہ تعالی نے شفا دی اور میں نے کام شروع کر دیا، بزرگوں اور اساتذہ کرام کی خدمت میں خطوط روانہ کئے اور رہنمائی کی درخواست کی، اس سلسلہ میں مخدوم ومحترم علامہ سید سلیمان صاحب ندوی، حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی اور حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی بانی ندوۃ المصنفین مدظلہم نے گراں قدر مشورے لکھ بھیجے۔

ان مشوروں اور رہنمائی کی روشنی میں، میں نے کتاب کا ایک بڑا حصہ ترتیب دیا اور اسے لے کر سب سے پہلے حضرت الاستاذ مولانا الشاہ حلیم عطا صاحب مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خود پڑھ کر سنایا، استاذ محترم بہت خوش ہوئے، اس وجہ سے اور بھی کہ اس موضوع سے متعلق تقریبا تمام حدیثیں یکجا ہو گئیں، اور اسی مجلس میں چند دوسری حدیثوں کی طرف رہنمائی بھی فرمائی، اس کی تکمیل سے فارغ ہو کر پورا مسودہ حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی کی خدمت میں پیش کیا گیا، جس کا بڑا مقصد اصلاح واختصار تھا مگر مولانا موصوف نے یہ کہہ کر مسودہ واپس کیا کہ اس میں کوئی ایسی زیادہ بات نہیں جو نکالی جا سکے، ہاں ازراہِ شفقت ومحبت انہوں نے جگہ جگہ اپنا مشورہ لکھ دیا، اور ملاقات ہونے پر تصنیف وتالیف سے متعلق بعض ضروری باتیں بتائیں، وہاں سے لا کر یہ مسودہ حضرت مولانا اعظمی

مدظلہ کی خدمت میں شوق وذوق کے ہاتھوں سے پیش کیا، آپ نے بھی بہت ضروری مشوروں سے مستفیض فرمایا، اخیر میں یہ مسودہ حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی اور حضرت الاستاذ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی خدمت میں پیش ہوا اور دونوں بزرگوں کے بیش قیمت مشوروں سے مستفیض ہوا۔

اس تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ کتاب زیرنظر ان اکابر کی رہنمائی کا نتیجہ ہے اور اللہ تعالی کا فضل وکرم ہے، میرا کام صرف جمع وترتیب ہے بس، یہاں یہ بھی عرض کردینا مناسب ہوگا کہ یہ کتاب کسی مستقل کتب خانہ میں بیٹھ کر نہیں لکھی گئی ہے، خامیوں کا امکان ہے جن کی ادب کے ساتھ معذرت چاہتا ہوں، دوسال ہوئے میں نے یہ مسودہ صاف کر کے رکھ دیا تھا، حالات نے اب اجازت دی ہے تو آپ کی خدمت میں پیش کررہا ہوں۔

کتاب کے متعلق اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں کہ اس موضوع پر اس جامعیت کے ساتھ یہ پہلی کتاب ہے اور جہاں تک مجھ جیسے بے مایہ انسان کی سعی وکاوش کا تعلق ہے اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی گئی ہے، کامیابی اللہ کے ہاتھ میں ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالی یہ حقیر خدمت قبول فرمائے، اور اہل علم میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائے اور عام مسلمان اس سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوں۔

محمد ظفیر الدین غفرلہٗ/ ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۰ء
فضل الکبیر منزل دارالعلوم معینیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ

''اسلام کا نظام مساجد'' نامی کتاب پڑھنے والوں کی خدمت میں صرف پڑھنے کے لئے نہیں بلکہ پڑھ کر کچھ کرنے کے لئے پیش ہورہی ہے، اس زمانہ میں ہر قوم اس عارضے میں مبتلا ہے کہ اپنے لئے کچھ کرے، اپنے مستقبل کو سنوارے، مسلمانوں کو بھی اس وبا کے عارضے سے حصہ ملا ہے، عارضہ خصوصًا مسلمانوں کے لئے اس لئے قرار دے رہا ہوں کہ سوچنے کی ضرورت تو ان کو تھی یا ہے جن کے پاس کچھ نہ تھا، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس امت کو چھوڑ کر دنیا سے روپوش ہوئے ہیں اس کے پاس تو بحمد اللہ سب کچھ ہے، ضرورت اس امت کے لئے اگر کسی چیز کی رہ گئی ہے تو صرف اس بات کی کہ جو کچھ اس کے پاس موجود ہے اس سے استفادہ کی راہیں کھولے۔

بلا مبالغہ عرض کر رہا ہوں کہ لاکھوں نہیں کروڑوں بلکہ اربوں کا لفظ استعمال کیا جائے تو شاید واقعہ سے بعید نہ ہوگا، روپے کی اتنی مقدار مسلمانوں سے حاصل کر کے کسی کام میں لگانا نہیں ہے بلکہ روپے کی یہ مقدار مسلمان اپنی جیبوں سے نکال چکے ہیں، خرچ کر چکے ہیں اور اس خرچ کے نتائج بھی ہمارے سامنے ہیں۔

آخر میں پوچھتا ہوں کون گن سکتا ہے ان مسجدوں کو جو ایشیا و افریقہ اور یورپ کے بھی بعض دور دراز حصوں میں پھیلی ہوئی ہیں، کیسی مسجدیں؟ جن میں دلی کی جامع مسجد بھی ہے اور احمد بن طولون کا جامع بھی، جامع اموی دمشق بھی اور قاہرہ کی مسجد ازہر بھی، بڑی مسجدوں سے دیہاتوں اور قریوں کی چھوٹی سفال پوش مسجدوں تک سب پر جو کچھ خرچ ہو چکا ہے کیا یہ مبالغہ ہوگا اگر اربوں میں اس رقم کا تخمینہ کیا جائے جو ان مسجدوں کی تعمیر کے لئے مسلمان اپنی جیبوں سے نکال چکے ہیں، ان مسجدوں کی گنجائش کے سوا ہر مسجد تقریبًا اپنے اردگرد وقفی زمین کا کافی

حصہ رکھتی ہے جن کو خریدنے پر ہم اگر آمادہ ہوں تو کروڑہا کروڑ کی رقم بھی کافی نہیں ہوسکتی، ہم مسجدوں کی ان ملحقہ زمینوں سے کام بھی لے سکتے ہیں اگر مساجد کی عمارت کافی نہ ہو۔

کیا کیا کام لے سکتے ہیں؟ مدارس کا کام، اطراف کی زمینوں میں طلبہ کی قیام گاہوں کی تعمیر کا کام، شفاخانہ کا کام اور باخود پنچایت کے اصول پر باہمی جھگڑوں کے چکانے کے لئے دارالقضا کا کام، مسافروں کی قیام گاہ کا کام۔

عمارت کی خاص قسم جس کا نام ''المسجد'' ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم کیا ہوا ایک نظام ہے۔ سب سے پہلی مسجد جو مدینہ منورہ میں بنائی گئی وہ پانچوں وقت کی نماز کی جگہ بھی تھی اس میں صفہ کا مدرسہ بھی تھا، اسی کے ملحقہ حصہ میں مسافر بھی ٹھہرائے جاتے تھے اور زخمیوں کے لئے خیمہ بھی اسی حصہ میں گاڑا جاتا تھا، مقدمات بھی اسی عمارت میں طے ہوتے تھے، بس ہمیں جو کچھ کرنا ہے سب کا نمونہ اسی پہلی مسجد میں قائم کردیا گیا تھا، بلکہ عہد فاروقی میں اسی کے متصل ادب وشاعری کے چرچے کے لئے ایک جگہ بھی مختص کردی گئی تھی، اسلامی ممالک کے طول وعرض میں ہر میل دومیل پر عمارتیں بھی بن چکی ہیں، کافی اراضی ان عمارتوں کے اردگرد حاصل کرلی گئی ہیں، صرف ان ہی کاموں کو کرنے کی ضرورت ہے جو سب سے پہلی مسجد میں انجام دیئے جاتے تھے۔

اللہ جزائے خیر دے مولانا ظفیر الدین صدرِ دارالعلوم معینیہ کو کہ اربوں کا جو سرمایہ مسلمانوں کے سامنے رکھا ہوا ہے اس سرمایہ سے استفادہ کا مشورہ اس کتاب کے ذریعہ مولانا نے پیش کیا ہے، اور اسی کے ساتھ عموماً ناواقفیت کی وجہ سے لوگوں میں مساجد کے احترام اور اس کے آداب وضوابط کے متعلق جو کوتاہیاں اور غفلتیں پیدا ہوگئی ہیں مولانا نے ان کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ صحیح حدیثوں اور فقہ کی مستند کتابوں سے معلومات کا قیمتی ذخیرہ اس کتاب میں جمع کردیا ہے، عربی میں شام کے ایک عالم جمال الدین القاسمی رحمہ اللہ کی کتاب اس باب میں مشہور تھی، مگر میرا خیال ہے کہ احتواء واحاطہ میں مولانا ظفیر الدین کی کتاب کو دیکھ کر ''ترک الأول للآخر'' کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

تبصرہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

یہ کتاب ایک اچھوتے موضوع پر مفید معلومات کی حامل ہے، پہلے باب میں مسجد کا تعارف کراتے ہوئے کعبہ مشرفہ اور مسجد نبوی کی تاریخ اور وضع وہیئت کے بارے میں ضروری تفصیلات بیان کی گئی ہیں، اور مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے تفاوت درجات پر عالمانہ بحث کی گئی ہے، دوسرے باب میں قدرتی نظام اجتماع کے زیر عنوان مساجد کی مرکزیت کو واضح کیا گیا ہے اور نماز باجماعت کے بارے میں قرآن وحدیث کے ارشادات، اہتمام جماعت کے سلسلہ میں اسلافِ امت کا طرزِ عمل، اس کے فضائل اور انفرادی ومعاشرتی فوائد کو نہایت بسط وتفصیل سے واضح کیا گیا ہے، تیسرا باب ''دعوتِ اجتماع'' ہے، اور وہ اذان کی ضرورت، اس کی تاریخ، اس کے آداب اور مؤذن کی حیثیت وغیرہ پر جامع مضامین پر مشتمل ہے، چوتھا باب ''قدرتی نظام وحدت'' ہے اور اس میں جماعت کی ظاہری ہیئت، صفوں کی درستی، امام مسجد کی صفاتِ اہلیت، انتخابِ امام کے اصول اور امام کی ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں، پانچویں باب کا عنوان ہے ''دربارِ الٰہی اسلام کی نظر میں'' اور اس میں مسجد کے فضائل اور معاشرے پر اس کے اثرات سے بحث کی گئی ہے، چھٹے باب میں تعمیر مسجد کی فضیلت، اس کے آداب اور طرزِ عمل سے متعلق تمام ضروری فقہی اور تاریخی معلومات جمع کردی گئی ہیں، ساتواں باب ''مواضع مسجد'' کے زیر عنوان مسجد کے لئے زمین کے حصول سے متعلق احکام ومسائل کا بیان ہے، اس کے بعد کے تین ابواب مسجد کے آداب پر مشتمل ہیں، مسجد میں کس طرح داخل ہونا چاہئے؟ وہاں کون سے کام جائز اور کون سے ناجائز ہیں؟ نیز اس کو پاک صاف رکھنے کے لئے کن باتوں کا اہتمام ضروری ہے؟ یہ تمام باتیں تفصیل سے بیان ہوئی ہیں، آخری باب وقف اور تولیت سے متعلق ہے، یعنی مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہئے؟ اس کے کیا اختیارات ہیں؟ مسجد میں وقف کی جانے والی اشیاء کا

کیا حکم ہے؟ پھر کتاب کے آخر میں مسجد کے متعلق وہ فقہی مسائل واحکام بیان کئے گئے ہیں جو پچھلے عنوانات کے تحت نہیں آ سکے۔

فاضل مؤلف کا اندازِ بیان عالمانہ مگر عام فہم ہے، انہوں نے کوئی ضروری بات حوالہ کے بغیر نہیں کی، اور حوالے بھی حدیث، فقہ اور تاریخ وسیرت کی معتبر کتابوں کے ہیں، ساتھ ہی تقریباً ہر موضوع کے مناسب تاریخ اسلام کے واقعات جا بجا بیان کئے گئے ہیں، اس طرح مجموعی حیثیت سے یہ کتاب مفید بھی ہے اور دلچسپ بھی، اور ہماری رائے میں اسے ہر مسلمان گھرانے تک پہنچنا چاہئے۔ (۱)

(۱) ماہنامہ البلاغ: ربیع الاول ۱۳۹۰ھ/تبصرے: ص ۴۹، ۵۰

مقدمہ

مسجد کے معنی لغت میں سجدہ گاہ کے ہیں، اور اسلام کی اصطلاح میں مسجد اس جگہ کا نام ہے جو مسلمانوں کی نماز کے لئے وقف کردی جائے، ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

وَالْمَسْجِدُ لُغَةً مَحَلُّ السُّجُودِ، وَشَرْعًا: اَلْمَحَلُّ الْمَوْقُوفُ لِلصَّلَاةِ فِيهِ. ❶

ترجمہ: مسجد لغت میں سجدہ گاہ کا نام ہے، اور شریعت کی اصطلاح میں وہ مخصوص جگہ جو نماز کے لئے وقف کردی جائے۔

مسجد کا لفظ مسلمانوں کی عبادت گاہ کے ساتھ مخصوص ہے، چنانچہ قرآنِ کریم میں مشہور مذاہب کی عبادت گاہوں کا ذکر کرتے ہوئے مسجد کو مسلمانوں کی عبادت گاہ قرار دیا ہے:

وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوٰمِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا. (الحج: ۴۰)

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ ایک دُوسرے کے ذریعہ لوگوں کا زور نہ توڑتا تو راہبوں کے خلوت خانے، عیسائیوں کے گرجے، یہودیوں کے معبد اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے، گرادی جاتیں۔

اس آیت کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ ''صَوٰمِعُ'' سے راہبوں کے خلوت خانے، ''بِيَعٌ'' سے نصاریٰ کے گرجے، ''صَلَوٰتٌ'' سے یہودیوں کے عبادت خانے، اور ''مَسٰجِدُ'' سے مسلمانوں کی عبادت گاہیں مراد ہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:

وَذَهَبَ خُصَيْفٌ إِلَى أَنَّ الْقَصْدَ بِهَذِهِ الْأَسْمَاءِ تَقْسِيمُ مُتَعَبَّدَاتِ الْأُمَمِ فَالصَّوَامِعُ لِلرُّهْبَانِ، وَالْبِيَعُ لِلنَّصَارَى، وَالصَّلَوَاتُ لِلْيَهُودِ، وَالْمَسَاجِدُ لِلْمُسْلِمِينَ. ❷

❶ مرقاة المفاتيح: كتاب الصلاة، باب المساجد، ج۲ ص ۵۸۱
❷ تفسير القرطبي: سورة الحج آیت نمبر۴۰ کے تحت، ج ۱۲ ص ۷۲

ترجمہ: امام خصیف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان ناموں کے ذکر کرنے سے مقصود قوموں کی عبادت گاہوں کی تقسیم ہے، چنانچہ صوامع راہبوں کی، بیع عیسائیوں کی، صلوات یہودیوں کی، اور مساجد مسلمانوں کی عبادت گاہوں کا نام ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) ان چاروں ناموں کی مندرجہ بالا تشریح ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ومعنى الآية: لولا دفع الله الناس لهدمت في كل شريعة نبي مكان عبادتهم فهدمت في زمن موسى الكنائس وفي زمن عيسى البيع والصوامع وفي زمن محمد صلى الله عليه وسلم المساجد. ❶

ترجمہ: آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کا زور نہ توڑتا تو ہر نبی کی شریعت میں جو ان کی عبادت گاہ تھی اُسے گرادیا جاتا، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں کنیسیں، عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں گرجے اور خلوت خانے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجدیں گرادی جاتیں۔

یہی مضمون اس آیت کے تحت تفسیر ابنِ جریر، تفسیر نیشاپوری، تفسیر خازن، تفسیر بغوی اور تفسیر رُوح المعانی وغیرہ میں موجود ہے۔ قرآنِ کریم کی اس آیت اور حضراتِ مفسرین کی ان تصریحات سے واضح ہے کہ مسجد مسلمانوں کی عبادت گاہ کا نام ہے، اور یہ نام دیگر اقوام و مذاہب کی عبادت گاہوں سے ممتاز رکھنے کے لئے تجویز کیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک یہ مقدس نام مسلمانوں کی عبادت گاہ کے علاوہ کسی غیر مسلم فرقے کی عبادت گاہ کے لئے استعمال نہیں کیا گیا، لہٰذا مسلمانوں کا یہ قانونی و اخلاقی فرض ہے کہ وہ کسی غیر مسلم فرقے کو اپنی عبادت گاہ کا یہ نام نہ رکھنے دیں۔

مساجد کی فضیلت، مقام و مرتبہ اور اہمیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تبارک

❶ التفسير المظهري: سورة الحج آیت نمبر ۴۰ کے تحت، ج ٦ ص ٣٢٩

وتعالی نے قرآن کریم میں اٹھارہ (۱۸) مقامات پر مساجد کا تذکرہ کیا ہے، دیکھئے: ❶

مساجد کے عالی مقام کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالی نے ان کی اضافت اپنی ذات کی طرف کی ہے، چنانچہ فرمان باری تعالی ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ. (البقرة: ۱۱۴)

ترجمہ: اوراس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالی کی مساجد پر اس بات کی بندش لگادے کہ ان میں اللہ کا نام لیا جائے اوران کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ . (التوبة: ۱۸)

ترجمہ: اللہ کی مسجدوں کوتو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے ہوں۔

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا. (الجن: ۱۸)

ترجمہ: تمام مسجدیں اللہ کی ہیں، اس لئے اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کرو۔

اگرچہ تمام زمین کا مالک اور خالق اللہ ہی ہے، مگر مساجد کا اپنا ایک مقام ومرتبہ ہے، اس لئے کہ نماز کی ادائیگی، تلاوت واذکار اور اکثر عبادات کی ادائیگی مساجد سے وابستہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مساجد کے مقام ومرتبہ اور فضیلت کی وجہ سے اس کی اضافت اللہ کی طرف کی ہے:

وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللهِ، يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ. ❷

اللہ تبارک وتعالی کے ہاں سب سے پسندیدہ جگہیں مساجد ہیں، اور مبغوض ترین مقامات بازار ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

❶ المعجم المفرس لألفاظ القرآن الكريم: ص ۳۴۵ ❷ صحيح مسلم: كتاب الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن، ج ۴ ص ۲۰۷۴، رقم الحديث: ۲۶۹۹

أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللهِ مَسَاجِدُهَا، وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللهِ أَسْوَاقُهَا. ❶

اللہ تعالی کے نزدیک محبوب ترین جگہ مساجد اور مبغوض ترین جگہ بازار ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ (متوفی ٦٧٦ھ) فرماتے ہیں کہ مساجد اللہ کے ہاں اس لئے پسندیدہ ہیں کہ یہ تقوی کی بنیاد ہیں، اکثر نیک اعمال اور عبادات کی ادائیگی مساجد میں ہوتی ہے، یہ خیر اور اطاعت کے مقامات ہیں، بخلاف بازار کہ اس میں اکثر جھوٹ، دھوکہ، مکر، سود، دنیا کی رغبت، جھوٹی قسمیں، وعدہ خلافی، ذکر اللہ سے اعراض، کفار، فساق اور دنیا دار لوگوں سے اختلاط، بے پردگی وغیرہ غرض یہ گناہوں کا ذریعہ ہے (اس لئے بغیر ضرورت بازار جانے سے اجتناب کیا جائے) ❷

حضرت عمرو بن میمون رحمہ اللہ (متوفی ١٤٧ھ) فرماتے ہیں:

أدركت أصحاب رسول الله وهم يقولون: المساجد بيوت الله، وإنه حقّ على الله أن يكرم من زاره فيها. ❸

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو پایا وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ مساجد اللہ کے گھر ہیں، اور اللہ پاک کا حق ہے کہ اپنے گھر میں آنے والوں کا اکرام کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد بنانے کی خوب ترغیب دی اور فضیلت بیان فرمائی:

مَنْ بَنَى مَسْجِدًا يَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللَّهِ بَنَى اللَّهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ. ❹

جو شخص اللہ کی رضا کے لئے مسجد بنائے گا اللہ تبارک وتعالی اس کے مثل جنت میں

❶ صحيح مسلم: كتاب المساجد، باب أحب البلاء إلى الله مساجدها، ج ١ ص ٤٦٤، رقم الحديث: ٦٧١ ❷ شرح النووي على صحيح مسلم: كتاب المساجد، باب أحب البلاد إلى الله مساجدها، ج ٥ ص ١٧٧ ❸ تفسير الطبري: سورة النور آیت نمبر ٣٦ کے تحت، ج ١٩ ص ١٩٠ ❹ صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب من بنى مسجدا، ج ١ ص ٩٧، رقم الحديث: ٤٥٠

اس کے لئے محل تعمیر کریں گے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ بَنَى مَسْجِدًا لِلَّهِ كَمَفْحَصِ قَطَاةٍ أَوْ أَصْغَرَ بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ. ❶

جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنائے گو قطا پرندے کے گھونسلے کے برابر سہی اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔

قطا ایک پرندہ ہے، ظاہر ہے پرندہ کا گھونسلہ بہت چھوٹا ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی مسجد بنائے تب بھی جنت میں گھر بنایا جائے گا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی مسجد کی تعمیر اور اس کے بنانے میں اس قدر قلیل رقم سے تعاون کرے کہ اس سے مسجد بنائی جاتی تو وہ گھونسلے کے مثل ہوتی تب بھی اس کا گھر جنت میں بنایا جائے گا، یعنی اگرچہ معمولی مقدار میں تعاون ہو تو بھی اس کے لئے اس قدر اجر و فضیلت ہے۔

مسجد بنانا صدقہ جاریہ ہے اس کا ثواب موت کے بعد بھی ملتا رہتا ہے:

إِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ عِلْمًا عَلَّمَهُ وَنَشَرَهُ، وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهُ، وَمُصْحَفًا وَرَّثَهُ، أَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ أَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيلِ بَنَاهُ، أَوْ نَهْرًا أَجْرَاهُ، أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِي صِحَّتِهِ وَحَيَاتِهِ، يَلْحَقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ. ❷

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مؤمن کے مرنے کے بعد بھی جن اعمال اور نیکیوں کا ثواب اُسے ملتا رہتا ہے ان میں سے چند اعمال یہ ہیں، علم جو لوگوں کو سکھا کر پھیلایا (اس میں تدریس، وعظ، تصنیف و افتاء وغیرہ سب داخل ہیں) اور جو صالح اولاد چھوڑی اور قرآن کریم جو میراث میں چھوڑا یا کوئی

❶ سنن ابن ماجه: كتاب المساجد، باب من بنى لله مسجدا، ج ۱ ص ۲۴۴، رقم الحديث: ۷۳۸ ❷ سنن ابن ماجه: باب ثواب معلم الناس الخير، ج ۱ ص ۸۷، رقم الحديث: ۲۴۲

مسجد بنائی یا مسافر خانہ بنایا یا کوئی نہر جاری کی یا جیتے جاگتے صحت وتندرستی میں اپنی کمائی سے کچھ صدقہ کر دیا، ان سب کا اجر اُسے مرنے کے بعد ملتا رہے گا۔

سات (۷) خوش نصیب ایسے ہیں جنہیں قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالی اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائیں گے، جس دن اللہ کے عرش کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا، ان میں ایک شخص وہ ہے جس کا دل مسجد کے ساتھ لگا ہوا ہو:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ، فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ، أَخْفَى حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ. ❶

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات طرح کے آدمی ہوں گے، جن کو اللہ اس دن اپنے سایہ میں جگہ دے گا، جس دن اس کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ اول انصاف کرنے والا بادشاہ، دوسرا وہ نوجوان جو اپنے رب کی عبادت میں جوانی کی امنگ سے مصروف رہا، تیسرا ایسا شخص جس کا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہتا ہے، چوتھے دو ایسے شخص جو اللہ کے لئے باہم محبت رکھتے ہیں اور ان کے ملنے اور جدا ہونے کی بنیاد یہی (اللہ کے لیے محبت) ہے، پانچواں وہ شخص جسے کسی باعزت اور حسین عورت نے (برے ارادہ سے) بلایا لیکن اس نے کہہ دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، چھٹا وہ شخص جس نے صدقہ کیا، مگر اتنے پوشیدہ طور پر کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہوئی کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ ساتواں وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور (بے ساختہ) آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

مساجد کی فضیلت، مقام ومرتبہ، ضرورت واہمیت، احکام اور آدابِ مساجد اور دیگر

---

❶ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة، ج ۱ ص ۱۳۲، رقم الحديث: ٦٦٠

اس موضوع پر علمی و تحقیقی مباحث، احادیث و آثار اور مسائل فقہیہ کا تفصیلاً تذکرہ ان شاءاللہ اس کتاب میں آئے گا۔

مساجد کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں دو کتابیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں:

۱......''إعلام الساجد بأحكام المساجد''

علامہ بدر الدین زرکشی رحمہ اللہ (متوفی ۷۹۴ھ) کی، یہ کتاب ایک جلد میں ''المجلس الأعلى للشؤون الإسلامية'' سے ۱۴۱۶ھ میں چھپی ہے، اس میں کل چار ابواب ہیں:

(۱) الباب الأول فيما يتعلق بمكة والمسجد الحرام.

(۲) الباب الثاني فيما يتعلق بمسجد النبي صلى الله عليه وسلم.

(۳) الباب الثالث فيما يتعلق بالمسجد الأقصى.

(۴) الباب الرابع فيما يتعلق بسائر المساجد.

اس کتاب کے آخر میں مسجد سے متعلق ۱۳۷ مسائل کا تذکرہ ہے۔

۲......''إصلاح المساجد من البدع والعوائد''

علامہ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۳۲ھ) کی یہ کتاب ''المكتب الإسلامي'' سے علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی تخریج وتعلیق کے ساتھ ۱۴۰۳ھ میں چھپی ہے، اس میں کل سات ابواب ہیں:

(۱) الباب الأول في بدع الصلاة في المساجد.

(۲) الباب الثاني فى البدع المادية.

(۳) الباب الثالث فى الأدعية والأذكار والقصص في المساجد.

(۴) الباب الرابع فى الدروس الخاصة والعامة.

(۵) الباب الخامس فيما يفعلونه للميت في المسجد من البدع والمحدثات.

(۶) الباب السادس في المشروع في المساجد الثلاثة المشرفة والمبتدع.

(۷) الباب السابع فی بدع شتی.

اس موضوع پر اردو زبان میں کوئی جامع کتاب مارکیٹ میں دستیاب نہیں ہے۔

بندے کی ناقص رائے کے مطابق عربی، اردو لٹریچر میں اسلام کے نظام مساجد پر مصنف کی اس کتاب سے جامع، مفصل اور مدلل کتاب موجود نہیں ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی ندوی رحمہ اللہ کو اللہ تبارک وتعالی نے خداداد صلاحیتوں سے نوازا تھا، آپ ایک بلند پایہ فقیہ اور عظیم مصنف تھے، جس موضوع پر قلم اٹھایا تو اس کا حق ادا کیا، حتی الامکان اس موضوع کا مکمل احاطہ کیا، تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخی اعتبار سے اس موضوع پر کوئی تشنگی نہیں چھوڑی۔ آپ نے فتاوی دارالعلوم دیوبند جیسے بحر بیکراں کی تخریج وتحقیق کا ایک علمی وتحقیقی کام سرانجام دیا، اس فتاوی کی جلد اول صفحہ ۴۴ تا ۹۷ تقریباً ۵۰ صفحات پر مشتمل ایک مفصل اور مدلل مقدمہ بھی لکھا جو اہل علم کے لئے قابل دید ہے، آپ نے اسلامی نظام سے متعلق چار کتابیں تصنیف کیں:

۱......اسلام کا نظام امن ۲......اسلام کا نظام عفت وعصمت

۳......اسلام کا نظام مساجد ۴......اسلام کا نظام تربیت

ان میں پہلی دو کتابیں بندے کی ترتیب جدید، تخریج وتحقیق، اضافات اور مقدمے کے ساتھ الحمد للہ چھپ چکی ہیں ''اسلام کا نظام مساجد'' یہ اِن کی تیسری کتاب ہے، بفضل اللہ تعالی اس پر بھی کام مکمل ہو چکا ہے۔

اگر اللہ تبارک وتعالی کا فضل وکرم اور نصرت شامل حال رہی تو مصنف کی چوتھی کتاب ''اسلام کا نظام تربیت'' پر ان شاء اللہ کام کروں گا۔

ملک کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی مشہور ومعروف لائبریریوں میں تلاش کرنے

سے بندے کو مصنف کی مندرجہ بالا چار کتابوں کے علاوہ مزید سات کتابیں دستیاب ہوئیں۔ مصنف کی تصنیفات میں دیگر بھی کئی کتابوں کے نام ملتے ہیں لیکن مجھے تلاش بسیار کے ساتھ ان کی گیارہ کتابیں دستیاب ہوئیں۔ چار نظام پر لکھی گئی اور بقیہ سات مندرجہ ذیل ہیں:

۱......مصائب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

یہ کتاب ندوۃ المصنفین دہلی سے ۱۹۵۹ء جولائی میں چھپی ہے، یہ کتاب ۱۹۱ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں مندرجہ ذیل مرکزی عنوانات کے تحت کئی ذیلی عناوین ہیں:

۱......مصائب وآلام نبوت سے پہلے

۲......مصائب وآلام نبوت کے بعد

۳......اذیتِ رسول کی تدبیریں

۴......مصالحت کے پیرائے میں اذیت رسول

۵......رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیئے گئے بے انتہا مظالم

۶......منافقین کی شرارت وشیطنت

۷......تبلیغ دین میں رکاوٹیں

۸......پیغمبر اسلام کو مٹانے کی ناپاک تدبیریں

۹......رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر وفاقہ

۱۰......قدرتی مصائب وآلام

اس موضوع پر اس جامعیت وتفصیل کے ساتھ اسلامی لٹریچر میں یہ پہلی کتاب ہے، یہ کتاب دارالعلوم کراچی کی لائبریری میں موجود ہے۔

اس کتاب کو تخریج وتحقیق کے ساتھ چھاپ دیا جائے تو یہ اہل علم اورعوام دونوں کے لئے نہایت مفید کتاب ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے دین حق کی دعوت کے دوران آنے

والے مصائب وآلام، تکالیف و پریشانیوں پر صبر واستقامت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، جب حضور سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر مصائب وتکالیف آئیں تو ہم پر بھی آئیں گی، ہمیں دعوتِ دین اور اشاعت میں صبر وتحمل اور استقامت سے کام لینا چاہئے۔

۲......مشاہیر علمائے دیوبند

یہ کتاب دفتر اجلاس صد سالہ دارالعلوم دیوبند سے چھپی ہے، یہ کتاب ۱۰۸ صفحات پر مشتمل ہے،اس میں نہایت اختصار کے ساتھ ۱۹۷ اکابر علمائے دیوبند کے حالات ہیں۔

۳......حیات مولانا گیلانی

یہ کتاب مجلس نشریات اسلام کراچی سے چھپی ہے، یہ ۳۳۶ صفحات پر مشتمل ہے، مصنف نے یہ کتاب اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا مناظر حسن گیلانی رحمہ اللہ کی سوانح پر تصنیف کی ہے،اس کے لفظ لفظ سے شیخ کے ساتھ عقیدت ومحبت چھلکتی ہے،اس کتاب کے جلی عنوانات یہ ہیں:

۱......مولانا گیلانی کا خاندانی سلسلہ

۲......ولادت اور تعلیم وتربیت

۳......ایک نئے انقلاب سے دوچار

۴......مولانا گیلانی دارالعلوم دیوبند میں

۵......دورہ حدیث کے سال شکوک وشبہات کا حملہ

۶......اساتذہ واکابر کی کرم فرمائیاں

۷......قیام دارالعلوم کے زمانے میں سیر وتفریح

۸......دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس

۹......تحریر وتصنیف کے میدان میں

۴......تذکرہ مولانا عبداللطیف نعمانی

یہ کتاب شعبہ تالیف وتصنیف مفتاح العلوم اعظم گڑھ سے ۱۹۷۴ھ میں چھپی ہے، یہ۱۸۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب میں مصنف نے اپنے شیخ ومربی خاص شیخ الحدیث حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی رحمہ اللہ کی تفصیلی سوانح لکھی ہے، اس میں حضرت کی دینی، علمی، سیاسی اور مجاہدانہ زندگی کے زندہ وجاوید کارنامے اور اہل علم ورہنمایانِ ملک وملت کے خراجہائے عقیدت اور آپ کے متعلق شعراء کے کلام کا تذکرہ کیا ہے۔

۵......اسلامی حکومت کے نقش ونگار

یہ کتاب مفتاح اکیڈمی اعظم گڑھ سے ۱۹۶۵ء میں چھپی ہے، یہ کتاب چھوٹے سائز کے ۱۴۰ صفحات پر مشتمل ہے، کتاب کا تعارف محدث جلیل اور عظیم محقق عالم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ کے قلم سے لکھا ہوا ہے، یہ کتاب حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت کے مخصوص واقعات واحوال پر مشتمل ہے۔

۶......تاریخ مساجد

اس کتاب کو مولانا صدر الحسن قاسمی رحمہ اللہ نے جامع مسجد جموں توی سے ۱۹۹۰ء میں چھاپا ہے، یہ کتاب ۲۷۲ صفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب میں تقریباً ۱۵۰ مساجد کا تعارف ہے، جن میں مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصی، مسجد قبا، جامع مسجد کوفہ، جامع اموی دمشق، جامع مسجد قرطبہ وغیرہ۔اس کتاب میں مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، دمشق، اندلس، قرطبہ اور ہندوستان کی تاریخی مساجد کا ایک بہترین اور عمدہ تعارف ہے۔

۷......اسلام میں غیر فطری عمل کی قباحت اور سزا

یہ کتاب مکتبہ دارالاشاعت کراچی سے ۱۴۱۲ھ میں چھپی ہے، یہ چھوٹے سائز میں

۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے، یہ کتاب غیر فطری جنس میلان یعنی عمل قوم لوط اور اس کے دواعی کی قباحت ومفاسد پر پہلی محققانہ کتاب ہے، جس میں کتاب وسنت اور تاریخ وطب کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب پر تقریظ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحب رحمہ اللہ کی ہے، آپ نے لکھا ''یہ رسالہ محققانہ اور اپنے موضوع میں کامیاب ہے، اندازِ بیان سلیس اور موئثر ہے، دلائل مُشبع ہیں، قرآن وحدیث، فقہ اور کلام علمائے محققین کے ساتھ جابجا تاریخی واقعات سے مسئلہ کو آئینہ کردیا ہے۔''

اس کتاب کے جلی عنوانات یہ ہیں:

۱......نظام تعمیر سیرت

۲......استلذ اذ بالمثل کی حرمت وقباحت اسلام میں

۳......غیر فطری فعل کی روک تھام اسلام میں

۴......اسباب ومحرکات جنسی اور ان سے اجتناب

۵......امرد پر نگاہ ڈالنے کی ممانعت

۶......امرد سے بے تکلفی اور تنہائی کی ممانعت

۷......ہم جنسی کے دینی ودنیاوی نقصانات

۸......خواہشاتِ نفس اور انسانی فریضہ

اس کتاب پر کام کی نوعیت

۱...... پوری کتاب کی از سر نو کمپوزنگ کرائی پھر اس کی تصحیح اور پروف ریڈنگ کی۔

۲......اعلام وترقیم کا عربی اردو دونوں میں اہتمام کیا تا کہ تحریر پڑھنے اور سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

۳......بعض مقامات پر عنوانات نہیں تھے، بعض مقامات پر طویل اور بعض جگہوں پر

کافی مختصر تھے، تو حسب ضرورت عنوانات میں اضافہ اور تبدیلی کی تا کہ استفادہ میں حتی الامکان آسانی ہو۔

۴......بعض مواقع پر ہندی یا اردو کا کوئی مشکل لفظ تھا یا علمی اور فنی لفظ تھا تو اِس کی جگہ معروف ومتداول لفظ نقل کیا۔

۵......قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور تمام اہم عبارات پر اعراب لگائے تا کہ پڑھنے اور سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

۶......قرآنی آیات کا جہاں ترجمہ نہیں تھا وہاں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے آسان ترجمہ قرآن سے نقل کیا۔

۷......کئی مواقع پر احادیث اور عربی عبارات کے ترجمے نہیں تھے، وہاں عبارات کا بامحاورہ ترجمہ لکھ دیا۔

۸......حتی الامکان حوالہ جات کو اصل مراجع سے نقل کیا۔

۹......مصنف نے اگر کہیں متقدمین کا حوالہ متاخرین کی کسی کتاب کے حوالے سے نقل کیا تھا تو راقم نے اصل کتاب سے وہ بات نقل کی۔

۱۰......بعض جگہوں پر احادیث کے حوالے میں ''**رياض الصالحين**''، ''**مشكاة المصابيح**''، ''**جامع الصغير**'' یا ''**كنز العمال**'' کا حوالہ تھا تو راقم نے ان احادیث کو اصل مراجع سے نقل کیا۔

۱۱......بعض مواقع پر روایات موضوع اور غیر مستند تھیں، یا کثرتِ ضُعف تھا تو حاشیے میں اس پر مکمل تحقیق نقل کر دی۔

۱۲......فقہی حوالہ جات میں بھی زیادہ تر ''**المبسوط للسرخسي**''، ''**بدائع الصنائع**''، ''**رد المحتار**''، ''**البحر الرائق**'' اور ''**الفتاوى الهندية**'' کا حوالہ دیا ہے۔

۱۳......بعض مواقع پر حدیث اور عربی عبارات کے حوالے نہیں تھے، راقم نے بفضل اللہ تعالی تمام عبارات کے حوالہ جات نقل کر دیئے ہیں۔

۱۴......راقم نے تمام حوالہ جات کی تخریج میں وہ طریقہ اختیار کیا ہے جو متداول ہے، پہلے کتاب کا نام، پھر باب، پھر فصل، پھر جلد و صفحہ، رقم الحدیث، مطلب (اگر کہیں تھا) تو اس کا اہتمام کیا تا کہ استفادہ کرنے والوں کے لئے اصل ماٰخذ تک رسائی بآسانی ممکن ہو۔

۱۵......اہل علم کے ذوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے عربی عبارات بھی نقل کیں تا کہ اُسے پڑھ کر عین الیقین حاصل کرلیں۔

اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ تخریج و تحقیق کا کام کس قدر دشوار ہے، محض اردو ترجمے اور تشریح سے الفاظِ حدیث اور اصل عربی عبارات تک رسائی حاصل کرنا، پھر اس روایت کے رجال کی تحقیق کرنا، اس روایت اور راویوں کے متعلق کبار محدثین کی آراء تلاش کرنا اور پھر اس روایت پر حکم بیان کرنا یہ کافی دشوار کن، محنت طلب مرحلہ تھا، لیکن محض اللہ تبارک وتعالی کے فضل و کرم سے مصنف کی نظام پر لکھی گئی تین کتابوں پر کام پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔

راقم نے اپنی بساط کے مطابق اسے خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی ہے، لیکن پھر بھی اس بات کا قوی امکان ہے کہ کئی قابلِ اصلاح امور رہ گئے ہوں، اس لئے قارئین کرام سے گزارش ہے کہ کوئی بات قابل اصلاح نظر آئے یا کوئی مفید مشورہ ہو تو نشان دہی کر کے عند اللہ ماجور ہوں۔

میں آخر میں ان تمام حضرات کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کاوش میں میرے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون کیا ہے، خصوصًا اپنے دو قابل فخر شاگرد مولانا محمد طاہر اسماعیل اور مولانا فواد عمر ہزاروی کا جنہوں نے حوالہ جات کی تخریج میں میرے ساتھ بہت تعاون کیا،

میں ان دونوں کے لئے دُعا گو ہوں اللہ تعالی انہیں دین و دنیا کی تمام نعمتوں سے مالا مال کرے، اور انہیں دینی و علمی اعتبار سے خوب ترقیات عطا فرمائے، اور دنیا و آخرت میں سرخ رُو فرمائے۔آمین

اللہ تبارک وتعالی سے دست بدستہ دعا ہے کہ اللہ تعالی اس محنت کو اپنے دربار میں قبول فرمائے، مصنف اور راقم کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔آمین

محمد نعمان

استاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

۲۷ ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ/ ۷ فروری ۲۰۱۶ء

0332 - 2557675

مساجد کی ابتداء

اللہ تعالیٰ کو جب منظور ہوا کہ روئے زمین کو بنی آدم کی آبادی سے زینت بخشے اور اپنے پرشوکت قوانین کا ان میں نفاذ فرما کر امانتِ ازلی: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا. (الأحزاب: ۷۲) (ترجمہ: ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی، تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا، اور اس سے ڈر گئے، اور انسان نے اس کا بوجھ اٹھا لیا، حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ظالم ہے، بڑا نادان ہے) کی یاددہانی کرے تو ہبوطِ ارض کا واقعہ پیش آیا، اور اس کی حکمت کا قرآن نے ان الفاظ میں اعلان کیا ''اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرة: ۳۰) ترجمہ: میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں'' اور ملائکہ نے جب استرشاداً حکمت پوچھی تو یہ فرما کر ان کو خاموش کر دیا: اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ. (البقرة: ۳۰) ترجمہ: میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

سیدنا آدم علیہ السلام جب دنیا میں تشریف لائے تو تخلیق آدم کی منشا کے ظہور کا وقت آ گیا اور ان کی خواہش ہوئی کہ کوئی ایسا گھر وجود میں آئے جس سے تکبیر و تہلیل اور تسبیح و تقدیس کی آوازیں بلند ہوں، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس پاک خواہش کو شرفِ قبولیت بخشا اور حضرت جبرئیل امین کی رہنمائی میں مسجد حرام کی بنیاد سب سے پہلے زمین پر ڈالی گئی۔

روئے زمین کی پہلی مسجد

یہی دنیا کا سب سے پہلا گھر، دنیا کی سب سے پہلی مسجد ہے، اللہ تعالیٰ اس گھر کی اولیت کا ذکر خود فرماتے ہیں:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ. (آل عمران: ۹۶)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا یقینی طور پر وہ ہے کہ جو مکہ میں واقع ہے (اور) بنانے کے وقت ہی سے برکتوں والا اور دنیا جہاں کے لوگوں کے لئے ہدایت کا سامان ہے۔

کعبہ کی تعمیر کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام سے بہت پہلے ملائکہ نے رکھی تھی، دیکھئے: ❶

یہ دنیا کا پہلا معبد ہر طرح کی ظاہری، باطنی، حسی اور معنوی برکتوں سے معمور ہے اور اخلاقی و دینی تعلیمات کا مرکز، اور آج بھی یہ دنیائے اسلام کا کعبہ و قبلہ اور مرجع عام ہے جہاں ہر سال ذی الحجہ کے مہینے میں اطرافِ عالم اور اکنافِ دنیا کے مسلمانوں کا اجتماع عظیم ہوتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:

يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَيُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِي الْأَرْضِ أَوَّلَ؟ ❷

ترجمہ: اے اللہ کے رسول! روئے زمین کی پہلی مسجد کون سی ہے؟

ارشاد فرمایا: ''المسجد الحرام'' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا ''ثم أيّ'' پھر کون سی ہے؟ فرمایا ''المسجد الأقصى'' دریافت کیا ان دونوں مسجدوں میں کتنے دنوں کا فاصلہ ہے؟ ارشاد ہوا چالیس برس کا یعنی مسجد حرام کے چالیس سال بعد مسجد اقصی کی بنیاد ڈالی گئی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ میرے لئے تمام روئے زمین مسجد ہے، مطلب یہ تھا کہ امتِ مرحومہ کے لئے ہر پاک جگہ نماز ادا کرنی جائز ہے۔

❶ تفسیر ابن کثیر: سورة آل عمران، آیت نمبر ۹۶ کے تحت، ج ۲ ص ۶۶

❷ صحيح البخاري: كتاب الأنبياء، باب حدثنا إسحاق بن إبراهيم بن نصر، ج ۴ ص ۱۴۵، رقم الحديث: ۳۳۶۶/ صحيح مسلم: كتاب المساجد، باب مواضع الصلاة، ج ۱ ص ۳۷۰، رقم الحديث: ۵۲۰

ایک علمی بحث اور اس کا جواب

محدثین نے اس حدیث میں یہ اشکال پیدا کیا ہے کہ مسجد حرام کے بانی جیسا کہ مشہور ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کہے جاتے ہیں اور مسجد اقصی کے بانی حضرت سلیمان علیہ السلام، اور ان دونوں بزرگوں کے درمیان ہزار سال کا بعد ہے، پھر یہ چالیس سال کی روایت کیونکر صحیح ہوگی۔

جواب یہ دیا گیا ہے کہ مسجد حرام کے بانی اول حضرت آدم علیہ السلام ہیں، طوفانِ نوح میں یہ گھر اٹھالیا گیا تھا، اور پھر اسی حالت میں پڑا رہا، تا آنکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکم الٰہی اپنے زمانے میں اس کی دیواریں اٹھائیں، جس میں آپ کے شریکِ کار آپ کے لاڈلے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام رہے، قرآن پاک نے اسی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ. (البقرة: ١٢٧)

ترجمہ: اور جب اٹھا رہے تھے ابراہیم و اسماعیل خانہ کعبہ کی دیواریں۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا. (الحج: ٢٦)

ترجمہ: اور جب ہم نے بتلا دیا ابراہیم کو خانہ کعبہ کی جگہ کہ میرے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا۔

اور مسجد اقصی کے بانی اول بھی حضرت آدم علیہ السلام ہی ہیں، محققین کا بیان ہے کہ تعمیر کعبہ کے بعد آپ کو بیت المقدس جانے کا حکم ہوا تھا، غالبًا اسی زمانہ میں آپ نے مسجد اقصی کی بنیاد رکھی ہوگی، حضرت سلیمان علیہ السلام بانی ثانی کی حیثیت رکھتے ہیں، خلاصہ یہ ہوا کہ دونوں کے مؤسّس حضرت آدم علیہ السلام ہی ہیں اور حضرت ابراہیم و سلیمان علیہما السلام مجدد ہیں، اس صراحت کے بعد اشکال باقی نہیں رہتا۔ (1)

(1) أشعة اللمعات: كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، ج ١ ص ٣٤٤

کعبہ کے قدیم ہونے پر قرآنی شہادت

مسجد حرام کی قدامت پر خود قرآن پاک بھی شاہد ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے جگر گوشہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑا تھا اس وقت دعا کی تھی:

رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ. (إبراهيم: ۳۷)

ترجمہ: اے ہمارے رب! بیشک میں اپنی بعض اولاد کو بن کھیتی کی سرزمین میں تیرے محترم گھر کے پاس آباد کرتا ہوں تاکہ وہ نماز قائم کریں۔

اس دعاء میں ''عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ''(تیرے محترم گھر کے پاس) کا مطلب یہی تو ہے کہ مسجد حرام اس وقت بھی موجود تھی، اور یہ وہ زمانہ ہے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام شیر خوارگی کے دور میں تھے۔ ❶

اور مسجد حرام (بیت اللہ) کی دیواریں باپ بیٹے نے مل کر اس کے عرصہ بعد کھڑی کی ہیں، جب حضرت اسماعیل علیہ السلام سن شعور کو پہنچے ہیں۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اس اشکال کا دوسرا جواب دیا ہے کہ مسجد اقصی کے مؤسس حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کعبہ کے چالیس برس بعد مسجد اقصی بنائی، باقی سلیمان علیہ السلام مؤسس نہ تھے مجدد تھے۔ ❷

لیکن میں سمجھتا ہوں پہلا جواب اس سے زیادہ مناسب ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی مؤسس نہیں بلکہ تجدید ہی کرنے والے تھے جیسا کہ آپ نے قرآن پاک کی اوپر والی آیت میں ملاحظہ کیا۔

❶ أحكام القرآن لابن العربي: سورة إبراهيم، آیت نمبر ۳۷ کے تحت، ج ۳ ص ۹۴

❷ زاد المعاد في هدي العباد: فصل فی ذكر ما اختار الله من مخلوقاته، ج ۱ ص ۵۰

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تحقیق

تعمیر کعبہ کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے مختلف کتابوں کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں، تحریر فرماتے ہیں:

یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اس محترم گھر (بیت اللہ) کی بنیاد ابتداء عہد آدم علیہ السلام میں پڑی، اس کے بعد برابر یہ مقدس مقام انبیاء وصلحاء کا معبد اور قبولیت دعا کا مرکز رہا، آپ جب جنت سے زمین پر ڈالے گئے تو التجاء کی، خدایا آسمان کی طرح یہاں پھر کوئی گھر ہو جہاں تسبیح وتہلیل کی گونج رہے، یہ درخواست مقبولِ بارگاہ ہوئی اور نشان دہی فرمادی گئی، اور اسی نشان پر بنیاد رکھی گئی، جو طوفانِ نوح تک موجود رہا، طوفان میں اٹھالیا گیا، مگر اس کے نشانات باقی تھے، اسی کی طرف لوگ قبولیتِ دعا کے لئے رجوع کرتے رہے تا آنکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بنانے کا حکم ہوا، آپ نے بنانے کا ارادہ کیا تو ایک سکینہ سایہ فگن ہوا اور حضرت جبرئیل امین نے اس کی مدد سے خطوط کھینچے جس پر ابراہیم علیہ السلام نے کھود کر بنائے آدم نکالی، اور اسی پر مقدس گھر تعمیر پایا۔ (۱)

اس تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ بنی آدم کے زمین پر قدم رکھتے ہی مسجد کی تعمیر عمل میں آئی، اور اللہ رب العزت نے پورے اہتمام سے خود اپنی نگرانی میں اس محترم مسجد کی نشاندہی فرمائی جو مسجد کی عظمت واہمیت کا بیّن ثبوت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ روز اول سے ہی اسے مرکز وحدت قرار دیا گیا۔

مسجد کی امتیازی شان

ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد اور دوسری مسجدیں قیامت کے دن اور چیزوں کی طرح فنا نہ ہوں گی، بلکہ یہ ساری کی ساری اکٹھی ہو جائیں گی:

(۱) تفسیر عزیزی: سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۲۷ کے تحت، ج ا ص ۵۸۳

تَذْهَبُ الْأَرَضُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا الْمَسَاجِدَ، فَإِنَّهَا تَنْضَمُّ بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ. ❶

❶ **المعجم الأوسط: باب العين، ج۴ ص۲۱۴، رقم الحديث: ۴۰۰۹**

یہ روایت موضوع ہے، اس کی سند میں راوی ''اصرم بن حوشب ہمدانی'' ہے، امام یحیی بن معین رحمہ اللہ اس کے متعلق فرماتے ہیں ''**كذاب خبيث**''

امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی رحمہم اللہ فرماتے ہیں ''**متروك**''

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''**منكر الحديث**''

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''**كان يضع الحديث على الثقات**''

امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کے ترجمے میں اس موضوع روایت کو ذکر کیا ہے، دیکھئے: [**ميزان الاعتدال: ترجمة: أصرم بن حوشب، ج۱ ص۲۷۲، ۲۷۳**]

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں ''اصرم بن حوشب'' ہے جو کذاب راوی ہے۔ [**مجمع الزوائد: كتاب الصلاة، باب فضل المساجد، ج۲ ص۶، رقم: ۱۹۳۰**]

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں ''**هذا حديث لا يصح**''

پھر اس راوی کے متعلق امام یحیی بن معین، امام بخاری، امام مسلم اور امام ابن حبان کی مندرجہ بالا جرحیں نقل کی ہیں۔ [**الموضوعات: كتاب الصلاة، ج۲ ص۹۴**]

علامہ سیوطی رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اس میں ''اصرم بن حوشب'' ہے جو کذاب ہے۔ [**اللآلي المصنوعة: كتاب الصلاة، ج۲ ص۱۶**]

علامہ ابن عراق، علامہ طاہر پٹنی اور علامہ شوکانی رحمہم اللہ نے اس روایت کو اپنی موضوعات کی کتابوں میں نقل کیا ہے، اور بتلایا ہے کہ اس میں ''اصرم بن حوشب'' کذاب راوی ہے۔ [**تنزيه الشريعة: ج۲ ص۷۹/ تذكرة الموضوعات: ص۳۷/ الفوائد المجموعة: ص۲۳**]

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کر کے آگے حکم بیان کرتے ہیں ''**موضوع**'' [**سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة: ج۲ ص۱۸۵، رقم: ۷۶۵/ ضعيف الجامع الصغير وزيادته: ص۳۵۸**]

قیامت کے دن مسجدوں کے سوا ساری زمین فنا ہو جائے گی، اور یہ مساجد ایک دوسرے سے مل جائیں گے۔

اس حدیث سے اتنی بات تو معلوم ہوتی ہے کہ مساجد کو امتیازی شان حاصل ہوگی اور یہ دوسری چیزوں کی طرح برباد نہ ہوں گی، باقی یہ سوال کہ سب مل مل کر کیا ہوں گی؟ اس کا کوئی واضح جواب نہیں ملتا، ہاں دوسری حدیث کو سامنے رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ فردوس اعلی کو منتقل ہو جائیں گی۔

اس قدر ثابت ہو جانے کے بعد مسجدوں کے نظام وحدت اور اسی کی دینی مرکزیت کی طرف جو لطیف اشارہ ہے وہ اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں۔

عہد نبوی کی پہلی مسجد

ابو البشر آدم علیہ السلام سے نبوت کا جو سلسلہ شروع ہو کر چلا آرہا ہے وہ آکر سید البشر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا، آپ پر دین کی تکمیل اور نبوت ورسالت کے اختتام کا اعلان کر دیا گیا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (المائدة: ۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی جن مصیبتوں اور تکلیفوں میں گھری ہوئی، اور جن دل ہلا دینے والی آفتوں اور پریشانیوں سے لبریز تھی، اس کی کوئی ادنی مثال تاریخ میں نہیں مل سکتی، مکی زندگی جن مشکلات ومصائب سے پر گزری ہے اُسے سیرت کی کتابوں میں مطالعہ کریں، آپ کو اور آپ کے جان نثاروں کو جس قسم کی اذیتیں دی گئیں صرف اس کے تصور سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ایسے نازک اور کٹھن دور میں

باضابطہ مسجد کی تعمیر کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا، پھر مسجد حرام موجود ہی تھی جس سے حصولِ اطمینان کے وقت کام لیا جا سکتا تھا۔

یہی وجوہ ہیں کہ مکی زندگی میں کسی باضابطہ مسجد کی تعمیر کا پتہ نہیں ملتا، چھپ چھپا کر لوگ نماز پڑھ لیتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کے یہاں جلوہ افروز ہوتے اور تمام صحابہ کرام پروانہ وار جمع ہوجاتے اور اسی مجلس میں آپ تبلیغ و تلقین فرماتے، گویا جماعت کی نماز کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا، جہاں وقت آجاتا نماز پڑھ لی جاتی، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَبْلَ أَنْ يَبْنِيَ الْمَسْجِدَ حَيْثُ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ. ❶

مسجد بننے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں وقت آتا نماز پڑھ لیتے۔

البتہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے گھروں میں نماز کے لئے ایک جگہ متعین کر لی تھی جہاں وہ تہجد و نوافل اور گریہ و زاری میں رات کے وقت مشغول ہوتے اور اللہ تعالی سے طلبِ مغفرت کرتے، جن کو فقہ کی اصطلاح میں مسجد البیت کہہ سکتے ہیں، انہی کو بعض محدثین نے مسجد سے تعبیر کیا ہے۔

باضابطہ مسجد اس وقت بنی جب کفارِ مکہ کی مسلسل ایذاء رسانیوں سے زندگی دوبھر ہوگئی، اور اللہ تعالی کے حکم سے مدینہ منورہ ہجرت فرماتے ہوئے مقام ''قباء'' میں نزولِ اجلال فرمایا، یہاں کے چند روزہ قیام میں سب سے پہلے مسجد وجود میں آئی جس کی بنیاد کی پہلی اینٹ خود ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی، پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پھر صحابہ کرام نے۔ ❷

❶ سنن ابن ماجه: كتاب المساجد، باب أين يجوز بناء المسجد، ج ۱ ص ۲۴۵، رقم الحديث: ۷۴۲ ❷ وفاء الوفاء: الفصل العاشر في دخوله صلى الله عليه وسلم أرض المدينة، ابتداء التاريخ من الهجرة، ج ۱ ص ۱۹۵، ۱۹۶

خود ہی معمار بھی تھے اور مزدور بھی اور اس شان وشوکت سے عہد رسالت کی پہلی مسجد تیار ہوئی۔ ❶

اس مسجد کو بارگاہِ احدیت میں ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ قرآن پاک نے ان لفظوں میں اس کی رفعت وعظمتِ شان کا اعلان کیا:

لَمَسۡجِد" اُسِّسَ عَلَی التَّقۡوٰی مِنۡ اَوَّلِ یَوۡمٍ اَحَقُّ اَنۡ تَقُوۡمَ فِیۡهِ. (التوبة: ۱۰۷)

ترجمہ: البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد اول دن سے تقوی پر رکھی گئی ہے زیادہ لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پہلی مسجد سے ایسی والہانہ محبت تھی کہ ہر ہفتے اس میں تشریف لاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ ❷

آپ کے اصحاب نے بھی اپنے وقتوں میں اس پر عمل باقی رکھا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دستور ہو گیا تھا کہ ہفتہ میں دو دن تشریف ضرور لاتے اور خدمت کی ضرورت محسوس کرتے تو خود خدمت انجام دیتے حتی کہ خود مسجد کو جھاڑتے تھے۔ ❸

یہ مسجد مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ ❹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد نبوی

چند دنوں کے بعد قباء سے شہر کی طرف روانہ ہوئے، مدینہ پہنچ کر سب سے پہلا کام

❶ زاد المعاد في هدي خير العباد: فصل في وصوله صلى الله عليه وسلم إلى المدينة، ج۳ ص ۵۲/ وفاء الوفاء: الفصل العاشر في دخوله صلى الله عليه وسلم أرض المدينة، ابتداء التاريخ من الهجرة، ج ۱ ص ۱۹۶ ❷ صحيح البخاري: كتاب الجمعة، باب مسجد قباء، ج۲ ص ۶۰، رقم الحديث: ۱۱۹۱ / صحيح مسلم: كتاب الحج، باب فضل مسجد قباء، ج۲ ص ۱۰۱۷، رقم الحديث: ۱۳۹۹
❸ وفاء الوفاء: باب مسجد قباء وفضله، إتيان الرسول صلى الله عليه وسلم مسجد قباء، ج۳ ص ۲۰ ❹ جذب القلوب: نواں باب، مسجد قباء، ص۱۶۷

جو کیا وہ مسجد نبوی کی تعمیر تھی، ناقہ جہاں بیٹھی تھی اسی جگہ بنی نجار کے دو یتیموں کی پڑی ہوئی (ویران) زمین تھی، آپ نے اس کے متعلق خواہش کا اظہار فرمایا، اس خواہش کی اطلاع پا کر وہ زمین آپ کی خدمت میں بغیر کسی قیمت کے پیش کی گئی اور آپ سے قبول کرنے کی درخواست کی گئی، مگر آپ نے یہ گوارا نہ فرمایا اور قیمتاً ہی لینے پر راضی ہوئے، چنانچہ قیمت دے کر زمین مذکور حاصل کی گئی، قیمت ادا کرنے کا شرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جیبِ خاص نے حاصل کیا۔ ❶

اب آپ نے صحابہ کرام کی معیت میں اسی جگہ مسجد نبوی کا سنگِ بنیاد رکھا، پہلی اینٹ خود ذات بابرکت سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی، اور پھر آپ کے خلفاء واصحاب نے، اینٹوں کے ڈھونے کا کام خود بنفس نفیس اور صحابہ کرام کر رہے تھے اور آپ کی زبانِ وحی ترجمان اعلان کر رہی تھی:

اَللّٰھُمَّ إِنَّهُ لا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَهْ، فَانْصُرِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَهْ. ❷

ترجمہ: بھلائی بس آخرت کی ہے، اے اللہ! انصار و مہاجرین کی مدد فرما۔

گویا اس مسجد محترم کے معمار اور مزدور بھی خود یہی داعیانِ اسلام اور اساطینِ امت تھے۔ ❸

ان خدا پرستوں نے آپ کی نگرانی میں جو مسجد تیار کی وہ سارے تکلفات اور آرائش سے پاک تھی، نہ نقش ونگار تھے نہ جھاڑ اور فانوس، نہ چمکتے دمکتے پتھر تھے اور نہ آنکھیں خیرہ کرنے والا رنگ وروپ، بلکہ مسجد نبوی سادگی کی اپنی مثال آپ تھی، کچی اینٹوں کی دیواریں، کھجور کے پتوں کی چھت اور کھجور ہی کے ستون۔ ❹

❶ شرح النووي على مسلم: كتاب المساجد، مواضع الصلاة، ج ١ ص ٢٠٠ ❷ صحيح البخاري: كتاب المناقب، باب مقدم النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه إلى المدينة، ج٥ ص ٦٠، رقم الحديث: ٣٩٣٢ ❸ جذب القلوب: چھٹا باب، مسجد نبوی، ص ۱۲۲ ❹ صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب بنيان المسجد، ج ١ ص ٦٧، رقم الحديث: ٤٤٦

اول اول ان مسجدوں کی بنیادیں اشارہ ہیں کہ مؤمن کو جہاں کہیں قابو بخشا جائے وہ سب سے پہلے بلکہ اپنے گھر سے بھی پہلے عبادت گاہ تیار کریں اوران کو اپنے اجتماعی نظام کی روح اوراپنی دینی مرکزیت کی جان سمجھیں، اوران میں نمونہ ہے کہ ایسی سادہ ہوں کہ ہر امیروغریب اپنی آبادی میں بآسانی اس مقدس گھر کو قائم کر سکے۔

مسجد نبوی کی حیثیت

مرکز اسلام کی یہ مسجد صرف رسمی مسجد نہ تھی بلکہ اسلام کا ناقابلِ تسخیر قلعہ تھی، جہاں دین ودنیا کے سارے قوانین ترتیب پاتے تھے،لشکرِ اسلام کو قواعدِ جنگ بتائے جاتے تھے، یہیں سے جہاد میں فوج روانہ کی جاتی تھی، وفود یہیں اترتے تھے،اسی میں مدینہ کا پہلا دار العلوم اسلامی تھا، اسی میں رسول الثقلین کا دربار لگتا تھا، اسی میں خصومات کے فیصلے سنائے جاتے تھے اوراسی میں مجرمین کو قید بھی کیا جاتا تھا، گویا دارالشریعت (پارلیمنٹ) دارالعلوم (یونیورسٹی) دارالعسکر (فوجی چھاؤنی) اوردارالحبس (جیل خانہ) سب کا کام اسی مسجد مقدس سے لیا جاتا تھا، اوراسی میں وہ متبرک حصہ بھی ہے جس کو حدیث میں ''رَوْضَةٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ'' فرمایا گیا، جس کی تشریح میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں۔ ❶

مگر محققین نے اسے اس کے ظاہر پر محمول کیا ہے کہ زمین کا یہ حصہ واقعی جنت سے لایا گیا ہوگا، جس طرح حجراسود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے جنت سے لایا جانا کہا جاتا ہے، اسی طرح یہ حصہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اتارا جانا ممکن ہے، جن کو ہماری آنکھیں اپنی طبعی ظلمت کی وجہ سے تمیز کرنے سے قاصر ہیں۔ ❷

اسی مسجد محترم کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے:

❶صحیح البخاري: کتاب الجمعة، باب فضل ما بین القبر والمنبر، ج ۱ ص ۶۱، رقم الحدیث: ۱۱۹۵

❷اشعة اللمعات: کتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، ج ۱ ص ۳۲۵

صَلَاۃٌ فِی مَسْجِدِی هَذَا خَیْرٌ مِّنْ أَلْفِ صَلَاۃٍ فِیمَا سِوَاہُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ. ❶

میری اس مسجد میں نماز ہزار نماز سے بہتر ہے، دوسری مسجدوں کے اعتبار سے بجز مسجد حرام کے۔

مسجد حرام اور مسجد نبوی کے درمیان باہمی فضیلت

اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ مسجد حرام و مسجد نبوی میں کس کو فضیلت حاصل ہے، بلکہ یوں کہئے کہ مدینہ اور مکہ میں کس کو فضیلت ہے، یہ تو اجماعِ امت اور اتفاقِ علماء سے ثابت ہے کہ موضع قبر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام زمین و آسمان سے افضل ہے، جس طرح آپ ساری کائنات سے اشرف و افضل تھے، اسی طرح آپ کا روضہ اطہر بھی تمام سے افضل و اشرف ہے، پھر کعبہ مکہ مکرمہ کو (سوائے قبر محترم) تمام پر فضیلت حاصل ہے، باقی مسجد حرام اور مسجد نبوی یا مکہ اور مدینہ میں اکثر علماء مسجد حرام کی فضیلت کے قائل ہیں جس کی حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے، مگر امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کو فضیلت حاصل ہے کیونکہ یہ محترم و مقدس مسجد دس سال تک درسگاہ نبوت اور سجدہ گاہ رسول رہ چکی ہے، اور اسی زمین میں آپ آرام فرما ہیں، محققین علماء کی رائے ہے کہ من وجہٍ (مثلاحقِ نماز میں) مسجد حرام کا درجہ بڑھا ہوا ہے اور من وجہٍ (مثلاحقِ موت میں) مسجد رسول کا درجہ۔ ❷

مگر اس بحث میں پڑنا قرینِ عقل نہیں، ان دونوں میں سے ہر ایک کی فضیلت اپنی جگہ ہمارے لئے مسلّم ہے، ایک مقام آپ کی پیدائش، جوانی اور نبوت کے حصول کا ہے تو دوسرا اشاعتِ دین اور غلبہ اسلام کا، مسجد نبوی کو دائمی قربت حاصل ہے تو مسجد حرام کو قبلہ

❶ صحيح البخاري: كتاب الجمعة، باب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، ج۲ ص ٦٠، رقم الحديث: ١١٩٠ ❷ جذب القلوب: آٹھواں باب، مسجد نبوی، ص ۱۵۷، ۱۵۸

وکعبہ اور مرجع عام ہونے کی فضیلت حاصل ہے، اس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ قرآن پاک میں اس کا تذکرہ بار بار آیا ہے اور اسے ''مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ'' (آل عمران: ۹۶) کے معزز خطاب سے سرفراز کیا گیا ہے کہ ہم گناہگاروں کے لئے دونوں ہی فیوض وبرکات کے منبع اور سرچشمہ ہیں (اللہ تعالی سب کو زیارت نصیب فرمائے) باقی علماء احناف کا فیصلہ یہ ہے افضل مسجد مکہ پھر مسجد مدینہ، پھر قدس پھر قباء۔ ❶

مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصی

بلاشبہ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصی اپنی تاریخی اور دینی اہمیت کے لحاظ سے ممتاز ہیں، اسلام میں جو مرتبہ اور بزرگی ان مسجدوں کو حاصل ہے وہ کسی اور کو میسر نہیں، ان کی عظمت کا یہ حال ہے کہ تقرب الی اللہ (ثواب) کی نیت سے ان مسجدوں کے لئے سفر کرنا جائز بلکہ مطلوب ہے، اوروں کے لئے اجازت نہیں ہے:

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى، وَمَسْجِدِيْ هٰذَا. ❷

کجاوہ نہ باندھو مگر تین مسجدوں کے لئے، مسجد حرام، مسجد اقصی اور میری یہ مسجد (مسجد نبوی)۔

یہ حدیث بہت واضح ہے اور ان تین مسجدوں کی عظمت کو نمایاں کر رہی ہے، بقیہ دوسری مساجد کی طرف ثواب کی نیت سے سفر کی اجازت نہیں دی گئی ہے، اسی سے یہ معلوم ہوا کہ دوسرے مقاماتِ متبرکہ کی طرف بھی ثواب کی نیت سے سفر جائز نہیں ہے،

❶ الدر المختار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ج ۱ ص ۶۵۸، ۶۵۹ ❷ صحيح البخاري: كتاب الصوم، باب صوم يوم النحر، ج ۳ ص ۴۳، رقم الحديث: ۱۹۹۵ / صحيح مسلم: كتاب الحج، باب لا تشد الرحال إلا ثلاثة مساجد، ج ۲ ص ۱۰۱۴، رقم الحديث: ۱۳۹۷

یوں جانا یا کسی اور ضرورت سے جانے میں البتہ کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسے حصولِ علم، تجارت، تفریح وغیرہ۔ ❶

بلکہ کبھی ایسی ضرورت بھی آپڑتی ہے کہ سفر مطلوب ہو جاتا ہے، مثلاً کسی پر کوئی حق واجب الاداء ہو، علوم قرآن وحدیث مقصود ہوں۔

یہ دھوکہ ہرگز نہ ہو کہ کوئی سفر کرے تو مقامات متبرکہ دیکھنے نہ جائے، یا مشہور ومعروف مسجدیں نہ دیکھی جائیں، اس میں اس کو اختیار ہے، ہاں یہ نیت ہرگز نہ ہو کہ دہلی کی جامع مسجد کی زیارت سے نصفِ حج کا ثواب ملے گا اور اجمیر کی حاضری سے ایک حج کا ثواب حاصل ہوگا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس کی ممانعت کی حکمت کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

جاہلیت میں چند جگہوں کو اپنے خیال میں باعظمت اور متبرک سمجھ کر ان کا قصد کرتے اور ان کی زیارت کو جاتے تھے، حالانکہ اس میں تحریف وفساد کھلا ہوا تھا، اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فساد کا دروازہ ہی بند فرما دیا تاکہ شعارِ دین سے جو دین نہیں ہیں خلط ملط نہ ہو، اور آگے چل کر غیر اللہ کی عبادت کا ذریعہ نہ بن سکے۔ ❷

درجاتِ مساجد

اوپر کی حدیث سے اتنی بات ضرور معلوم ہوئی کہ مسجدوں کے درجے آپس میں متفاوت ہیں اور یہ درست بھی ہے، خود ان تین مسجدوں کے مراتب بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں، چنانچہ ابن ماجہ شریف کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرض نماز جو گھر میں بغیر عذر شرعی پڑھی جائے ایک ہی نماز کے برابر ہے اور مسجد

❶ اشعة اللمعات: كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، ج ۱ ص ۳۲۴

❷ حجة الله البالغة: باب المساجد، ج ۱ ص ۳۲۵

محلّہ میں یا با جماعت پڑھی جائے تو پچیس گونہ اس کا ثواب بڑھا ہوا ہے اور جامع مسجد میں (جمعہ کی) نماز پانچ سو نمازوں کے برابر ہے، اور مسجد اقصی میں جو نماز پڑھی جائے وہ پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور جو نماز میری مسجد (نبوی) میں پڑھی جائے وہ اس سے پچاس ہزار درجہ بڑھی ہوئی ہے اور مسجد حرام کی نماز ایک لاکھ درجہ زیادہ رکھتی ہے۔ ❶

فقہائے کرام نے دوسری حدیثوں کے پیش نظر مسجد اقصی کے بعد مسجد قبا کا درجہ بتایا ہے، پھر جامع مسجد کا پھر محلّہ کی مسجد کا، پھر شارع عام کی مسجد کا، لیکن پنج وقتہ کے لئے محلّہ کی مسجد کو جامع مسجد پر فضیلت حاصل ہے، البتہ جمعہ کی نماز جامع مسجد ہی میں افضل ہے۔ ❷

کیونکہ سلف صالحین اور صحابہ کرام کا تعامل آپ کے بعد یہی رہا کہ پنج وقتہ نماز اپنے محلّہ کی مسجد میں پڑھتے رہے اور آج بھی صالحین کا یہی تعامل ہے۔

ایک محلّہ میں چند مسجدیں ہوں تو سب سے زیادہ حق اس مسجد کا ہے جس میں جماعت بڑی ہوتی ہو، پھر جو قریب تر ہو، پھر جو قدیم تر ہو، اور ہر طرح مساوی ہوں تو جس میں قلبی رجحان پایا جائے، اور اگر نمازی عالم دین ہے جس کی ذات سے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ نفع کی توقع کی جاتی ہے تو اِس کو اُس مسجد میں نماز پڑھنی چاہئے جس میں نمازیوں کی آمد کم ہے تا کہ اس کی وجہ سے جماعت میں اضافہ ہو سکے اور مسجد آباد رہے۔ ❸

مگر طالب علموں کو یہ رعایت ہے کہ وہ جا کر اپنے استاذ کی مسجد میں نماز پڑھیں تا کہ استاذ سے مستفید ہو سکیں۔ ایک بات اور قابلِ ذکر ہے کہ محلّہ کی مسجدوں میں اس مسجد کو خاص شرف حاصل ہے جس کا امام عالم باعمل اور متقی ہو۔ ❹

❶ سنن ابن ماجه: كتاب إقامة الصلاة والسنة بها، باب ما جاء في الصلاة في المسجد الجامع، ج ا ص ۴۵۳، رقم الحديث: ۱۴۱۳ ❷ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع: أفضل المساجد، ج ا ص ۶۵۹ ❸ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع: أفضل المساجد، ج ا ص ۶۵۹ ❹ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع: أفضل المساجد، ج ا ص ۶۵۹

تفاوتِ درجات کا راز

غور کیا جائے تو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ تفاوتِ درجات بے وجہ نہیں ہے، بلکہ مصالح اور حکم پر مبنی ہے، مسجد حرام کے جو فضائل ضمناً گزر چکے ہیں وہ خود ایک مستقل وجہ فضیلت ہے، پھر حج کی فرضیت، اس میں ثواب کا چند در چند مضاعف ہونا یہ مل کر ایمان والوں کے دلوں میں ایک ہی جان کی سی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں اور اس طرح ہر خطہ ارض سے لوگوں کا ایک مرکز پر جمع ہونا سال میں ایک مرتبہ اور بھی سہل ہو جاتا ہے، وہاں فرشتوں کی ایک جماعت مقرر ہے جو وہاں کے باشندوں پر چھائی ہوئی رہتی ہے، اور آنے والوں کے لئے دعا کرتی ہے۔ (۱)

مرد مؤمن کو وہاں پہنچتے ہی غفلت کا پردہ اٹھتا نظر آتا ہے اور یہ یاد ایک شور برپا کر دیتی ہے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے تولد فرمایا، جوان ہوئے اور آپ کو نبوت کی عزت حاصل ہوئی، اور پھر اس کے بعد بہت سی اذیتیں دین کے لئے برداشت کیں، یہی وہ جگہ ہے جہاں دنیا کی شیرازہ بندی کا اسلام کے نام پر اعلان ہوا، اس مسجد حرام کو بیت اللہ کہتے ہیں اور اسی میں حجر اسود جیسا ذی مرتبت پتھر نصب ہے۔

مسجد نبوی کو بھی ان میں سے بہت سی چیزیں حاصل ہیں، علاوہ ازیں اس کی نسبت فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مقبولیت کی سند اور عظمت کا نشان ہے، یہی وہ مسجد محترم ہے جہاں دس برس تک مسلسل سید الکونین نے سجدے کئے اور خود بنفس نفیس ان صحابہ کرام کی امداد سے تیار کیا جن کے متعلق قرآن نے اعلان کیا ''رضی الله عنهم ورضوا عنه'' یہاں پہنچ کر آپ کی زندگی کا دوسرا پہلو آنکھوں میں پھرنے لگتا ہے، یہیں سے اسلام کی نورانی کرنیں عرب وعجم کو پہنچیں اور ایمان کی دولت لٹائی گئی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس خاک پاک کو دائمی قربتِ رسول کا شرف حاصل ہے۔

---

(۱) حجة الله البالغة: باب: المساجد، ج ۱ ص ۳۲۵

مسجد اقصی یہ مہینوں قبلہ کے شرف سے مشرف ہو چکی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ اول یہی مسجد تھی، آپ سے پہلے یہ بہت سے نبیوں کا مرکز رہ چکی ہے، وہاں آج بہت سے انبیاء آرام فرما ہیں، معراج میں آپ کو یہاں لایا گیا ہے جس کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے۔ یہ اوراس طرح کی دوسری فضیلتوں کی وجہ سے یہ بھی اپنا ایک خاص درجہ رکھتی ہے۔

مسجد قبا کے متعلق ابھی لکھ آئے ہیں کہ یہ عہد نبوی کی پہلی مسجد ہے، آپ نے اپنے صحابہ کرام کی معیت میں اسے تیار فرمایا ہے اور قرآن پاک نے سندِ تقوی عطا کی ہے۔

ان کے بعد جامع مسجد کا مرتبہ ظاہر ہے، ہفتہ میں ایک مرتبہ یہ ایک بڑی تعداد کو اپنے دامن میں لے کر یکجا کر دیتی ہے، اور محلّہ کی مسجد دن رات کے پانچ وقتوں میں اپنے محلّہ کے ایمان والوں سے پر نور رہتی ہے، محلّہ کی مسجد میں جماعت کا جو اہتمام رہتا ہے شارعِ عام کی مسجد کو حاصل نہیں ہوتا، غور وفکر سے معلوم ہوتا ہے اجتماع کے التزام اور اس کے عظیم الشان ہونے میں بھی مرتبہ کی بلندی مضمر ہے۔

مسجدوں کا قدرتی نظام

انفرادی طور پر نماز پڑھی جاسکتی ہے اور نفل نمازیں پڑھی جاتی ہیں، مگر اللہ تعالی کی حکمت کا تقاضہ ہوا کہ فرض نمازوں کو اجتماعی شکل دی جائے اور پراگندہ ومنتشر افراد کی شیرازہ بندی کا مظاہرہ کیا جائے اور قرآن نے تالیفِ قلوب کا جو احسان جتلایا ہے اس کا عملی طور پر بھی رات دن اعلان ہوتا رہے:

اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا. (آل عمران: ۱۰۳)

ترجمہ: ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ تعالی نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ تعالی کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔

چنانچہ اس کے لئے ایک مستقل نظام قائم کیا جس قدرتی نظام میں سارے مؤمنوں کو حتی الوسع یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ہم اس نظام کو نظام مسجد سے تعبیر کرتے ہیں، اس

کی عظمتِ شان دلوں میں بٹھانے کے لئے ابتدائے آفرینش سے اس سلسلہ کو جاری فرمایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کو خوب مستحکم کردیا گیا جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ آپ نے اس نظام کی بنیاد خود اپنے ہاتھوں رکھی اور حکم فرمادیا کہ ہر ہر محلّہ اور آبادی میں اس نظام کو پوری پختگی اور جرأت سے قائم کیا جائے، کیونکہ اس میں دینی اور دنیوی، حسی اور معنوی بے شمار فائدے ہیں۔

نظام مساجد کا استحکام

اس نظام میں جس کو ہم مسجد کہتے ہیں بہت عمدہ تدریجی ترقی ملحوظ رکھی گئی ہے، ہفتہ بھر ہر محلّہ اور ہر آبادی اپنے محلّہ اور گاؤں کی مسجد میں جمع ہوکر پنج وقتہ نماز ادا کرتی ہے، پھر یہ پانچ وقت ہر ایک کے لئے متعین ہیں کوئی اس کے خلاف کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا تاکہ ایک ہی وقت میں پوری دنیا اپنی اپنی جگہ عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ جس طرح دنیا میں کوئی شخص اکیلا نہیں پیدا ہوا ہے اور نہ تنہا کوئی کام انجام دے سکتا ہے، بلکہ اپنی دنیاوی زندگی میں وہ اپنے بہت سے معین و مددگار اور حامیوں کا محتاج ہے، دوستوں، بھائیوں، اور بے شمار ساتھیوں کے تعلقات کے ساتھ خوشگوار زندگی جکڑی ہوئی ہے، اسی طرح اللہ تعالی کے احکام میں بھی بندہ کو اپنے شرکاءِ کار، ہاتھ بٹانے والوں اور مدد کرنے والوں کی ضرورت ہے تاکہ ایک خدا کے ماننے والے ایک رسول کے امتی، ایک کتاب مقدس کے قانون کے پابند اور ایک دین کے پیروکار اللہ تعالی کی عبادت میں ایک پاک جگہ جمع ہوں، اور ایک مقصد کی خاطر، عاجزی، تواضع اور ذلت ومسکنت کا اظہار کریں اور پروردگار عالم سے حصولِ مقصد کے لئے دعا اور مناجات کریں اور منظّم ہوکر شیطان رجیم کا مقابلہ کریں، کیونکہ اگر ہر ایک نے دوسرے کی پشت پناہی نہ کی منظّم ہوکر صف بستہ نہ ہوئے تو دشمن کا لشکر منتشر اور پراگندہ افراد کو موقع پاکر شکست دے سکتا ہے۔

پھر یہ تنظیم کھوکھلی نہ ہو بلکہ ہر پہلو اور ہر اعتبار سے مستحکم اور ٹھوس ہو، ظاہری اجتماع کے ساتھ باطنی اجتماع بھی پختہ تر ہو، جسم کی صفوں کی درستی کے ساتھ دل کی صفوں کی درستی بھی ہو، اور ظاہر کی پاکی وصفائی سے بڑھ کر باطن کی پاکی اور صفائی حاصل ہو، ایک ہی اصول کے سب پابند اور ایک ہی امیر یا امام کے سب ماتحت ہوں۔

نظام مساجد میں تدریجی ترقی

چنانچہ اسلام نے اس کا ایسا ہی مستحکم نظام قائم کیا ہے، مسجد کے نام سے ایک خاص گھر بنا دیا گیا ہے جس میں کسی خاص شخص کی نہ ملکیت ہوتی ہے اور نہ اس کا شخص قبضہ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر کہلاتا ہے اس میں سارے مسلمان برابر کے شریک ہیں۔ ❶

اجتماع کے خاص خاص وقت متعین کر دیئے گئے ہیں تا کہ ایک ہی وقت میں دنیا کے سارے اراکین اسلام اپنی اپنی اس قدرتی اسمبلی میں جمع ہو جائیں، اور پھر کس طرح؟ کہ سب مل کر ایک امام کے پیچھے ایک ساتھ شانہ سے شانہ ملا کر کھڑے ہو جائیں، اٹھنے بیٹھنے، کھڑے ہونے اور تمام حرکت وسکون میں اُسی ایک کی پیروی کریں، نہ کوئی امام سے پہلے جھک سکتا ہے نہ اس سے پہلے قیام وقعود کر سکتا ہے اور نہ کوئی ایسی حرکت کر سکتا ہے جو اس کے خلاف ہو، سب کے سب چاہے امیر ہوں چاہے غریب، بادشاہ ہوں کہ گدا، اسی کی متابعت کرتے ہیں، اور یکجا اظہارِ بندگی کرتے ہیں اور یہ محسوس کرتے ہوئے کہ ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں ورنہ کم سے کم یہ کہ وہ تو ہمیں ضرور دیکھ رہا ہے۔

پورے ہفتہ کے بعد ایک مخصوص دن پہنچا تو ایک قدم اور بڑھایا، محلّہ محلّہ اور بستی بستی کے مسلمان نہا دھو کر حسب استطاعت خوشبو لگا کر اپنے اپنے گھروں سے نکلے مسجد کا راستہ ایک عمدہ منظر پیش کر رہا ہے، سب ہر طرف سے آ کر ایک ہی گھر میں داخل ہو رہے ہیں آج

❶ أحكام القرآن لابن العربي: سورة البقرة آیت نمبر۱۱۴ کے تحت، باب مسئلة مفادة قوله تعالى: مساجد لله، ج ۱ ص ۵۱

نسبتاً صاف ستھرے ہیں، چہروں پر وجاہت ہے اور چال میں وقار کی نمایاں جھلک، دیکھتے ہی دیکھتے بغیر کسی اشتہار اور اعلان کے مسجد بھر گئی، سب محلّہ کے مسلمان یکجا ہو گئے، سنتیں پڑھی گئیں، اور لوگ تسبیح وتقدیس اور تلاوت میں مشغول ہو گئے۔

سینکڑوں ہزاروں ایمانی شمعیں مل ملا کر جمع ہو گئیں، ان کی ملی جلی روشنی نے پوری مسجد کو نور سے بھر دیا، ہر ایک دل کی کلی کھل کر مسکرانے لگی اور ہر ایک کا عکس دوسرے کو منور کرنے لگا، بغض وحسد عداوت ونفرت کی تاریکی ختم ہونے لگی۔

امام نکلا، مؤذن نے اذانِ ثانی دے کر لوگوں کی توجہ امام کی طرف پھیر دی وہ سامنے کھڑا تلقین کر رہا ہے اور سب ہمہ تن متوجہ سن رہے ہیں، جب اس کی آواز میں تیزی ہوئی اور آنکھیں سرخ ہو گئیں تو پھر کتنے دل کانپ اٹھے، کتنے جسموں پر لرزہ پڑ گیا، خشیتِ الٰہی اور محبتِ مولیٰ کی ملی جلی کیفیت نے ایک عجیب سماں پیدا کر دیا، خطبہ ختم ہوا نماز ادا کی گئی مگر کس شان سے کہ آج جب ایک فرد (امام) اللہ اکبر کہتا ہے تو سارے شہر کے مسلمان اللہ اکبر کہتے ہیں، وہ جب رکوع میں جھکا تو سب کے سب بے چوں وچرا رکوع کے لئے جھک گئے اور جب وہ سجدہ میں گرا تو سب کے سب اکٹھے سجدے میں گر پڑے۔

دینی اور دنیاوی اصلاح کے مراکز

اس شان وشکوہ سے ہفتہ کی جو عبادت ادا کی گئی، اس میں زندگی کے ہر شعبہ کے ماہرین اور دینی ودنیوی دورِ حیات کے تجربہ کار شریک تھے، رؤسا، تجار، غرباء، فقراء، علماء، صوفیا اور وہ لوگ بھی جوق در جوق تھے جن کو علم وفضل سے کوئی مَس نہیں۔

ہر ایک نے دوسرے کو عبرت وبصیرت کی آنکھوں سے دیکھا، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا نقشہ کھنچ گیا، تاجروں اور رئیسوں کو مسلمانوں کی اقتصادی ومعاشی حالت کی طرف توجہ ہوئی، علماء کرام کو علمی اور دینی سدھار کی فکر ہوئی، صوفیاء کی نظر تزکیہ قلوب کی طرف گئی، غریبوں میں محنت کی امنگ پیدا ہوئی، فقیروں کی خودداری میں جوش آیا، اَن پڑھ اور جاہلوں

کے دلوں میں اشتیاقِ علوم نے کروٹ لی اور بے عملوں میں عمل کا جذبہ ابھرا۔

آپ نے غور کیا یہ کون سا دن تھا اور کون سی مسجد؟ جمعہ کا دن تھا اور جامع مسجد جس کا یہ روح افزا اور حیات بخش منظر آنکھوں کو خیرہ کررہا تھا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (الجمعة: ۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو، اور خرید وفروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھو۔

یہ قدرتی ہفتہ وار اجتماع نظام مساجد کے سلسلہ میں ہر ماہ چار مرتبہ ہوتا ہے اور کبھی کبھی مہینہ میں پانچ مرتبہ بھی، اس اجتماع سے قوم وملک کو ہمیشہ فائدے پہنچتے رہے جس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

عیدین میں شرکاء کی حالت وکیفیت

اس نظم وضبط کے ساتھ سال کے بارہ مہینے گذرتے ہیں، مگر ان میں دو مخصوص دن ذرا اور امتیازی شان رکھتے ہیں اور ان دنوں کا قدرتی اجتماع اور زیادہ مفید اور مہتم بالشان ہوتا ہے۔

آج فرزندانِ توحید کے قلوب وفورِ مسرت سے لبریز معلوم ہوتے ہیں، ہر چیز میں نمایاں امتیاز پایا جاتا ہے، لباس بھی عمدہ سے عمدہ اور صاف ستھرے ہیں، کھانے پینے میں بھی خاص اہتمام ہے، جوان، بچے اور بوڑھے سب تکبیر کہتے ہوئے ایک ہی جانب جارہے ہیں اور شاید ایک ہی گھر کو جارہے ہیں، تھوڑی دیر میں ایک وسیع میدان کے اندر عظیم الشان اجتماع ہوگیا، جس میں شائستہ شہری بھی ہیں اور سادہ دل دیہاتی بھی، کھلے دل میں ایک عجیب دلکش منظر ہے، ایک آواز پر لاکھوں اونچی پیشانیاں خدائے واحد کی پرستاری میں خاک آلود ہورہی ہیں، کبر ونخوت کا جنازہ نکل رہا ہے، مساوات کا پرچار ہورہا ہے اور یہ

سب ایک نظام کے ساتھ ہو رہا ہے۔

صدقہ فطر کے نظام نے غریبوں اور محتاجوں کو بھی خوشی کا موقعہ دے رکھا ہے، ایک آواز اٹھی اور وہ محلّہ محلّہ پہنچ گئی، شہر کے گوشہ گوشہ سے نکل کر اس کی گونج دیہاتوں میں سنی جا رہی ہے، یہ سالانہ قدرتی اجتماع ہفتہ وار اجتماع سے کہیں زیادہ جاذبِ نظر اور نتیجہ خیز ہوتا ہے، آپ نے سمجھا یہ اجتماع کیسا ہے، یہ بھی ایک مسجد ہی کا ابرِ کرم ہے جو ہر خطہ ارض پر برستا ہے جس کو ہم عیدگاہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

مسجد حرام میں عالم اسلام کا اجتماع

اب اس کی ضرورت رہ گئی تھی کہ کوئی ایسی مسجد بھی ہوتی جو ساری دنیا کے خدا پرستوں کو یکجا کر دیتی اور یہ نظام مساجد اس طرح عالمگیر ہونے کا دعویٰ کرتا، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نظام سے اس کمی کو بھی پورا کرتا ہے، ان دو ہی مخصوص دنوں میں ایک ایسا دن بھی ہر سال آتا ہے جو اس اہم کام کی انجام دہی کر دیتا ہے، یہ ذی الحجہ کا مہینہ اور سنت ابراہیم کی یاد تازہ کرنے کا دن۔

یہ اونٹوں کا ہجوم قطار در قطار کتنا بھلا ہے، ریگستانی جہازوں کا حسنِ منظر بے انتہا دلچسپیوں کا مرقع ہے، ساربانوں کی حدی خوانی، بددوں کی تانیں سبحان اللہ! کس قدر ولولہ انگیز ہیں۔ دنیا کے کونے کونے سے ربِ کعبہ کے متوالے اس کی محبت سے سرشاری فریادی بن کر آرہے ہیں، پیروان اسلام کے یہ قافلے مختلف خطہائے ارض سے چل کر آئے ہیں اور اس طرح داخل حرم ہو رہے ہیں کہ باوجود مختلف شکل وصورت کے سب کی ظاہری ہیئت ایک سی ہے، سب کی زبان پر ایک ہی طرح کی دعائیں اور صدائیں ہیں، ذرا ان کی ادائیں تو دیکھئے، بال پراگندہ، جسم خاک آلود، سر کھلا، نہ بدن پر سلا ہوا کپڑا، نہ کپڑوں میں خوشبو، سب کی گردنوں میں سادہ کفنی پڑی ہوئی ہے، سب عیش وراحت سے دور، حرم محترم کا احترام، اس کی ایک ایک چیز عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، نہ گھاس کاٹنے کی مجال، نہ

پرند پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت اور نہ جوں مارنے کی ہمت۔

اس عالمی اجتماع میں تمام ممالک کے نمائندے شریک ہیں، کالے، گورے، حبشی، مصری، ہندوستانی، افریقی، یورپی، ایشیائی، ان میں کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں سے مسلمان یہاں نہ آئے ہوں، مختصر یہ کہ عالم اسلام کے کونے کونے سے خدا پرستوں کے نمائندے آئے ہیں، سب آپس میں ملے، باہم ملاقاتیں ہوئیں، محبت والفت بڑھی، تبادلہ خیالات کا موقع میسر آیا، ہر ایک نے دوسرے ملک والے کو غور وفکر کی نظر سے دیکھا اور سب ایک دوسرے کے غم اور خوشی سے واقف ہوئے۔

یہ بھی ایک مسجد ہی کا فیض وکرم ہے جس نے ساری دنیائے اسلام کے نمائندوں کو ایک تاریخ، ایک دن اور ایک شہر میں جمع کر دیا، اس مسجد کا نام مسجد حرام ہے جس کو بیت اللہ بھی کہتے ہیں:

وَاَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ. (الحج: ۲۷)

ترجمہ: اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو کہ وہ تیرے پاس آئیں گے پیادہ بھی، اور ہر دبلی اونٹنیوں پر بھی جو دور دراز کے راستوں سے پہنچی ہوں گی۔

مساجد کی اجتماعی حیثیت

اس اجتماعی نظام سے بڑھ کر کوئی اور نظام ممکن بھی ہے؟ دنیا کا کوئی پولیٹیکل نظام اس قدرتی نظام مساجد کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا جو بکھرے ہوئے انسانوں کو بتدریج جمع کر دیتا ہے اور منتشر افراد کی بات میں شیرازہ بندی کا کام انجام دیتا رہتا ہے، اس نظام میں کاہلی پر ہر دن ضرب کاری لگتی رہتی ہے، اور ہر پہلو سے یہ عالمی نظام ایک کو دوسرے سے جوڑ دیتا ہے۔

واقعی بات یہ ہے کہ ہم نے اب تک سچائی سے اس قدرتی نظام پر غور ہی نہیں کیا،

اور کبھی غور بھی کیا تو محض سرسری طور پر، ورنہ اس نظام میں دینی و دنیوی دونوں روگ کا کامل علاج ہے اور کہیں سے کوئی خامی نہیں چھوڑی گئی ہے، اس نظام کے برروئے کار لانے سے دین بھی پیدا ہوگا اور دنیا بھی سنورے گی، اتحاد و اتفاق کی ناقابلِ تسخیر قوت بھی پیدا ہوگی اور ارتقاء و عروج کا جذبہ بھی ابھرے گا، مرکزیت اور اجتماعیت بھی مستحکم ہوگی اور سیاسی قوت بھی راسخ ہوگی، اور جس کی وجہ سے ہمارے سارے کام بگڑتے ہیں وہ بات بھی ختم ہو جائے گی، یعنی ایک بالادست طاقت کے اشارے پر زندگی گزارنے کا ڈھنگ پیدا ہو جائے گا۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آئین اسلام کی کامل اتباع کے ساتھ اس نظام میں نظم جماعت، ہمدردی، پاکیزگی، جسم کی صفائی، حسن ہیئت، وقت کی پابندی، آپس کی محبت، اخلاص و تضرع اور دوسرے شعبہائے زندگی کے سارے لوازمات آجاتے ہیں۔

نظام مساجد کی برتری

قدرت کا یہ اجتماعی نظام جن لوازمات زندگی کو پورا کرتا ہے اور جن خامیوں کو دور کرتا ہے وہ انجمن پارٹی کانفرنس اور جماعت سے پورا نہیں ہوسکتا ہے، انسان جو بھی اصول وقوانین مرتب کرے وہ ہر طبقہ انسانی کے لئے مفید ہو ہی نہیں سکتے، اس اجتماع کے استحکام پر بارہا غور کیجئے، اول قرآن پاک نے بتایا کہ تخلیق انسانی کا مقصد عباداتِ الٰہی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. (الذاريات: ٥٦)

ترجمہ: اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

پھر اسلام نے اس امر کو منقح کیا کہ اس نظام سے جو عبادت متعلق ہے وہ سب سے اہم اور عوام و خواص دونوں سے تعلق رکھنے والی ہے، مزید برآں یہ کہ اس نظام سے نسل ونسب کے بت پاش پاش ہو جاتے ہیں، میں و تو کی تفریق ختم ہو جاتی ہے اور امیر و غریب کی تمیز اُٹھ جاتی ہے۔

دوسری طرف خوبی یہ ہے کہ ایک امام کی پیروی اس نظام کی روح ہے، لشکر اور فوج کو کمانڈر اور امیر کی اطاعت کی تعلیم دی جاتی ہے، ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہونے کی مشق کرائی جاتی ہے، اس شعبہ پر لاکھوں کروڑوں روپے پانی کی طرح بہائے جاتے ہیں، مگر پھر بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ پورا نظم وضبط باقی رہ سکے گا، لیکن نظام مساجد میں امام کی پیروی کا یہ حال ہے کہ اس سے کوئی مفر نہیں، دس سال کی عمر سے لے کر موت تک اس کی مشق ہوتی ہے اور کمال یہ ہے کہ کسی دن ناغہ کا نام ہی نہیں الا ماشاء اللہ۔ اجتماع کی شرکت کی دعوت دی جاتی ہے تو ایسے کلمات سے جو جاہ وجلال سے بھرپور ہوتے ہیں، جن میں عقیدے کی تازگی، خالق کی بڑائی اور فلاح اور کامیابی کی یقین دہانی ہوتی ہے۔

اجتماعی نظام کا عملی تعطل

ہاں افسوس اس کا ہے کہ ہم نے اس نظام پر عمل ترک کر دیا ہے جو اس سے فائدے تھے اس سے ہم محروم ہیں، عہد رسالت اور عہدِ صحابہ کی تاریخ دیکھئے اس نظام کو کس قدر قبولیت حاصل تھی اور وہ کتنے بامراد اور کامیاب تھے، خلافتِ راشدہ تک آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ بہت ساری باتیں انہیں مساجد کے ذریعہ طے پاتی تھیں، خلیفہ کی پالیسی کا اعلان ان کے منبروں سے ہوتا تھا، گورنروں کے فرائض میں امامت بھی داخل تھی، یہ منصبی فرض گورنروں کا عہد عباسیہ تک ملتا ہے، جمعہ اور عیدین کی امامت بھی یہی کرتے تھے، خلفاء راشدین نے برابر امامت کی اور فاروقِ اعظم نے تو اسی منصب کی ادائیگی میں جام شہادت نوش فرمایا، اپنے تو اپنے اغیار نے ہمارے خلفاء راشدین کے اس منصب کو سراہا ہے اور نظاموں پر اسلام کے اس نظام کو ترجیح دی ہے۔

کیا یہ واقعہ نہیں کہ مسجد کے منبر کو دستوری حکومت کے تخت کی حیثیت حاصل تھی، جہاں سے جمہوری حکومت کی پالیسی کا اعلان ہوتا ہے، اس اجمال کی تفصیل آئندہ اوراق میں ملاحظہ کریں گے۔

قدرتی نظام اجتماع

اب ذرا تفصیلی طور پر اس قدرتی حسنِ انتظام کی حکمتوں میں غور وفکر کرنا ہے کہ حضرت حق جل مجدہ نے نظام مساجد میں مسلمانوں کی اصلاح اور ان کی دینی و دنیوی فلاح ونجاح کو کس عمدگی کے ساتھ جمع فرمادیا ہے۔

اجتماع کے مرکزی گھر

اس میں تو شبہ نہیں کہ مسجدوں کا قدرتی نظام ہی اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ انتشار وتشتت اور نفاق وشقاق کا قلع قمع کردیا جائے اور بکھرے موتیوں کو ایک سلک گہر میں پروکر اللہ تعالی کے مقدس دربار میں ایک صف اور ایک جماعت کے اندر بغل گیر کردیا جائے، اور پوری نیازمندانہ شان سے کھڑا کرکے دن رات کے پانچ وقتوں میں ان کی زبان سے یہ دعا باربار دہرائی جائے:

اے وہ ذات کہ سب تعریفیں تجھ ہی کو زیبا ہیں، ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان برگزیدہ بندوں کا راستہ جن پر تو نے انعام واکرام فرمایا، ان ملعون انسانوں کا راستہ نہیں جن پر تیرا غضب ہے، اور نہ ان کا راستہ جو راہِ راست سے بھٹک کر گمراہ ہیں۔ (فاتحہ:۱ تا ۷)

یہی وجہ ہے کہ نماز کا درجہ توحید کے بعد ہی رکھا گیا ہے اور اسلام کی بنیادی چیزوں میں اس کو خاص اہمیت دی گئی ہے، پھر توحید کی جھلک جماعت کی نماز میں قائم رکھ کر مسجدوں کا نظام قائم کیا اور ان کے ذریعہ عبادت کی روح اور اطاعت کی جان کو اجاگر کیا۔

مسجدوں کے مرکزی گھر ہونے کا ثبوت قرآن سے

قرآن پاک اور احادیث نبوی کے الفاظ واضح طور پر بتاتے ہیں کہ نمازوں کی ادائیگی با جماعت مسجدوں ہی میں مطلوب ہے اور شریعتِ مطہرہ میں ان مسجدوں کو مرکزی گھر ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔

مندرجہ ذیل آیتوں اور حدیث میں غور فرمائیں، ارشاد باری تعالی ہے:

وَ اَقِیۡمُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ وَّ ادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ. (الأعراف: ٢٩)

ترجمہ: اور سیدھا کرو اپنے چہروں کو ہر مسجد کے پاس اور اللہ تعالی کی عبادت اس طور پر کرو کہ عبادت اسی کے لئے خالص رہے۔

اس آیت کے تحت ملا جیون رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ففی الآیة دلیل علی فرضیة القیام في الصلاة وأدائها في المسجد وعدم اختصاص بمسجدها. ❶

اس آیت سے نماز میں قیام کی فرضیت ثابت ہوتی ہے اور یہ کہ وہ مسجد میں ادا کی جائے، ہاں وہ کسی خاص مسجد کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَالثَّانِی: فِعۡلُ الصَّلَاةِ فِی الۡمَسۡجِدِ، وَذٰلِکَ یَدُلُّ عَلٰی وُجُوبِ فِعۡلِ الۡمَکۡتُوبَاتِ فِی جَمَاعَةٍ لِأَنَّ الۡمَسَاجِدَ مَبۡنِیَّةٌ لِلۡجَمَاعَاتِ. ❷

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ نماز مسجد میں پڑھی جائے جس سے پتہ چلا کہ فرض نماز با جماعت واجب ہے کیونکہ مسجدیں قیام جماعت کے لئے بنائی گئی ہیں۔

ان سے نمایاں طور پر ثابت ہوا کہ فرض نماز با جماعت مسجد میں ہونی چاہیے، کیونکہ تعمیر مساجد کا مقصد یہی ہے، دوسری آیت لب ولہجہ کو سامنے رکھتے ہوئے ملاحظہ ہو:

فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَیُذۡکَرَ فِیۡهَا اسۡمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیۡهَا بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ رِجَالٌ لَّا تُلۡهِیۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیۡتَآءِ الزَّکٰوةِ. (النور: ٣٦، ٣٧)

---

❶ التفسيرات الأحمدية: سوره الأعراف آیت نمبر ٢٩ کے تحت، ص ٤١٤

❷ أحكام القرآن: سوره الأعراف آیت نمبر ٢٩ کے تحت، ج ٣ ص ٤٠، ٤١

ترجمہ: ان گھروں میں جن کی نسبت اللہ تعالی نے حکم دیا کہ ان کی تعظیم کی جائے، اوران میں اللہ کا نام لیا جائے، ان (مسجدوں) میں صبح وشام ایسے لوگ (نمازوں میں) اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جن کو اللہ کی یاد سے اور (بالخصوص) نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے سے کوئی تجارت یا کوئی خرید وفروخت غافل نہیں کرتی۔

اس آیت کا طرزِ بیان بھی بتلاتا ہے کہ مسجدوں کا یہ واجبی حق ہے کہ اللہ کی دوسری عبادت اور نماز انہی میں ادا کی جائے کیونکہ بیوت سے مراد مسجد ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ جونہی فرض نماز کے لئے اذان پکاری گئی، بازار والوں کی ایک جماعت سب چھوڑ چھاڑ کر مسجد چل کھڑی ہوئی، یہ منظر دیکھ کر آپ نے بے ساختہ فرمایا: انہی لوگوں کے متعلق کتابِ مقدس کا اعلان ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ. (النور: ٣٧)

ترجمہ: ان میں صبح وشام وہ لوگ تسبیح کرتے ہیں جنہیں کوئی تجارت یا کوئی خرید وفروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ ❶

مسجدوں کے مرکزی گھر ہونے کا ثبوت احادیث سے

اس باب میں حدیثیں بکثرت آئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازیں مسجدوں ہی میں ادا کی جائیں، مسلم شریف کی ایک لمبی حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں جس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں:

فَإِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمۡ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ سُنَنَ الۡهُدَى، وَإِنَّهُنَّ مِنۡ سُنَنِ الۡهُدَى، وَلَوۡ أَنَّكُمۡ صَلَّيۡتُمۡ فِي بُيُوتِكُمۡ كَمَا يُصَلِّي هَذَا الۡمُتَخَلِّفُ فِي بَيۡتِهِ، لَتَرَكۡتُمۡ سُنَّةَ نَبِيِّكُمۡ، وَلَوۡ تَرَكۡتُمۡ سُنَّةَ نَبِيِّكُمۡ لَضَلَلۡتُمۡ. ❷

❶ تفسیر ابن کثیر: سورة النور آیت نمبر ٣٧ کے تحت، ج٦ ص ٦٣ ❷ صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجماعة من سنن الهدى، ج ١ ص ٤٥٣، رقم الحديث: ٦٥٤

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سننِ ہدیٰ کی تعلیم فرمائی اور سننِ ہدیٰ میں سے ہے کہ نماز اس مسجد میں ادا کی جائے جس میں اذان ہوتی ہو، اگر تم نے اپنے گھر میں نماز پڑھی جیسا کہ یہ منافق اپنے گھر میں نماز پڑھتے ہیں تو بلاشبہ تم نے اپنی نبی کی سنت ترک کر دی، اور جس وقت تم نے اپنے نبی کی سنت ترک کر دی یقین کر لو تم گمراہ ہو چلے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلَى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ وَفِي سُوقِهِ، خَمْسًا وَّعِشْرِينَ ضِعْفًا، وَذٰلِكَ أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ. ❶

مرد کی جماعت کی نماز اس کی اس نماز سے جو اپنے گھر یا بازار میں پڑھے پچیس گنا زیادہ ہے، اور یہ اس لئے کہ جب اچھا وضو کیا اور پھر مسجد کو چلا۔

"**ثم خرج إلى المسجد**" کا جملہ واضح دلیل ہے کہ جماعت کی نماز مسجد ہی میں مطلوب ہے، چنانچہ اسی سلسلہ میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مُقْتَضَاهُ أَنَّ الصَّلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ جَمَاعَةً تَزِيدُ عَلَى الصَّلَاةِ فِي الْبَيْتِ وَفِي السُّوقِ جَمَاعَةً وَفُرَادَى. ❷

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جماعت کی نماز جو مسجد میں پڑھی جائے وہ ثواب میں اس نماز سے بڑھی ہوئی ہے جو گھر اور بازار میں پڑھی جائے خواہ با جماعت ہو خواہ تنہا تنہا۔

پھر مزید بحث کے بعد خلاصہ تحریر فرماتے ہیں:

بَلِ الظَّاهِرُ أَنَّ التَّضْعِيفَ الْمَذْكُورَ مُخْتَصٌّ بِالْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ. ❸

❶ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، ج ١ ص ١٣١، رقم الحديث: ٦٤٧ ❷ فتح الباري للعسقلاني: كتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، ج ٢ ص ١٣٥ ❸ فتح الباري: كتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، ج ٢ ص ١٣٥

بلکہ ظاہر بات یہ ہے کہ چند در چند ثواب کی زیادتی جو مذکور ہوئی وہ مسجد کی باجماعت نماز کے ساتھ مختص ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ باجماعت نماز کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

وَكَانَ الْأَسْوَدُ: إِذَا فَاتَتْهُ الْجَمَاعَةُ ذَهَبَ إِلَى مَسْجِدٍ آخَرَ. وَجَاءَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ إِلَى مَسْجِدٍ قَدْ صُلِّيَ فِيهِ فَأَذَّنَ وَأَقَامَ وَصَلَّى جَمَاعَةً. ❶

حضرت اسود کی جب جماعت چھوٹ جاتی تھی تو جماعت کے لئے دوسری مسجد میں تشریف لے جاتے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں آئے جہاں جماعت ہو چکی تھی تو آپ نے پھر اذان پکاری، اقامت کہی اور باجماعت نماز ادا کی۔

ان تعلیقات سے بھی معلوم ہوا کہ جماعت کی نماز کو مسجد کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے تب تو حضرت اسود جماعت نہ ملنے کی صورت میں دوسری مسجد کا قصد فرماتے اور وہاں جماعت سے نماز ادا کرنے کی سعی کرتے، گھر وغیرہ میں جماعتِ ثانیہ کا خیال تک نہ کرتے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس کے تحت رقمطراز ہیں:

وَالَّذِي يَظْهَرُ لِي أَنَّ الْبُخَارِيَّ قَصَدَ الْإِشَارَةَ بِأَثَرِ الْأَسْوَدِ وَأَنَسٍ إِلَى أَنَّ الْفَضْلَ الْوَارِدَ فِي أَحَادِيثِ الْبَابِ مَقْصُورٌ عَلَى مَنْ جَمَعَ فِي الْمَسْجِدِ دُونَ مَنْ جَمَعَ فِي بَيْتِهِ مَثَلًا كَمَا سَيَأْتِي الْبَحْثُ فِيهِ فِي الْكَلَامِ عَلَى حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ لِأَنَّ التَّجْمِيعَ لَوْ لَمْ يَكُنْ مُخْتَصًّا بِالْمَسْجِدِ لَجَمَّعَ الْأَسْوَدُ فِي مَكَانِهِ وَلَمْ يَنْتَقِلْ إِلَى مَسْجِدٍ آخَرَ لِطَلَبِ الْجَمَاعَةِ وَلَمَا جَاءَ أَنَسٌ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي رِفَاعَةَ. ❷

مجھ پر جو کچھ ظاہر ہوا وہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت اسود اور حضرت انس

❶ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، ج ١ ص ١٣١، رقم الحديث: ٦٤٤ ❷ فتح الباري: كتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، ج ٢ ص ١٣١

کے اثر کو بیان کر کے اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہا ہے کہ جو فضیلت اور ثواب کی زیادتی اس باب کی حدیثوں میں مذکور ہے، وہ اس باجماعت نماز کے لئے متعین ہے جو مسجد میں پڑھی جائے گھر کی جماعت کے لئے نہیں، اگر جماعت کی نماز مسجد کے ساتھ مخصوص نہ ہوتی تو یقیناً حضرت اسود اپنے مکان میں جماعت کرتے اور طلبِ جماعت کے لئے دوسری مسجد نہ جاتے، اور نہ حضرت انس ابن رفاعہ کی مسجد میں تشریف لاتے۔

ان تصریحات کے بعد یہ مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ جماعت کی نماز مسجد ہی میں مطلوب ہے اور مسجد کو اس باب میں خصوصیت حاصل ہے، گھر میں باجماعت نماز مسجد چھوڑ کر نہیں پڑھی جاسکتی، یہی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ایک دوسری حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں:

وَالْمَقْصُودُ الْأَصْلِيُّ فِي الْجَمَاعَةِ إِيقَاعُهَا فِي الْمَسْجِدِ. ❶

جماعت کا مقصد اصلی یہ ہے کہ وہ مسجد میں قائم کی جائے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

در بدائع گفتہ کہ واجب است برحر، عاقل بالغ کہ معذور نیست حاضر شدن بمسجد برائے جماعت۔ ❷

بدائع میں ہے کہ آزاد، عاقل، بالغ جو معذور نہیں ہے اس پر جماعت کی نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہونا واجب ہے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تو تصریح فرماتے ہیں کہ عذرِ شرعی کے نہ ہونے کی شکل میں جماعت کی نماز کے لئے مسجد کی حاضری فرض عین ہے، البتہ جب کوئی عذر شرعی درپیش آجائے تو مسجد کی حاضری لازمی نہیں رہتی، اُن کے الفاظ یہ ہیں:

ومن تأمل السنة حق التأمل تبين له أن فعلها في المساجد فرض

❶ فتح الباري: كتاب الأذان، باب الرخصة في المطر والعلة أن يصلي في رحله، ج ٢ ص ١٥٧ ❷ أشعة اللمعات: كتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها، ج ١ ص ٤٥٩

علـى الأعيـان إلا لـعـارض يـجـوز مـعـه ترك الجمعة والجماعة فترك حضور المسجد لغير عذر كترك أصل الجماعة لغير عذر. ❶

جن لوگوں نے سنت میں پورے طور پر غور وفکر کیا ہوگا اُن پر یہ بات منکشف ہوگئی کہ نماز باجماعت کی ادائیگی مسجد میں فرض عین ہے، البتہ اگر کوئی ایسا عارض درپیش آجائے کہ جمعہ اور جماعت کا ترک جائز ہوجائے تو دوسری بات ہے، ورنہ بغیر عذرِ شرعی مسجد کی حاضری کا ترک ایسا ہی ہے کہ کوئی بغیر عذر شرعی اصل جماعت چھوڑ دے۔

ان کی یہ رائے متعدد حدیثوں کے اسلوبِ بیان کے پیش نظر ہے، اگر ان کے حنبلی ہونے کی وجہ سے فرض عین ہونے کو نہ بھی مانئے تو اس کے وجوب اور اہم ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے، کیونکہ یہ وہ چیز ہے جس کو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی بھر نبھایا اور مسجد حاضر نہ ہونے والوں پر شدید ترین غصہ کا اظہار فرمایا، آپ کے صحابہ کرام کا عمل بھی یہی رہا، جس کی تفصیل ابھی آرہی ہے۔

نماز کی ادائیگی میں حضور کا عمل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حافظ ابن قیم رحمہ اللہ جیسے ذمہ دار کا بیان ہے:

أَنَّ هَـدْيَـهُ كَـانَ فِـعْـلَ الْفَرَائِضِ فِي الْمَسْجِدِ إِلَّا لِعَارِضٍ مِنْ سَفَرٍ أَوْ مَرَضٍ أَوْ غَيْرِهِ مِمَّا يَمْنَعُهُ مِنَ الْمَسْجِدِ. ❷

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور یہ تھا کہ آپ فرض نمازیں مسجد میں ادا کرتے مگر یہ کہ کوئی مجبوری پیش آجاتی جو مسجد سے روک دیتی جیسے سفر اور بیماری وغیرہ (جس میں بالکل طاقت نہیں رہتی)

❶ الـصلاة وأحكام تاركها لابن قيم: باب: المسألة الثامنة وهي هل له فعلها في بيته أم يتعين المسجد؟ ج ١ ص ١١٨

❷ زاد الـمعاد في هدي خير العباد، فصول في هديه صلى الله عليه وسلم في العبادات، فصل في هديه صلى الله عليه وسلم في السنن الرواتب، ج ١ ص ٣٠٥

قیامت کے دن دیدارِ الٰہی جو سب سے بڑی نعمت ہے، اس کے لئے جب اجتماع ہوگا تو ان میں ان لوگوں کو جو پابندی کے ساتھ مسجد جا کر امام کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں ممتاز جگہ حاصل ہوگی۔ ❶

صحابہ کی نگاہ میں باجماعت نماز کی اہمیت

جیسا کہ عرض کیا گیا صحابہ کرام کا جوشِ عمل جماعت کے باب میں جو تھا وہ اپنی جگہ تفصیل سے ان شاء اللہ آئے گا مگر یہاں صرف ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے، جس سے عہدِ نبوی میں حاضری مسجد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کو کس قدر اہمیت حاصل تھی، حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ مکہ کے گورنر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر جب مکہ پہنچی تو یہ پہلے مارے خوف کے چھپ گئے، اس وقت حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، ان کو جب یہ معلوم ہوگیا کہ اہلِ مکہ اسلام پر علی حالہ قائم ہیں، تو حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کو نکالا اور انہوں نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

يا أهل مكة والله لا يبلغني أن أحدا منكم تخلف عن الصلاة في المسجد في الجماعة إلا ضربت عنقه. ❷

اے اہل مکہ! خدا کی قسم اگر مجھے یہ خبر پہنچی کہ تم میں کوئی قصداً جماعت کی نماز کے لئے مسجد نہیں آیا تو میں اس کی گردن ماردوں گا۔

یہ سن کر اہل مکہ ان کے بہت ممنون ہوئے اور ان کی اس تقریر کو بہت سراہا، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں مسجد کی حاضری کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔

---

❶ زاد المعاد في هدي خير العباد: فصل في ذكر ما اختاره الله من مخلوقاته، ج ۱ ص ۶۳، ۶۴ ❷ الصلاة وأحكام تاركها لابن قيم: المسألة الثامنة وهى هل له فعلها في بيته أم يتعين المسجد؟ ج ۱ ص ۱۱۸

نماز مسجد میں ادا کرنا شعارِ دین ہے

اس سلسلہ میں اب زیادہ طول دینا مناسب نہ ہوگا مگر یہ ذکر فائدے سے خالی نہیں کہ علماء نے انہی وجوہ کی بناء پر مسجد کے اندر جماعت کی نماز کو شعارِ دین قرار دیا ہے، حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں:

فإن الصلاة فی المسجد من أکبر شعائر الدین وعلاماته. ❶

بلاشبہ مسجد میں جمع ہوکر نماز ادا کرنا دین کا ایک بڑا شعار اور اس کی علامت ہے۔

نظم جماعت اور اس کی اہمیت

مسجد کے اندر نماز جماعت کی جو حیثیت ہے اور مسجد کو نماز سے جو گہرا تعلق ہے اس کے ثابت ہوجانے کے بعد بتلانا ہے کہ جماعت کی نماز کو شریعت میں کیا خصوصیت و مرکزیت حاصل ہے اور اس کی تاکید قرآن وحدیث میں کس اہمیت کے ساتھ آئی ہے۔

باجماعت نماز کی اہمیت قرآن کی روشنی میں

اللہ تعالی فرماتا ہے:

وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ. (البقرة: ۴۳)

ترجمہ: اور نماز پڑھو نماز پڑھنے والوں کے ساتھ۔

اس آیت سے مفسرین نے جماعت کی نماز ثابت کی ہے، قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ أی فی جماعتهم، فإن صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع وعشرین درجة لما فیها من تظاهر النفوس. ❷

---

❶ الصلاة وأحكام تاركها لابن قيم: المسألة الثامنة وهی هل له فعلها في بيته أم يتعين المسجد؟ ج ۱ ص ۱۱۸ ❷ تفسير البيضاوي: سورة البقرة آیت نمبر ۴۳ کے تحت، ج ۱ ص ۷۷

اور نماز پڑھو نماز پڑھنے والوں کے ساتھ، یعنی ان کی جماعت کے ساتھ، کیونکہ جماعت کی نماز منفرد کی نماز پر ستائیس درجہ فضیلت رکھتی ہے، اس لئے کہ اس میں باہمی تعاون ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وَثَانِيهَا: أَنَّ الْمُرَادَ صَلُّوا مَعَ الْمُصَلِّينَ، وَعَلَى هَذَا يَزُولُ التَّكْرَارُ لِأَنَّ فِي الْأَوَّلِ أَمَرَ تَعَالَى بِإِقَامَتِهَا وَأَمَرَ فِي الثَّانِي بِفِعْلِهَا فِي الْجَمَاعَةِ. ❶

دوسرا مطلب یہ ہے کہ نماز، نماز پڑھنے والوں کے ساتھ پڑھو، اس مطلب کے لینے میں تکرار بھی ختم ہو جائے گا، گویا پہلی آیت میں اقامتِ صلوۃ کا حکم دیا اور دوسری آیت میں اللہ تعالی نے نماز با جماعت کا حکم فرمایا۔

علامہ زمخشری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ رکوع سے مراد یہاں نماز کا لینا جائز ہے، جس طرح سجود کا استعمال نماز کے لئے ہوتا ہے، اور معنی یہ ہوں گے کہ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھا کرو، پھر ماحصل لکھتے ہیں:

كأنه قيل: وأقيموا الصلاة وصلوها مع المصلين لا منفردين. ❷

گویا یہ حکم دیا گیا کہ نماز قائم کرو اور اسے با جماعت ادا کرو، اکیلے نہ پڑھو۔

اس آیت سے جماعت ہی کی نماز اس لئے مراد ہے کہ اس سے پہلے بالکل متصل ”أقيموا الصلوة“ کی آیت آچکی ہے جس میں اقامتِ نماز کا حکم ہے، جس کی طرف امام رازی رحمہ اللہ نے اشارہ بھی کیا ہے، اگر رکوع کے کئی معنی نہ ہوتے تو جماعت کی فرضیت کا ثبوت ہوتا، مگر چونکہ متعدد معنی ہیں اس لئے وجوب یا کم از کم سنت مؤکدہ کا ثبوت تو بہر حال ہوگا۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

❶ التفسير الكبير: سورة البقرة آیت نمبر ۴۳ کے تحت، ج ۳ ص ۴۸۷

❷ تفسير الكشاف: سورة البقرة آیت نمبر ۴۳ کے تحت، ج ۱ ص ۱۳۳

خلاصہ یہ ہے کہ پنج وقتہ جماعت ہر فرد پر سنت مؤکدہ ہے، جو بغیر شرعی عذر جیسے بیماری، سفر، بارش، آندھی، طوفان کے ترک نہیں کی جا سکتی ہے، اور تمام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، اگر کل کے کل جماعت کے ترک پر اصرار کریں گے تو سب گنہگار ہوں گے کیونکہ یہ سنت شعار دین ہے۔ ❶

وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ. (النساء: ۱۰۲)

ترجمہ: اور آپ جب ان میں تشریف رکھتے ہوں پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں تو چاہئے کہ ایک گروہ ان میں سے آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور اپنے ہتھیار وہ لوگ لیں۔

اس آیت کے سلسلہ میں صاحب ''**التعلیق الصبیح**'' لکھتے ہیں:

أمرهم بالجماعة حال الخوف يدل على وجوبها حال الأمن بالأولى. ❷

اللہ تعالی کا حالتِ خوف میں جماعت کا حکم دینا دلیل ہے کہ حالتِ امن میں جماعت بدرجہ اولی واجب ہوں گی۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

وَمَا أَحْسَنَ مَا اسْتَدَلَّ بِهِ مَنْ ذَهَبَ إِلَى وُجُوبِ الْجَمَاعَةِ مِنْ هَذِهِ الْآيَةِ الْكَرِيمَةِ. ❸

اس آیتِ کریمہ سے جو لوگ جماعت کے وجوب کی طرف گئے ہیں، ان کا استدلال بہت ہی خوب ہے۔

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ. (یس: ۱۲)

❶ تفسیر عزیزی: سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۴۳ کے تحت، ج ا ص ا ۲۷ ❷ **التعليق الصبيح على مشكاة المصابيح: كتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها، ج ۲ ص ۴۷** ❸ **تفسير ابن كثير: سورة النساء** آیت نمبر ۱۰۲ کے تحت، ج ۲ ص ۳۵۴

اور ہم لکھتے جاتے ہیں ان اعمال کو جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے قدم کے نشانوں کو بھی۔

أى آثار أقدامهم إلى المساجد. ❶

یعنی ان کے قدموں کے وہ نشان جو مسجد جانے میں ہوتے ہیں۔

علماء نے ان کے علاوہ اور آیتوں سے جماعت کا وجوب ثابت کیا ہے مگر میں نے انہی تین آیتوں پر اکتفاء کیا کہ یہ مطلب کے حصول کے لئے کافی ووافی ہیں۔

احادیثِ مبارکہ میں جماعت کی شدید تاکید

اس باب میں احادیث بکثرت آئی ہیں، جن سے جماعت کا لزوم، اس کی فضیلت اور تاکید نمایاں طور پر معلوم ہوتی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ، فَيُحْطَبَ، ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ، ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ، فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِينًا، أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ العِشَاءَ. ❷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جی چاہتا ہے کہ لکڑیوں کے ڈھیر کرنے کا حکم دوں پھر نماز کے لئے اذان پکار دی جائے، اس کے بعد کسی کو لوگوں کا امام بنادوں، پھر لوگوں کو چل کر دیکھوں اور جو اس وقت گھروں میں مل جائیں ان کو جلا ڈالوں، خدا کی قسم! ان کا حال یہ ہے کہ اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ موٹی ہڈی یا دو کھر ہی مل جائیں گے تو پھر وہ ضرور عشاء میں حاضر ہوں گے۔

❶ التعليق الصبيح على مشكاة المصابيح: كتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها، ج۲ ص۷۴ ❷ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب وجوب صلاة الجماعة، ج ۱ ص ۱۳۱، رقم الحديث: ۶۴۴

اس حدیث میں ''الرجال'' سے وہ لوگ مراد نہیں ہیں جو بے نمازی ہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو مسجد چھوڑ کر بغیر عذر شرعی اپنے گھروں میں نماز پڑھتے ہیں، جیسا کہ ابوداود کی مندرجہ ذیل حدیث میں وضاحت ہے:

لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ فِتْيَتِي فَيَجْمَعُوا حُزَمًا مِّنْ حَطَبٍ، ثُمَّ آتِيَ قَوْمًا يُصَلُّونَ فِي بُيُوتِهِمْ لَيْسَتْ بِهِمْ عِلَّةٌ فَأُحَرِّقَهَا عَلَيْهِمْ. ❶

بلاشبہ جی چاہتا ہے کہ جوانوں کو حکم دوں کہ وہ میرے پاس لکڑیاں ڈھیر لگا دیں، پھر میں ان میں جاؤں جو اپنے گھروں میں بلا عذر نماز پڑھتے ہیں ان کو گھر سمیت جلا ڈالوں۔

ان حدیثوں کے ضمن میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فلولا أن تخلفهم عن الصلوة في المسجد معصية كبيرة عظيمة لما هددهم النبي صلى الله عليه وسلم وبحرق منازلهم. ❷

اگر مسجد میں جماعت کی نماز سے غیر حاضری گناہ کبیرہ نہ ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھروں کو جلانے کی تہدید (دھمکی) نہ فرماتے۔

پہلی حدیث میں ''لشهد العشاء'' کا جملہ بتا رہا ہے کہ یہ تاکید اور ساتھ ہی تہدید وقتی نمازوں کے لئے بھی ہے، صرف یہ جمعہ کی نماز کی تاکید کے لئے نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان ہے۔

مسلم شریف میں ایک لمبی حدیث ہے جس سے مسئلہ کی اہمیت خوب ذہن نشین ہو جاتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلَاةِ إِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهُ، أَوْ مَرِيضٌ، إِنْ كَانَ الْمَرِيضُ لَيَمْشِي بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتَّى يَأْتِيَ الصَّلَاةَ، وَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ

❶ سنن أبي داود: كتاب الأذان، باب في التشديد في ترك الجماعة، ج ١ ص ١٥٠، رقم الحديث: ٥٤٩ ❷ كتاب الصلاة لأحمد بن حنبل: ص ٢١

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدَى، وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى الصَّلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُؤَذَّنُ فِيهِ. وَفِي رِوَايَةٍ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَلْقَى اللهَ غَدًا مُسْلِمًا، فَلْيُحَافِظْ عَلَى هَؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ حَيْثُ يُنَادَى بِهِنَّ، فَإِنَّ اللهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُنَنَ الْهُدَى، وَإِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى، وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ كَمَا يُصَلِّي هَذَا الْمُتَخَلِّفُ فِي بَيْتِهِ، لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ، وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ، وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَتَطَهَّرُ فَيُحْسِنُ الطُّهُورَ ثُمَّ يَعْمِدُ إِلَى مَسْجِدٍ مِّنْ هَذِهِ الْمَسَاجِدِ، إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهُ بِكُلِّ خَطْوَةٍ يَخْطُوهَا حَسَنَةً وَيَرْفَعُهُ بِهَا دَرَجَةً وَيَحُطُّ عَنْهُ بِهَا سَيِّئَةً، وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ مَعْلُومُ النِّفَاقِ، وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتَى بِهِ يُهَادَى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتَّى يُقَامَ فِي الصَّفِّ. ❶

بلا شبہ ہمیں معلوم ہے کہ بجز کھلے ہوئے منافق یا بالکل نڈھال بیمار کے اور کوئی جماعت کی نماز سے نہیں بچھڑتا ہے، بلکہ جو بیمار بھی ہیں وہ بھی دو شخصوں کے سہارے چل کر نماز کے لئے مسجد میں آتے ہیں، اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''سنن ہدی'' کی ہمیں تعلیم فرمائی اور بے شک اس مسجد میں نماز پڑھنا جس میں اذان دی جائے سنن ہدی میں سے ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا جس کو یہ بات خوش لگتی ہے کہ وہ کل (بعد موت) اللہ سے حالتِ اسلام پر ملے تو اس کو چاہئے کہ تمام نمازوں کے لئے جونہی اذان پکاری جائے مسجد میں حاضری دے، بے شک اللہ تعالی نے اپنے نبی کے لئے سنن ہدی کو مشروع فرمایا ہے اور انہی میں سے نمازیں ہیں، اور اگر (کہیں) تم نے بھی منافق کی طرح گھروں میں ہی نماز پڑھ لی تو بالیقین تم نے اپنے نبی صلی

❶ صحیح مسلم: کتاب الصلاة، باب صلاة الجماعة من سنن الهدى، ج ١ ص ٤٥٣، رقم الحديث: ٦٥٤

اللہ علیہ وسلم کی سنت ترک کردی، اور اگر تم نے (خدانخواستہ) ترکِ سنت کو عادت بنالیا تو پھر تمہاری گمراہی میں کوئی شبہ نہیں، جو بھی خوب پاک وصاف ہوکر کسی مسجد کی طرف جاتا ہے اللہ تعالی اس کے لئے اس کے ہر قدم کے بدلے ایک نیکی لکھتا ہے، ایک درجہ بلند کرتا ہے، اور ایک گناہ مٹاتا ہے، اور ہمیں یقین ہے کہ بغیر عذر شرعی بجز منافق اور کوئی جماعت کی نماز سے نہیں کتراتا، کیونکہ مؤمن مرد جو دوسروں کے سہارے بھی آسکتا ہے تو بھی آتا ہے اور صف میں مل کر نماز پڑھتا ہے۔

ان حدیثوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جماعت کی نماز کی بہت سخت تاکیدیں آئیں ہیں، اس راہ میں مشقت ودقت کی پرواہ نہ کرنا چاہئے، تاآنکہ بیمار وغیرہ جیسے معذورین کے لئے مسجد پہنچنا ممکن ہو تو اس کے لئے بھی مستحب ہے کہ مسجد ہی آئے۔ ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی آپ تارکِ جماعت کو جلا کر مار ڈالتے اگر آپ کو عورتوں اور چھوٹے بچوں کا خیال نہ ہوتا۔ ❶

جو لوگ اذان سنتے ہیں پھر بھی جماعت کی نماز کے لئے مسجد میں حاضری نہیں دیتے ان کے متعلق تہدیدًا یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ان کی نماز ہی قبول نہیں ہوتی مگر اس وقت جب اس کو کوئی عذر در پیش نہ ہو۔ ❷

میدانِ جہاد میں نماز باجماعت کا اہتمام

یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام بجان ودل جماعت کی نماز پر فدا تھے، جان سے بڑھ کر پیاری اور کیا چیز ہوسکتی۔ گھمسان کی جنگ ہورہی ہے، میدانِ کارزار گرم ہے، اور گردنیں کٹ کٹ کر گررہی ہیں مگر اس وقت بھی اس دینی شیرازہ

❶ مسند أحمد: مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة رضي الله عنه، ج ۱۴، ص ۳۹۸، رقم الحديث: ۸۷۹۶ ❷ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب في التشديد في ترك الجماعة، ج ۱ ص ۱۵۱، رقم الحديث: ۵۵۱

بندی توڑنے کی اجازت نہیں ملتی ہے بلکہ وہاں بھی سب حتی الوسع ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں اور ممکن حد تک نباہنے کی سعی کرتے ہیں۔

حضرت سالم بن عبداللہ اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک تھا، اس میں دشمنوں کی ہم سے مڈبھیڑ ہوگئی، چنانچہ ہم میدان میں نکل پڑے، نماز کا وقت آیا تو ہم دو حصوں میں بٹ گئے، ایک گروہ آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہوگیا، اور دوسرا دشمنوں کے مقابل ڈٹا رہا، پہلے گروہ نے جب آپ کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھی، آپ نے اپنی نماز پوری کرکے سلام پھیر لیا اور اس کے بعد ہر ایک نے اپنی اپنی بقیہ ایک رکعت پوری کی۔ ❶

مشرکین عرب کو یقین تھا کہ ان جاں نثارانِ اسلام کو نماز اپنی اور اپنے بال بچوں کی جان سے زیادہ پیاری ہے، اس لئے وہ قصداً اوقاتِ نماز میں سخت سے سخت حملہ کرنے کی کوشش کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضجنان وعسفان کے درمیان نزولِ اجلال فرمایا، یہ دیکھ کر مشرکین کہنے لگے: ان لوگوں کو ایک ایسی نماز درپیش ہے جو ان کی ساری دنیا اور بال بچوں سے بھی زیادہ محبوب ہے جس کا نام عصر ہے، لہذا تم متفق ہوکر یکبارگی پوری قوت سے ان پر ٹوٹ پڑو، ادھر مشرکین میں یہ مشورہ ہورہا تھا، ادھر جبرئیل امین نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ اپنے ساتھیوں کو دو حصوں میں بانٹ دیجئے اور ہر ایک کو ایک ایک رکعت نماز اس طرح پڑھائیے کہ دوسرا حصہ مسلح ہوکر دشمنوں کے مقابلہ میں ڈٹا رہے، اس طرح ان کی ایک ایک رکعت ہوگی اور آپ کی دو رکعتیں۔ ❷

❶صحیح البخاري: كتاب الجمعة، باب قائلة بعد الجمعة، ج ۲ ص ۱۴، رقم الحديث: ۹۴۲ ❷سنن الترمذي: أبواب تفسير القرآن، باب: ومن سورة النساء، ج۵ ص ۲۴۳، رقم الحديث: ۳۰۳۵

میدانِ جہاد وقتال میں بھی شریعت نے جماعت ٹوٹنے نہیں دی اور اس نازک موقع پر خود اللہ تعالی نے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ کی رہنمائی فرمائی اور حکمتِ عملی بتا کر شکستِ جماعت سے بچا لیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ پروردگارِ عالم کو جماعت کی نماز محبوب ہے۔

نظم جماعت پر اجماعِ صحابہ

جماعت کی نماز کی اسی عظمتِ شان کے پیش نظر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ آدم کے بیٹوں کے کان پگھلائے ہوئے سیسہ سے بھر جانا بہتر ہے کہ وہ اذان سنیں اور جماعت کی نماز کے لئے مسجد میں نہ آئیں، اور حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو لوگ مؤذن کی آواز سنتے ہیں اور عذر شرعی نہ ہوتے ہوئے بھی جماعت کے لئے نہیں نکلتے ان کی نماز، نماز ہی نہیں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی کہنا ہے۔ ❶

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا، اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو تہجد ونوافل پڑھتا ہے مگر جمعہ اور جماعت میں حاضر نہیں ہوتا، آپ نے جواب دیا ''ھو فی النار '' وہ دوزخی ہے، پھر دوسرے دن اس نے آکر یہی سوال کیا، راوی کا بیان ہے تقریباً ایک مہینہ برابر اس نے ایسا ہی کیا مگر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہمیشہ یہی فرماتے رہے کہ وہ دوزخی ہے۔ ❷

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جس نے اذان سنی اور پھر بھی اس کو

❶ الصلاۃ وأحکام تارکھا: المسألة السادسة، وھی ھل تصح صلاۃ من صلی وحدہ...... إلخ، ص ۱۱۰، ۱۱۱ ❷ الصلاۃ وأحکام تارکھا: المسألة السادسة، وھی ھل تصح صلاۃ من صلی وحدہ...... إلخ، ص ۱۱۱

قبول نہیں کیا حالانکہ اس کو کوئی عذرِ شرعی بھی نہ تھا تو ایسے شخص کو خیر نصیب نہیں اور نہ اس کا اس میں کوئی جذبہ معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک قول پہلے گذر چکا ہے کہ جماعت کی نماز میں وہی شخص نہیں آتا جو کھلا ہوا منافق ہے، یہ اور اس طرح کے دوسرے اقوال جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آئے ہیں وہ درجہ صحت وشہرت کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں اور ان کی مخالفت میں کسی صحابی سے کوئی بات بھی نہیں آئی ہے کہ تذبذب کی گنجائش نکل سکے، پس ان تمام امور کے مدِنظر ماننا پڑتا ہے کہ جماعت کی نماز پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ ❶

نظم جماعت فقہائے امت کی نظر میں

اصولیین فقہ اپنی کتابوں میں جماعت کی نماز کو ادائے کامل اور منفرد کی نماز کو ادائے قاصر سے تعبیر فرماتے ہیں، کامل سے ان کی مراد یہ ہے کہ جس طریقہ پر نماز مشروع ہوئی ہو اسی طریقہ سے ادا کی جائے، اور قاصر وہ ہے جو طریقہ مشروعہ کے خلاف طریقہ پر ادا کی جائے، ان کا کہنا یہ ہے کہ حضرت جبرئیل امین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے پہل عملی تعلیم باجماعت دی تھی جیسا کہ ترمذی اور حدیث کی دوسری کتابوں میں یہ واقعہ مصرّح ہے۔ ❷

فقہائے امت میں محققین جماعت کی نماز کو واجب کہتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے بدائع سے وجوب کا قول اپنی تائید کے ساتھ نقل کیا ہے، اور جن لوگوں نے اس کو لفظِ سنت سے تعبیر کیا ہے اس کی وجہ بیان کی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

يَجِبُ عَلَى الْعُقَلاءِ الْبَالِغِينَ الْأَحْرَارِ الْقَادِرِينَ عَلَى الْجَمَاعَةِ مِنْ غَيْرِ حَرَجٍ، وَإِذَا فَاتَتْهُ لا يَجِبُ عَلَيْهِ الطَّلَبُ فِي الْمَسَاجِدِ بِلا خِلافٍ بَيْنَ

❶ الصلاة وأحكام تاركها: المسألة السادسة، وهي هل تصح صلاة من صلى وحده...... إلخ، ص ۱۱۱ ❷ نور الأنوار مع قمر الأقمار: الأمر، الأداء: كامل وقاصر، ص ۳۶

أَصحَابِنَا، بَلْ إِنْ أَتَى مَسْجِدًا آخَرَ لِلْجَمَاعَةِ فَحَسَنٌ، وَإِنْ صَلَّى فِي مَسْجِدِ حَيِّهِ مُنْفَرِدًا فَحَسَنٌ. ❶

جو عاقل، بالغ، آزاد اور بغیر شرعی عذر جماعت کی نماز پر قادر ہو اس پر جماعت واجب ہے، اور اگر سعی کے باوجود کسی کی جماعت چھوٹ جائے تو بالاتفاق ہمارے یہاں ایسے شخص پر واجب نہیں ہے کہ وہ مسجدوں میں جماعت تلاش کرتا پھرے، ہاں اگر ایسا کرے تو مستحسن ضرور ہے، اور اگر اپنے محلّہ کی مسجد ہی میں اکیلا نماز ادا کرے تو ایسی حالت میں یہ بھی درست ہے۔

اس سے بھی جماعت کی حیثیت کا پتہ چلتا ہے، بلا شبہ اگر اپنی مسجد میں غیر ارادی طور پر جماعت نہ مل سکے تو دوسری مسجدوں میں جماعت کی تلاش واجب نہیں ہے، مگر مستحسن ضرور ہے، یوں تو اس کو اختیار ہے کہ اپنی ہی مسجد میں تنہا رنماز پڑھ لے یا گھر میں یا مسجد سے باہر کسی اور جگہ میں اپنے گھر والوں کو جمع کر کے جماعت کے ثواب کے حصول کی کوشش کرے، چنانچہ علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَذَكَرَ الْقُدُورِيُّ يَجْمَعُ بِأَهْلِهِ وَيُصَلِّي بِهِمْ، يَعْنِي وَيَنَالُ ثَوَابَ الْجَمَاعَةِ. وَقَالَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ: الْأَوْلَى فِي زَمَانِنَا تَتَبُّعُهَا. ❷

اسی طرح قدوری میں ہے کہ اپنے گھر والوں کو جمع کر کے جماعت سے پڑھ لیا تو بھی جماعت کا ثواب مل جائے گا، مگر شمس الائمہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں جماعت تلاش کرنا اولیٰ ہے۔

جماعت جب واجب ہے تو پھر فقہاء اور محدثین نے اسے سنت کے لفظ سے کیوں تعبیر کیا؟ اس کے متعلق علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

❶ فتح القدير لابن الهمام: كتاب الصلاة، باب الإمامة، ج ۱ ص ۳۴۵

❷ فتح القدير لابن الهمام: كتاب الصلاة، باب الإمامة، ج ۱ ص ۳۴۵

أَنَّهَا وَاجِبَةٌ، وَتَسْمِيَتُهَا سُنَّةً لِوُجُوبِهَا بِالسُّنَّةِ. ❶

بلاشبہ ہے تو جماعت واجب مگر سنت اس لئے کہا گیا ہے کہ جماعت کا وجوب سنت (حدیث) سے ثابت ہے۔

حدیث میں جماعت کے متعلق جہاں سنت کا لفظ آیا ہے اس کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مگر اینجا طریقہ مسلوک کہ در دین مراد دارند با آنکہ ثبوت وجوب از سنت است۔ ❷

"سنن ہدیٰ" کی مراد یہاں دین کا چلا ہوا راستہ ہے یا یہ مراد ہے کہ جماعت کا وجوب سنت سے ثابت ہے۔

علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی بغیر عذر شرعی بجائے مسجد کے گھر میں باجماعت نماز ادا کرے تو اس شخص کا ایسا کرنا بدعت ہے خواہ اس کا گاہے بگاہے کیوں نہ ہو، بشرطیکہ اس کے قصد وارادہ کو دخل ہو۔ ❸

جماعت ترک کرنے کی سزا

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جماعت کی نماز محققین کے یہاں کم از کم وجوب کا درجہ رکھتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جو شخص بغیر عذرِ شرعی جماعت کی نماز کا تارک ہو اور وہ اس کا تقریباً عادی ہو چکا ہو تو شرعاً اس کی گواہی مردود قرار دے دی جائے گی اور اس کو پیٹا جائے گا پھر قید میں ڈال دیا جائے گا، اور اس کے پڑوسیوں پر حق ہے کہ ایسے شخص کو سمجھائیں بجھائیں اور جماعت سے غیر حاضر ہونے پر سکوت نہ کریں ورنہ وہ شریعت کی نظر میں گنہگار ہوں گے۔

❶ فتح القدير لابن الهمام: كتاب الصلاة، باب الإمامة، ج ١ ص ٣٤٥

❷ أشعة اللمعات: كتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها، ج ١ ص ٤٥٩

❸ فتح القدير لابن الهمام: كتاب الصلاة، باب الإمامة، ج ١ ص ٣٤٥

یہ سزا تو اس وقت ہے جب کوئی ایک دو شخص کریں اور اگر خدانخواستہ پوری آبادی جماعت کی نماز چھوڑے تو ان سے قتال کیا جائے گا کیونکہ یہ ایک بڑے شعارِ دین کو ترک کر رہے ہیں:

لَوْ تَرَكَهَا أَهْلُ مِصْرٍ لَقُوتِلُوا وَإِذَا تَرَكَ وَاحِدٌ ضُرِبَ وَحُبِسَ وَلَا يُرَخَّصُ لِأَحَدٍ. ❶

اگر تمام اہلِ شہر جماعت کی نماز ترک کر دیں تو ان سے قتال کیا جائے، اور جب کوئی ایک فرد تارکِ جماعت ہو تو اس کو پیٹا جائے اور قید کر دیا جائے، اس بارے میں کسی کو رخصت نہیں دی جائے گی۔

نظمِ جماعت کا اہتمام عہدِ نبوی میں

فقہائے امت کا تارکینِ جماعت کے متعلق یہ حکم بے وجہ نہیں، عرض کیا جا چکا ہے کہ ترکِ جماعت نفاق کی علامت سمجھی گئی ہے، اذان سن کر بھی جو مسجد میں نہ آئے اس کی نماز، نماز نہیں کہی جاتی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ بڑی سے بڑی مجبوری میں بھی ترکِ جماعت کی ہمت نہ فرماتے تھے، کسی نے اپنے معقول عذر سے مجبور ہو کر پوچھا بھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نفی میں جواب دیا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ أَعْمَى، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّهُ لَيْسَ لِي قَائِدٌ يَقُودُنِي إِلَى الْمَسْجِدِ، فَسَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُرَخِّصَ لَهُ فَيُصَلِّيَ فِي بَيْتِهِ فَرَخَّصَ لَهُ، فَلَمَّا وَلَّى دَعَاهُ، فَقَالَ: هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَأَجِبْ. ❷

❶ مجمع الأنهر: كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة، ج ١ ص ١٠٧

❷ صحيح مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب يجب إتيان المسجد على من سمع النداء، ج ١ ص ٤٥٢، رقم الحديث: ٦٥٣

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نابینا شخص حاضر ہوا اور اس نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے کوئی رہبر نہیں ملتا جو لے جایا کرے، لہٰذا مجھے گھر میں نماز پڑھ لینے کی اجازت فرما دیں، آپ نے اس کو رخصت (اجازت) دیدی، جب واپس ہوا تو پھر بلایا اور پوچھا تم اذان کی آواز سنتے ہو یا نہیں؟ اس نے کہا جی ہاں سنتا تو ہوں، آپ نے فرمایا تو پھر قبول کرو اور مسجد آؤ۔

اسی طرح کا واقعہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا ہے کہ انہوں نے دربارِ رسالت میں درخواست کی کہ میں ایک نابینا آدمی ہوں، میرا گھر مسجد سے دور ہے اور مجھے مسجد تک لے جانے والا کوئی نہیں ہے، مزید براں یہ کہ شہر میں موذی جانور اور درندے عموماً پھرا کرتے ہیں، کیا ان عذروں کے ہوتے ہوئے جماعت سے غیر حاضری کی میرے لئے کوئی گنجائش نکل سکتی ہے کہ حضرت کے حکم سے میں گھر میں نماز پڑھ لیا کروں، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اذان سنتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہاں حضرت سنتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر رخصت کیسے مل سکتی ہے، جماعت کے لئے مسجد ہی آیا کرو۔ ❶

اس قدر مجبوریوں کا سامنا ہے پھر بھی خود سے ان کو اپنے لئے حیلہ بہانہ نہ بنایا، بلکہ خدمتِ رسالت میں عذر پیش کر کے اجازت چاہی اور پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عذروں کے رہتے ہوئے جو جواب دیا وہ جماعت کی اہمیت کے اندازہ کے لئے کافی ہے۔

بلا شبہ یہ صحیح ہے کہ عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔ ❷

❶سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب فى التشديد في ترك الجماعة، ج ١ ص ١٥١، رقم الحديث: ٥٥٣ ❷صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب المساجد في البيوت، ج ١ ص ٩٢، رقم الحديث: ٤٢٥/ صحيح مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب الرخصة في التخلف عن الجماعة لعذر، ج ١ ص ٢٥٥، رقم الحديث: ٦٥٨

جس میں اس کی صراحت ہے کہ بظاہر اسی طرح کے عذر کی وجہ سے آپ نے ان کو رخصت دے دی تھی، اور اب بھی فقہاء اس واقعہ کے پیش نظر رخصت کے حق میں ہیں، اور جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت مذکور نہیں ہے اس کی توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کا مقصد وہاں یہ تھا کہ رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل افضل اور خوب تر ہے اور دوسرے یہ کہ جماعت کی مخصوص فضیلت مسجد ہی سے وابستہ ہے اوران فیوض و برکات سے پورے طور پر وہی متمتع ہوسکتا ہے جو عزیمت پر عمل پیرا ہو۔ ❶

مگر صاحب ''التحریر المختار'' نے سندی کے حوالہ سے جو جواب نقل کیا ہے وہ نظم جماعت کے زیادہ مطابق ہے، فرماتے ہیں: عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی تھی کہ اپنے گھر کی ایک جگہ میں نماز پڑھیں جس کو انہوں نے مسجد بنایا تھا، تو ہوسکتا ہے کہ مسجد بنانے کے بعد وہ اپنے قبیلہ کی اس میں امامت کرتے ہوں پس ان کو تارکِ جماعت نہیں کہا جائے گا اور نہ یہ کہا جائے گا کہ انہوں نے مسجد کی حاضری ترک کردی، بلکہ یہ بات ہوئی کہ انہوں نے اپنی معذوری کی وجہ سے ابعد مسجد (دور والی مسجد) کو چھوڑ دیا اور قریب کی مسجد کو اختیار کیا اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، جس طرح محلوں میں مسجد بنالی جاتی ہے اور جامع مسجد چھوڑ دی جاتی ہے اور یہ معلوم ہے کہ انصار کے ہر قبیلہ کے لئے مسجدیں تھیں، چنانچہ جب وہ لوگ کسی وجہ سے آپ کے ساتھ نماز میں نہ حاضر ہو پاتے تو اسی میں نماز پڑھتے تھے۔ ❷

خود رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کا واقعہ بصیرت کا مرقع ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیماری کی شدت سے بالکل نڈھال ہوگئے ہیں، لاغری اور ضعف کا پورا اثر ہے اور غشی پر غشی طاری ہو رہی ہے، مگر جب بھی معمولی افاقہ محسوس فرماتے ہیں تو بار بار یہی سوال کرتے ہیں کہ ''جماعت ہوگئی؟'' کہا جاتا ہے نہیں یا رسول اللہ! یہ سن کر

❶ فتح القدیر: کتاب الصلاة، باب الإمامة، ج ۱ ص ۳۴۵

❷ التحریر المختار: کتاب الصلاة، ج ۱ ص ۷۰

جماعت کی نماز کے لئے اٹھنا چاہتے ہیں کہ پھر غشی کا دورہ پڑ جاتا ہے، یوں ہی چار مرتبہ آپ نے دریافت فرمایا ''أصلی الناس '' (کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟) اور ہر مرتبہ غشی کا حملہ ہوتا رہا تب جا کر آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اطلاع کرائی کہ آپ امامت کریں۔ ❶

اسی مرض الموت میں ایسا بھی ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے ہیں، آپ نے کچھ افاقہ محسوس فرمایا اور دو شخصوں کے سہارے اس طرح مسجد میں جماعت کے لئے تشریف لائے کہ دونوں بازوئے مبارک دو شخصوں کے کندھوں پر ہیں اور پائے مبارک اپنی ناطاقتی کی وجہ سے زمین پر گھسٹتے ہوئے آرہے ہیں۔ ❷

یہ تھی اہمیت مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کی، اس ذاتِ مقدس کی نگاہ میں جو معصوم تھی اور اللہ تعالی کے بعد اسی کا درجہ ہے صرف قول ہی سے نہیں، بلکہ عمل سے اپنی امت کو تعلیم فرما گئے اور بتا گئے کہ ایک گھر میں ایک مقصد کے لئے سب کا مجتمع ہو کر اللہ تعالی کے آگے پیشانی رگڑنا کس قدر ضروری ہے۔

عہد صحابہ میں جماعت کا اہتمام

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قول وفعل دونوں سے دینی شیرازہ بندی اور اجتماعی نظام کی تاکید فرما دی تو پھر آپ کے چاہنے والے جنہوں نے آپ پر اپنی جانیں نثار کیں اور اسی کو اپنی زندگی کا ماحصل اور سرمایہ جانا اور جن پر آپ کی نگاہِ لطف وکرم بھی پڑ چکی

❶صحیح البخاري: کتاب الأذان، باب: إنما جعل الإمام لیؤتم به، ج ۱ ص ۱۳۸، رقم الحدیث: ۶۸۷/ صحیح مسلم: کتاب الصلاة، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر من مرض، ج ۱ ص ۳۱۳، رقم الحدیث: ۴۱۸

❷صحیح البخاري: کتاب الأذان، باب حد المریض أن یشهد الجماعة، ج ۱ ص ۱۳۳، رقم الحدیث: ۶۶۴/ صحیح مسلم: کتاب الصلاة، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر من مرض، ج ۱ ص ۳۱۳، رقم الحدیث: ۴۱۸

تھی، کیونکر آپ کی ایک ایک ادا پر جان نہ دیتے، حق یہ ہے کہ شیفتگانِ رسول نے حق ادا کردیا، آپ جو راہِ حق بتا گئے زندگی کی اخیر سانس تک اس پر عمل پیرا رہنے کی سعی پیہم جاری رکھی اور دین کے ایک ایک مسئلہ پر عمل کرکے ثبت دوام حاصل کر گئے۔

مسجدوں میں جماعت کی نماز اسی اہمیت اور ہیئت کے ساتھ قائم کرنے کی کوشش کی جو دین کا مطالبہ اور عاشقانِ رسول کا شیوہ تھا، اِس وقت استقصاء مقصود نہیں ہے بلکہ چند صحیح واقعات ثبوت میں پیش کرتے ہیں:

حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ایک دن حضرت ابو درداء غصہ کی حالت میں تشریف لائے، میں نے پوچھا کیا بات پیش آئی کہ اس قدر رنجیدہ اور غضب ناک ہیں؟ فرمانے لگے خدا کی قسم! میں امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بجز اس کے کچھ نہیں پاتا ہوں کہ با جماعت نمازیں پڑھی جائیں اور اب دیکھتا ہوں کہ لوگ اسے بھی ترک کرنے پر اتر آئے ہیں۔ ❶

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جماعت کی نماز کے عاشق تھے اور آخر کار اسی عشق میں جان دی، آپ کا یہ حال تھا کہ اگر کسی کو مسجد میں جماعت کے ساتھ نہیں پاتے تھے تو اس کے یہاں خود پہنچ کر وجہ دریافت فرماتے اور عذر معقول نہ پاتے تو اپنی خفگی کا اظہار فرماتے۔ ایک دن آپ نے کچھ لوگوں کو غیر حاضر پاکر فرمایا کیا بات ہے کہ وہ لوگ جماعت کے لئے مسجد نہیں آتے ان کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی ایسا کرنے لگیں گے، ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ یا تو وہ پابندی کے ساتھ مسجد آیا کریں ورنہ میں ان کی طرف ایسے اشخاص کو بھیجوں گا جو ان کی گردنیں ماردیں گے، پھر آپ نے فرمایا جماعت کی نماز کے لئے مسجد آیا کرو، یہ اخیر جملہ آپ نے تین بار فرمایا۔ ❷

❶ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب فضل صلاة الفجر في جماعة، ج ١ ص ١٣١، رقم الحديث: ٦٥١ ❷ كتاب الصلاة لأحمد بن حنبل: ص ٢١

انہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے ایک دن صبح کی نماز میں سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا (یہ جماعت میں کسی وجہ سے نہیں پہنچ پائے تھے) آپ کسی کام سے بازار تشریف لے جا رہے تھے، حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ کا گھر راستہ ہی میں پڑتا تھا، چنانچہ آپ ان کی ماں حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان کی غیر حاضری کی وجہ دریافت کی، ان کی ماں نے بتایا بات یہ ہوئی کہ سلیمان نے قیام لیل میں رات گزاری، اتفاق کی بات اخیر شب میں نیند کا غلبہ ہو گیا اور بلا قصد وارادہ سو گئے، یہ سن کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے نزدیک فجر کی نماز مسجد میں باجماعت پڑھنی اس ساری رات جاگ کر عبادت کرنے سے بہتر ہے کہ صبح کی جماعت چھوٹ جائے۔ ❶

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بازار والوں کی ایک جماعت کو دیکھا کہ جوں ہی اذان ہوئی، سب سامان اور کاروبار چھوڑ چھاڑ کر مسجد چل کھڑے ہوئے، یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ. (النور: ۳۷)

ترجمہ: کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جن کو تجارت وغیرہ جیسی پیاری چیز بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے نہیں روکتی۔ ❷

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے ایک شخص کو جماعت کی نماز میں نہ دیکھا، اس کے یہاں تشریف لے گئے اور آواز دی، آپ کی آواز سن کر وہ شخص گھر سے نکلے، امیر المؤمنین نے دریافت کیا نماز میں غیر حاضر کیوں رہے؟ جواب میں کہا حضرت میں بیمار ہوں اور ساتھ یہ بھی کہا اے امیر المؤمنین اگر حضرت کی آواز کان میں نہ پڑتی تو گھر سے نہیں نکلتا، یا یہ کہا کہ مسجد تک چلنے کی طاقت نہیں ہے، یہ سن کر

❶ موطا مالک: كتاب الصلاة، باب ما جاء في العتمة والصبح، ج ۲ ص ۱۸۰، رقم الحديث: ۴۳۲ ❷ تفسیر ابن کثیر: سورة النور آیت نمبر ۳۷ کے تحت، ج ۶ ص ۶۳

آپ نے فرمایا تم نے اس کی پکار پر لبیک نہیں کہا جو سب سے زیادہ ضروری تھی اور میری آواز پر نکل آئے، اللہ کے بندے! اللہ تعالیٰ کی طرف جو پکارنے والا پکارتا ہے اس کی پکار پر جس قدر دھیان ضروری ہے میری پکار پر نہیں۔ ❶

انہی حضرت عمر رضی اللہ عنہا کا کہنا ہے کہ مسجد میں نماز کے اندر اپنے بھائیوں کو تلاش کرو کہ وہ سب جماعت میں شریک ہیں یا نہیں، اگر کسی کہ نہ دیکھو تو دریافت کرو، خدا نخواستہ اگر بیماری کی وجہ سے نہ آئے ہوں تو ان کی عیادت کو جاؤ، اگر وہ اپنی صحت وتندرستی کے باوجود نہیں آئے ہیں تو عتاب کرو۔ ❷

امام غزالی رحمہ اللہ اس واقعہ کے تحت لکھتے ہیں:

جماعت کی نماز میں تساہل مناسب نہیں، پہلے لوگ باجماعت کا بڑا اہتمام کرتے تھے، جو لوگ بغیر عذر شرعی شریکِ جماعت نہ ہوتے ان کا جنازہ نکالا جاتا تھا جو اشارہ تھا کہ ایسا شخص مردہ ہے، اس میں دینی روح نہیں ہے۔

حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دس برس سے مؤذن نے کوئی آواز نہیں دی مگر میں مسجد میں موجود رہا ہوں، کہنے کا مطلب یہ تھا کہ دس برس سے میری جماعت کی نماز میں کوئی فرق نہ آیا۔ ❸

مطر الورّاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شوقِ جماعت کا یہ حال تھا کہ وہ خرید وفروخت میں مشغول ہوتے، ترازو ہاتھ میں ہوتا مگر جونہی اذان کی آواز کان میں پڑتی نماز کو دوڑ پڑتے۔ ❹

عمرو بن دینار الاعور کہتے ہیں کہ میں سالم بن عبداللہ کے ساتھ مسجد جا رہا تھا، مدینہ

❶ كتاب الصلاة لأحمد بن حنبل: ص ٢٢ ❷ إحياء علوم الدين: كتاب أسرار الصلاة ومهماتها، الباب السادس في مسائل متفرقة، ج ١ ص ١٩٢ ❸ إحياء علوم الدين: كتاب أسرار الصلاة ومهماتها، باب فضيلة الجماعة، ج ١ ص ١٤٨

❹ تفسير ابن كثير: سورة النور آیت نمبر ٣٧ کے تحت، ج ٦ ص ٦٣

منورہ کے بازار میں پہنچا تو دیکھا وہ سب (تاجر) مسجد جا چکے ہیں، سب کے سامان پڑے ہوئے ہیں، کوئی نگران کی حیثیت سے بھی باقی نہیں ہے، یہ منظر دیکھ کر حضرت سالم رحمہ اللہ کی زبان پر یہ آیت تھی: "رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" اور فرما رہے تھے: یہی لوگ اس آیت کے مصداق ہیں۔ ❶

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق بیان ہے کہ آپ بازار میں تھے، اتنے میں نماز کے لئے اقامت کہی گئی، بس دیکھا سب نے دوکانیں بند کردیں اور مسجد میں داخل ہوگئے، یہ منظر دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ انہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ. ❷

اسلافِ امت کی جماعت سے محبت

ایک دفعہ میمون بن مہران رحمہ اللہ مسجد پہنچے تو ان کو معلوم ہوا کہ جماعت ہو چکی، یہ سن کر آپ نے "إنا لله وإنا إليه راجعون" پڑھا، پھر فرمایا جماعت کی نماز مجھ کو عراق کی گورنری سے زیادہ محبوب ہے۔ ❸

سلفِ صالحین جماعت کے جس قدر دلدادہ تھے اس کی مثال اس دور میں ملنی مشکل ہے، اگر کبھی ان کی تکبیر اولیٰ بھی فوت ہو جاتی تھی تو تین دن تک اس کا سوگ کرتے اور اگر اتفاق سے جماعت چھوٹ جاتی تب تو سات دن تک غم والم میں مبتلا رہتے۔ ❹

موجودہ دور کے علماء کا اہتمام جماعت

یہ چند واقعات آپ کے سامنے ہیں ان کے پیش نظر بار بار غور کریں اور جماعت کی

❶ تفسير ابن كثير: سورة النور آیت نمبر ۳۷ کے تحت، ج ۶ ص ۶۳

❷ تفسير ابن كثير: سورة النور آیت نمبر ۳۷ کے تحت، ج ۶ ص ۶۳

❸ إحياء علوم الدين: كتاب أسرار الصلاة، باب فضيلة الجماعة، ج ۱ ص ۱۴۹

❹ إحياء علوم الدين: كتاب أسرار الصلاة، باب فضيلة الجماعة، ج ۱ ص ۱۴۹

نماز کی اہمیت کا اندازہ لگائیں، جی چاہتا تھا کہ ہر دور کی چند مثالیں پیش کردی جائیں مگر تطویل کے خوف سے نظر انداز کرنا پڑ رہا ہے صرف موجود دور کے چند باخدا بزرگوں کے صحیح واقعات عبرت و بصیرت کے لئے لکھے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمہ اللہ جب حج کے سلسلہ میں مکہ معظّمہ اور پھر کسی وجہ سے طائف تشریف لے گئے تو وہ جنگِ عظیم کا زمانہ تھا، کافی شورش پھیلی ہوئی تھی ہر آن گولیاں چلتی رہتی تھیں، ورنہ خطرہ تو بہر حال تھا، اس وقت بھی حضرت پنج وقتہ نماز باجماعت ادا کرتے تھے، اور جس طرح بن پڑتا مسجد پہنچنے کی کوشش کرتے، یہاں سے جب برطانیہ کے اشارہ پر شریف مکہ نے گرفتار کرلیا اور برطانیہ کی نگرانی میں مالٹا روانہ کئے گئے تو تمام راستہ حتی الوسع سنگین پہروں میں باجماعت نماز ادا کرنے کی سعی جاری رکھی، گورے چمڑے والے فوجی چاروں طرف سے گھیرے میں لئے ہوئے ہوتے اور حضرت اپنے معتقدین کے ساتھ باجماعت نماز میں مشغول ہوتے، مالٹا پہنچے وہاں سردی اپنے شباب پر تھی، خیمہ سے سر نکالنا بھی مشکل ہوتا تھا، اس زمانہ میں بھی حضرت اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ایک خیمہ میں جمع ہو کر باجماعت نماز ادا کرتے۔ ❶

مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی رحمہ اللہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ جماعت کی نماز کے اس قدر عاشق تھے کہ سفر میں بھی ان کو منفرد بن کر نماز پڑھنا گوارا نہ تھا، چنانچہ وہ (غالبًا اپنے خرچ سے) دو آدمیوں کو اسی غرض سے ساتھ لے کر چلتے تھے، اور وقت پر ان کے ساتھ مل کر جماعت سے نماز ادا فرماتے۔ ❷

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ جن کا انتقال ابھی حال ہی میں ہوا ہے، جماعت کی نماز پر کیسے بجان و دل فدا تھے، اس کا تھوڑا بہت اندازہ ان اقتباسات سے لگائیے جو مولانا ابو الحسن علی صاحب ندوی رحمہ اللہ نے ''مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت''

❶ سفر نامہ اسیر مالٹا: ص ۲۷ ❷ روایت مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب رحمہ اللہ

نامی کتاب میں مرض الموت کے واقعات کے سلسلہ میں لکھا ہے، فرماتے ہیں:

مارچ ۱۹۴۴ء میں ضعف بہت بڑھ چکا تھا، نماز بھی پڑھانے سے معذور تھے لیکن جماعت میں دو آدمیوں کے سہارے تشریف لاتے تھے، اور کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ اخیر میں جب حالت نازک ہوگئی تو اس وقت بھی مولانا موصوف نے جماعت ترک نہ فرمائی بلکہ ہوتا یہ تھا کہ آپ کی چارپائی صف کے کنارے لگادی جاتی تھی اور آپ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ ❶

حضرت مولانا بشارت کریم رحمہ اللہ گرھولوی جو ضلع مظفر پور (بہار) میں ایک بڑے باخدا بزرگ گزرے ہیں، آپ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے:

آپ کو پاؤں کی کوئی ایسی بیماری تھی جس کی وجہ سے چلنے سے بڑی حد تک مجبور تھے مگر مولانا کی شیفتگی جماعت کا یہ حال تھا کہ آپ نے ایک گاڑی بطور رکشا بنوا رکھی تھی جس سے پنج وقتہ مسجد حاضر ہو کر باجماعت نماز پڑھتے تھے۔ ❷

مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ اپنے پدر بزرگوار کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

نماز با جماعت کا اہتمام جیسا میں نے اپنے والد ماجد میں دیکھا، ایسا بہت ہی کم بندگانِ خدا میں دیکھا گیا ہے اور یہ صرف اپنے ہی حق میں نہ تھا بلکہ ان کی پوری کوشش یہ ہوتی تھی کہ گھر کا ایک ایک آدمی بلکہ ہر صاحبِ شعور بچہ بھی جماعت کے وقت مسجد پہنچ چکا ہو، نماز کا وقت شروع ہوتے ہی تقاضا فرمانا شروع کر دیتے تھے، پھر جب مسجد کو جاتے تو راستہ کے لوگوں کو یاد دلاتے جاتے، ادھر چند مہینوں سے آنکھوں میں پانی اتر آیا تھا اور بینائی تقریباً معدوم ہوگئی تھی جس کی وجہ سے خود وقت کا اندازہ نہ فرما سکتے تھے، تو ظہر اور عصر میں بہت پہلے سے دریافت فرمانا شروع کر دیتے تھے کہ بتلاؤ نماز کا وقت ہوا یا نہیں۔ ❸

❶ مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ص ۱۶۴ ❷ روایت حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ
❸ الفرقان رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ

میں نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں جب میں مفتاح العلوم میں پڑھتا تھا، حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمہ اللہ کے والدمرحوم کو دیکھا کہ باوجود اپنے مختلف مشاغل اور ضعف و کبرسنّی کے ہمیشہ اپنے محلّہ کی مسجد میں باجماعت نماز پڑھتے تھے، خود حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کو جب وہ مطالعہ میں مشغول رہتے کسی لڑکے سے بلواتے تھے، اسی طرح آپ کے بچوں کو صبح تک کی نماز میں اپنے ساتھ لے جاتے۔

ضلع پورنیہ (بہار) کے مولانا ظفر صاحب کے متعلق بیان کیا جاتا ہے:

وہ تو خود جماعت کے عاشق تھے ہی ساتھ ہی یہ جذبہ اور جماعت کی ایسی اہمیت تھی کہ وہ عوام کو ترغیباً یہ مسئلہ بتاتے تھے کہ منفرد کی فرض نماز، نماز ہی نہیں ہوتی، بغیر عذرِ شرعی مسجد کی غیر حاضری پر بہت خفا ہوتے، کوئی ان سے تعویذ لینے آتا اس سے باجماعت نماز کے متعلق دستاویز لکھوا کر دیتے تھے۔ ❶

نظم جماعت کی وجہ اور اس کے فضائل

اب تک نظم جماعت کی اہمیت ثابت کی گئی، اب یہ بتانا ہے کہ آخر یہ اہتمام جماعت کیوں تھا؟ اس سلسلہ میں اختصار کے ساتھ چند حدیثیں ذکر کی جائیں گی جس سے امید کی جاتی ہے کہ نظم جماعت کے فضائل ذہن نشین ہوجائیں گے، شرعی طور پر بھی اور بڑی حد تک عقلی طور پر بھی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ارشادِ نبوی ہے:

صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلَى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ وَفِي سُوقِهِ، خَمْسًا وَّعِشْرِينَ ضِعْفًا، وَذٰلِكَ أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ، لَمْ يَخْطُ خَطْوَةً إِلَّا رُفِعَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ، وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ، فَإِذَا صَلَّى لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَيْهِ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ، وَلَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلَاةَ. ❷

❶ روایت مولانا لطیف الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ ❷ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، ج ١ ص ١٣١، رقم الحديث: ٦٤٧

مرد کی باجماعت نماز اس کی انفرادی نماز سے ثواب میں پچیس گنا بڑھی ہوئی ہے جو وہ اپنے گھر یا بازار میں پڑھے، مگر یہ اس وقت کہ وہ باقاعدہ وضو کرے پھر اخلاص سے مسجد آئے، مسجد آنے میں جو قدم بھی اس کا اٹھے گا ہر قدم کے بدلہ ایک درجہ بلند ہوگا اور ایک گناہ معاف ہوگا، جب تک وہ اپنے مصلّے پر نماز وغیرہ میں مشغول رہے گا اس کے لئے متواتر فرشتے دُعائے مغفرت کریں گے کہ اے اللہ! اس کو بخش دے، اے اللہ! اس پر رحم فرما، اور جب تک کوئی نماز کے انتظار میں ہوتا ہے تو گویا وہ نماز ہی میں ہوتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ منفرد کی نماز سے جماعت کی نماز ستائیس درجہ فضیلت رکھتی ہے۔ ❶

ان حدیثوں سے یہ بات نمایاں طور پر معلوم ہوئی کہ اکیلے اکیلے جو نماز پڑھی جائے اس میں اور جماعت کی نماز میں بلحاظ اجر وثواب اور فضیلت بہت تفاوت ہے، پھر نمازی کا ہر قدم ایک گناہ کو مٹاتا اور ایک درجہ بلند کرتا ہے، مزید براں جب تک وہ مسجد میں ہوتا ہے اس کے لئے دعائے رحمت ومغفرت کرتے ہیں۔

الفاظِ حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ثواب کی زیادتی میں جگہ اور مکان کو بڑا دخل ہے، جو ثواب مسجد کی جماعت کا ہے وہ گھر کی جماعت کا نہیں، اور جتنا ثواب گھر کی نماز باجماعت کا ہے بازار کی باجماعت نماز کا نہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ منفرد کی نماز بھی ہو جاتی ہے اور اس طرح فرضیت بھی ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے مگر ثواب میں ان دونوں (باجماعت اور انفرادی) نماز میں بڑا فرق ہے۔ قلب وجگر پر اثرات کے ترتُّب میں ایک کو دو درجہ حاصل ہے وہ دوسری (منفرد کی نماز) کو نہیں، اجتماع کو اس باب میں بڑا دخل ہے، یہی وجہ ہے کہ جماعت جس قدر بڑی ہوتی ہے

❶ صحیح مسلم: کتاب المساجد مواضع الصلاۃ، باب فضل صلاۃ الجماعۃ وبیان التشدید فی التخلف، ج ۱ ص ۴۵۰، رقم الحدیث: ۶۵۰

اسی اندازہ سے فضیلت بڑھتی جاتی ہے، حدیث میں ہے:

وَإِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ وَحْدَهُ، وَصَلَاتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ مَعَ الرَّجُلِ، وَمَا كَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى. ❶

مرد کی نماز ایک شخص کے ساتھ اس کی تنہا نماز سے پاکیزہ تر ہے، اور اس کی نماز دو شخصوں کے ساتھ ایک شخص کے ساتھ والی نماز سے افضل ہے، اور جماعت میں جس قدر زیادتی ہو اللہ تعالی کو وہ زیادہ پسندیدہ ہے۔

نظم جماعت میں ثواب کی زیادتی کی تفصیل

ابھی ابھی جو ایک حدیث میں پچیس اور دوسری میں ستائیس گنا کا جملہ آیا ہے، یہ کوئی ایسا اہم مسئلہ نہیں کہ خواہ مخواہ اس کی کرید میں لگ جائیں یہ دو کا فرق محض حسنِ عمل، حسنِ نیت، مسجد کے قرب وبُعد، خضوع وخشوع اور اسی طرح کی دوسری چیزوں کی وجہ سے ممکن ہے یا صرف زیادتی ثواب بتانا ہے، عدد تعیین کے لئے نہ ہو، اور بھی وجہ نکل سکتی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کی بہت سے شکلیں لکھی ہیں، مگر ان میں راجح انہوں نے اپنے ذوق کے مطابق اس صورت کو قرار دیا ہے کہ یہ فرق سری اور جہری نماز کا ہے کہ سری میں دو کم یعنی پچیس گنا اور جہری میں دو زیادہ یعنی ستائیس گنا، پھر اس کی تفصیل بیان کر کے اپنے اس قول کو مدلل فرمایا ہے، تفصیل اہلِ علم کے لئے قابلِ مطالعہ ہے، ملاحظہ فرمایا جائے:

۱......مؤذن کی دعوت جماعت کی نیت سے قبول کرنا۔

۲......اذان سنتے ہی نماز کے لئے جلدی کرنا اور اول وقت میں چلنا۔

❶ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب فضل الجماعة، ج ۱ ص ۱۵۱، رقم الحديث: ۵۵۴/ سنن النسائي: كتاب الإمامة، الجماعة إذا كانوا اثنين، ج ۲ ص ۱۰۴، رقم الحديث: ۸۴۳

۳......باوقار مسجد کو روانہ ہونا۔

۴......مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دعاء ماثورہ پڑھنا۔

۵......مسجد میں پہنچ کر دو رکعت نماز تحیۃ المسجد پڑھنا۔

۶......جماعت کا انتظار کرنا (جو نماز پڑھنے کے حکم میں ہے)

۷......فرشتوں کا جماعت کی نماز پڑھنے والوں کے لئے دعائے رحمت و مغفرت کرنا۔

۸......ان کے حق میں فرشتوں کی شہادت۔

۹......تکبیر کے الفاظ کا جواب دینا۔

۱۰......تکبیر کے وقت شیطانی وسوسہ سے محفوظ رہنا (کیونکہ وہ بھاگ جاتا ہے)

۱۱......امام کے تحریمہ کے انتظار میں توقف کرنا یا امام کے ساتھ اس کو جس حالت میں پائے مل جانا۔

۱۲......تکبیر تحریمہ کا پالینا۔

۱۳......صفوں کو درست کرنا اور اس کی کشادگی کو بند کرنا۔

۱۴......امام کے ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کے جواب میں ''ربنا لک الحمد'' کہنا۔

۱۵......بھول چوک سے محفوظ رہنا اور امام سے بھول ہونے لگے تو اس کو ''سبحان اللہ'' کہہ کر خبردار کرنا۔

۱۶......حالتِ جماعت میں خشوع و خضوع کا حصول اور غافل کرنے والی چیز سے عموماً سلامتی۔

۱۷......عادتاً جماعت کے موقع پر حسن ہیئت کا خیال رکھنا۔

۱۸......فرشتوں کا جماعت کو چھالینا۔

۱۹......(امام کی وساطت سے) تجوید و ارکانِ صلوۃ سے واقفیت۔

۲۰......(قیام جماعت میں) شعارِ اسلام کا اظہار۔

۲۱......اجتماعی طور پر عبادت اور تعاون علی الطاعت کے ذریعہ شیطان کی رسوائی اور سُست و کاہل افراد میں جوش و نشاط پیدا کرنا۔

۲۲......نفاق کی زد سے بچنا جو جماعت سے کترانے والے کی نشانی ہے اور اس الزام سے مامون رہنا کہ فلاں نے نماز ہی نہیں پڑھی۔

۲۳......امام کے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کا جو دعا ہے، دعا سے جواب دینا۔

۲۴......یکجا بطور اجتماعی دعا وذکر میں مشغول ہوکر برکت سے منتفع ہونا۔

۲۵......ایک گھر میں جمع ہوکر پڑوسیوں کا رات دن ملنا اور اس نظام کے ذریعہ ہر ایک کے حالات سے باخبر ہونا۔

یہ پچیس فائدے جماعت کی نماز کے ایسے ہیں جس سے کسی کو انکار کی جرأت نہیں ہوسکتی اور ان میں ہر ایک اپنی مخصوص فضیلت کی وجہ سے مستقل عبادت کی حیثیت رکھتا ہے اس کے پیشِ نظر ماننا پڑتا ہے کہ اجر کا دو چند اور زیادہ سے زیادہ ہونا مسجد کے نظام سے جکڑا ہوا ہے، بہر حال یہ وہ فائدے ہیں جو ہر جماعت کی نماز میں پائے جاتے ہیں، وہ سری نماز (آہستہ قرأت والی) ہو یا جہری (کہ جس میں بلند آواز سے قرأت کی جائے) باقی دو فائدے ایسے ہیں جو جہری نماز کے ساتھ مختص ہیں، ایک امام کے پڑھتے وقت خاموشی سے بغور سننا اور دوسرے امام کے آمین کہتے وقت مقتدی کا بھی آمین کہنے کی موافقت ممکن ہوسکے۔ ❶

دینِ اسلام کی دلوں پر حکمرانی

اسلام نے جبر و تشدد کی راہ چھوڑ کر حتی الامکان دلوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی ہے، وہ نہیں چاہتا کہ کوئی ایسی عبادت کرے جس میں دل کو ارتباط نہ ہو، بلکہ اس نے یہ بھی پسند

❶ فتح الباري: كتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، ج ۲ ص ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴

نہیں کیا کہ کسی درجہ میں انسان کا دل گرانی محسوس کرے، چنانچہ آپ احکام اسلام میں غور وفکر سے کام لیں گے تو معلوم ہوگا ہر ہر قدم پر ترغیب کی راہ اختیار کی گئی ہے اور حتی الوسع جبر واکراہ کو ترک کر کے تالیفِ قلوب سے کام لیا گیا ہے، ایک دفعہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَعْظَمُ النَّاسِ أَجْرًا فِي الصَّلَاةِ أَبْعَدُهُمْ، فَأَبْعَدُهُمْ مَمْشًى وَالَّذِي يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ حَتَّى يُصَلِّيَهَا مَعَ الإِمَامِ أَعْظَمُ أَجْرًا مِنَ الَّذِي يُصَلِّي ثُمَّ يَنَامُ. ❶

نماز میں اس شخص کو زیادہ ثواب ملتا ہے جو جس قدر دور سے چل کر آتا ہے جماعت کے انتظار میں جو شخص بیٹھا رہتا ہے وہ ثواب میں اس سے بڑھا ہوا ہے جو جماعت کا انتظار نہیں کرتا اور نماز پڑھ کر سو یا رہتا ہے۔

لب ولہجہ پر بار بار غور کیجئے کس قدر شیریں اور دل نشین ہے، کلام میں درشتی اور سختی کا کہیں پتہ نہیں، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کسی موقعہ پر بھی سختی سے کام نہیں لیا گیا، چونکہ اسلام میں ایک مستقل گروہ منافقین کا تھا جو مسلمانوں میں اپنے طرزِ عمل سے تساہلی اور کاہلی کا پرچار کرتا تھا اس لئے موقع بموقع سے ایسی صورت بھی عمل میں لانی پڑی ہے کہ ان کے کیف ونشاط میں فرق نہ آنے پائے، اور مؤمن کامل کے لئے تازیانہ کا کام دیتی رہے، سُستی، بے رغبتی جب کبھی ان میں قدم جمانے لگے تو اس طرح کی حدیثیں ان کو جھنجھوڑ دیں، چنانچہ فرمایا گیا:

لَيْسَ صَلَاةٌ أَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِينَ مِنَ الفَجْرِ وَالْعِشَاءِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا، لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ الْمُؤَذِّنَ فَيُقِيمَ، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا يَؤُمُّ

❶ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب فضل صلاة الفجر في جماعة، ج ۱ ص ۱۳۱، رقم الحديث: ۶۵۱ / صحيح مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل كثرة الخطا إلى المسجد، ج ۱ ص ۴۶۰، رقم الحديث: ۶۶۲

النَّاسَ، ثُمَّ آخُذَ شُعَلًا مِنْ نَارٍ فَأُحَرِّقَ عَلَى مَنْ لَا يَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ بَعْدُ. ❶

فجر اور عشاء کی نماز سے بڑھ کر منافقوں پر اور کوئی نماز شاق نہیں ہے، حالانکہ اگر ان کو ان نمازوں کی اہمیت کا علم ہو جائے تو جیسے بن پڑے دوڑے آئیں، جی میں آتا ہے کہ مؤذن کو اقامت کا حکم کر دوں اور کسی سے کہوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرے اور خود آگ کا شعلہ لے کر نکل پڑوں اور ان کو جلا ڈالوں جو اب تک جماعت کی نماز کے لئے نہیں نکلے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَالْمُرَادُ لَأَتَوْا إِلَى الْمَحَلِّ الَّذِى يُصَلَّيَانِ فِيهِ جَمَاعَةً وَهُوَ الْمَسْجِدُ. ❷

مراد یہ ہے کہ وہ اس جگہ آئیں جہاں یہ دونوں نمازیں پڑھی جاتی ہیں اور وہ جگہ مسجد ہے۔

نظم وارتباط، باہمی اتحاد اور دلوں کے ملاپ کے لئے ضروری ہے کہ اجتماع کا مرکزی گھر ایسا ہو جہاں ہر خاص و عام بغیر کسی حیلہ بہانہ کے بآسانی آسکیں اور اس کے لئے مسجدوں سے بڑھ کر اور کون سی جگہ ہوسکتی ہے جو خالص خدا کی ملکیت کہی جاتی ہے۔

مخصوص اوقات کی فضیلت

اس میں شبہ نہیں کہ نسبتاً فجر، عشاء اور ظہر میں زیادہ دقتیں پیش آتی ہیں، سردی کے موسم میں عشاء اور فجر کی نماز کا جن لوگوں کو تجربہ ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ نفس پر کتنا دباؤ ڈالنا پڑتا ہے، ٹھنڈی ہوا کا جھونکا، پانی کی بڑھتی ہوئی سردی، راستہ کی تاریکی اور نفس کے ایسے موقع پر آرام طلبی، یہ ساری باتیں مل کر حوصلہ کو زیر کرنا چاہتی ہیں، گرمی کے موسم میں صبح کی میٹھی نیند برسات کی کالی رات اور دوسرے عوارض فجر و عشاء میں رکاوٹ بن کر

❶ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب فضل العشاء في الجماعة، ج ١ ص ١٣٢، رقم الحديث: ٦٥٧

❷ فتح الباري: كتاب الأذان، باب فضل صلاة العشاء في الجماعة، ج ٢ ص ١٤١

سامنے آتے ہیں۔

ٹھیک اسی طرح کم وبیش ظہر کی نماز بہت کٹھن ہو جاتی ہے جب کہ دھوپ کی تمازت چہرہ کو جھلس رہی ہو، آسمان انگارے برسا رہا ہو اور ہوا آگ لئے پھر رہی ہو، انسان طبعًا اس طرح کے موقع پر سُست وکاہل بن جاتا ہے، خطرہ ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ مردِ مؤمن ان وقتوں میں مسجد جانے سے ہچکچائے اور جماعت کی نماز ترک کر بیٹھے اس لئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اہمیت کو اور بھی عمدہ پیرایہ میں ذہن نشین فرمایا اور سمجھایا کہ میٹھی نیند، تیز دھوپ، سخت تاریکی اور گرمی اور سردی تم کو دھوکہ نہ دے جائے، یہ نمازیں گو منافقین پر شاق ہیں کہ ان کو لذتِ ایمان میسر نہیں لیکن اگر ان کو ایمان کی شیرینی نصیب ہوتی اور پھر ان مشکل طلب وقتوں میں نماز باجماعت کے فضائل اور ان کے منافع کا علم ویقین ہو جاتا تو پھر ہزار مجبوری ہوتی، پر یہ گھر میں بیٹھے نہیں رہتے، بلکہ جس طرح بھی یہ مسجد پہنچ سکتے، پہنچنے کی سعی پیہم کرتے۔

عشاء، فجر اور ظہر کی نمازوں کے اوقات جیسا عرض کیا گیا ذرا نفس کے لئے تکلیف دہ ہیں اس لئے شریعت نے ان کے فضائل نسبتًا بڑھا کر بیان کئے اور گرانی طبع کو کم سے کم کرنے کی کوشش کی گئی، ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان وقتوں کی نماز باجماعت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ، ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَّسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا. ❶

❶ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب الاستهام في الأذان، ج ١ ص ١٢٦، رقم الحديث: ٦١٥/ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب فضل النداء والصف الأول، ج ١ ص ٣٢٥، رقم الحديث: ٤٣٧

لوگوں کو اگر علم ہو جائے کہ اذان پکارنے اور صفِ اول کی نماز میں کیا اجر اور فضیلت ہے پھر وہ نہ پائیں تو قرعہ اندازی پر اتر آئیں، اور اگر ان کو دوپہر (ظہر) کی نماز با جماعت کا علم ویقین حاصل ہو جائے اور پتہ لگ جائے کہ اس کا کیا ثواب ہے تو اس کے لئے دوڑ پڑیں، اسی طرح صبح اور عشاء کی نماز کا جو درجہ ہے وہ معلوم ہو جائے تو یہ گھسٹتے ہوئے بھی آئیں۔

فضائل واجر کی کثرت

ان حدیثوں میں جس قدر ہم غور کرتے ہیں فضائل واجر کی کثرت کا اور بھی یقین ہوتا ہے، ستائیس گنا ثواب کی تو وضاحت ہے مگر الفاظِ حدیث کے ساتھ طرزِ بیان پر بھی نظر کیجئے تو معلوم ہو کہ اس متعینہ ثواب سے زیادہ بھی اور کوئی چیز ہے جس کو ہم نہیں سمجھتے، یا وہ چیز ہماری عقل سے ماوراء ہے، مگر ہے گرانقدر چیز جس کو حدیثوں میں ''لَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِىْ ''جیسے جملوں سے بیان کیا گیا ہے اور ذخیرہ احادیث کے پیش نظر تو یہ فیصلہ بڑی حد تک ناگزیر معلوم ہوتا ہے، پھر یہ حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بیان فرمایا:

مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ، وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ. (۱)

جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی تو گویا وہ آدھی رات نماز میں کھڑا رہا، اور جس نے جماعت سے صبح کی نماز پڑھی تو گویا اس نے پوری رات نماز میں گزاری۔

اس حدیث کا اس کے سوا اور کیا منشأ ہے کہ ان دو وقتوں کی جماعت کی نماز کا اجر آدھی اور پوری رات کی عبادت اور نوافل کے برابر ہے، اگر ایک طرف ان نمازوں کے

(۱) صحيح مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة العشاء والصبح في الجماعة، ج ۱ ص ۴۵۴، رقم الحديث: ۶۵۶

لئے بندوں کے دلوں پر قبضہ کرنا مقصد ہے اور ان کو ساری دشواریوں سے گزار کر کیف وانبساط کے ساتھ جماعت میں لا کھڑا کرنا ہے تو دوسری طرف یہ بھی مقصد ہے کہ جماعت کی نماز کا ثواب ستائیس گُنا سے بڑھ کر کچھ اور بھی ہے جو مخلص بندہ کو درگاہِ الٰہی سے ملتا ہے۔

سختی اور نرمی کا معیار

ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھ لیا کہ اذان کے بعد وہ مسجد سے نکل کر جا رہا ہے، تو آپ نے کس سختی سے فرمایا:

أَمَّا هَذَا فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. ❶

بلاشبہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔

پھر اسلام کی دلدہی پر قربان جایئے اس نے اس شخص کو بھی جماعت کے ثواب سے محروم نہیں رکھا جو گھر سے جماعت کی نیت سے نکلا مگر اس کو جماعت نہ ملی، بلکہ اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمادی کہ جو شخص باضابطہ باوضو مسجد آیا اور اس کو جماعت نہ مل سکی تو بھی اس کو جماعت کا پورا پورا اجر ملے گا، کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ ❷

اس سے بڑھ کر یہ کہ معذورین کو رخصت بھی دی گئی ہے کہ اگر کسی کو عذرِ شرعی پیش آجائے تو وہ جماعت سے غیر حاضر بھی ہوسکتا ہے۔ ❸

گو عزیمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خود حتی الوسع مسجد کی حاضری اپنے اوپر لازم جانے۔

نظم جماعت کی حکمتیں

یہ حقیقت مسلّمہ ہے کہ شریعت نے جن باتوں کی جتنی تاکید کی ہے ان میں اسی

❶ صحيح مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن الخروج من المسجد، ج ١ ص ٤٥٤، رقم الحديث: ٦٥٥ ❷ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب فيمن خرج يريد الصلاة فسبق بها، ج ١ ص ١٥٤، رقم الحديث: ٥٦٤ ❸ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب أذان المسافر إذا كانوا جماعة...... إلخ، ج ١ ص ١٢٩، رقم الحديث: ٦٣٢

اندازہ سے مصالح اور حکم بھی پنہاں ہوتے ہیں جہاں تک ہر شخص کی نگاہ نہیں پہنچتی ہے، ہاں کچھ علماء راسخین فی العلم ہیں جو ایک حد تک حکمتوں کو پا لیتے ہیں اور پھر ان کے ذریعہ اور بھی لوگ ان مصلحتوں اور حکمتوں کو جان لیتے ہیں۔

بلاشبہ جماعت کی نماز جس کی اس قدر اہمیت ہے بلا وجہ نہیں ہے خیر و برکت اور اجر وثواب کی زیادتی اپنی جگہ، علاوہ ازیں اس میں بیش بہا فوائد، وقیع منافع، اور ان گنت حکمتوں کا خزینہ پوشیدہ ہے، یہاں ان میں سے چند کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔

نماز کی جماعت کے نام سے جو اجتماع ہوتا ہے وہ ایسے گھر میں ترتیب پاتا ہے جہاں ہر مسلمان کو برابر کا حق پہنچتا ہے، اصولی طور پر اس میں شرکت کی عام اجازت ہوتی ہے، دیہاتی، شہری، بڑے، چھوٹے، عالم اور غیر عالم سب مساوی درجہ رکھتے ہیں، پھر یہ کہ اس اجتماع کی شرکت باعثِ فخر ومباہات ہوتی ہے اور اس کثرت سے یہ اجتماع ہوتا ہے کہ لوگوں میں ایک رسم عام کی حیثیت قبول کر لیتا ہے، کوئی اپنی سستی کاہلی اور بے رغبتی سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہے تو یہ کوئی آسان بات نہیں، اس لئے کہ غیر حاضری کی شکل میں تلاش اور جستجو ہوگی، وجہ دریافت کی جائے گی اور معقول عذر نہ ہونے کی صورت میں لوگوں کی نگاہ میں وہ معتوب سمجھا جائے گا۔

کاہلی کا انسداد

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کاہل، سست اور بے رغبت مسلمان کے اندر چُستی پیدا ہوگی اور وہ بڑی حد تک اپنے کو مجبور پائے گا کہ مسجد آئے، جماعت میں شریک ہو کیونکہ یہ امتحان گاہ ہے کہ کون لوگ ہیں جو دعوی اسلام کے ساتھ ساتھ اپنے دلوں میں اسلام کی محبت ووقعت بھی رکھتے ہیں اور اللہ تعالی کی عبادت برضا ورغبت بجالاتے ہیں، اور کتنے وہ ہیں جن کو صرف ادعائے اسلام ہے اور درحقیقت ان کا دل دین کی محبت سے خالی اور ویران ہے اور رب العالمین کے ساتھ ان کا تعلق بے دلی، بے رغبتی اور دوری کا ہے۔

علمائے دین کا امتحان

اس اجتماعِ دینی میں چونکہ دین کے جاننے والے اور اس کے ماہر بھی ہوتے ہیں اور دین سے ناواقف اور جاہل لوگ بھی، اس لئے عالمانِ دین اور احکام دین سے واقف افراد کا امتحان بھی ہے کہ یہ اپنا فریضہ ادا کرتے ہیں یا نہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ان کو کس قدر احساس ہے۔

قبولیتِ دُعا

یک جا ایک دو نہیں، پورے محلّہ کے مسلمان کم از کم جمع ہوئے ہیں اور سب مل کر ایک عظیم الشان عبادت میں مشغول ہیں اور پھر اسی طرح امید و بیم کے ساتھ ایک ہی مقصد کے لئے دل کی پوری گہرائی کے ساتھ پروردگار عالم سے دعا کرتے ہیں اور نماز کے ذریعہ اپنے خدا سے بہت قریب ہو کر کرتے ہیں، اس لئے توقع کامل ہے کہ رب العالمین دعا کو شرفِ قبولیت بخشے گا اور ان کو اجتماعی مقاصد میں کامیاب کرے گا۔

اِعلائے کلمۃ اللہ

اللہ تعالیٰ کا امتِ محمدیہ سے جو یہ مقصد ہے کہ اس کا کلمہ بلند ہو، اسی کا بول بالا رہے اور دینِ اسلام اور ادیانِ باطلہ پر غالب ہو کر رہے تا کہ سارے انسانوں کو حقیقی امن وراحت میسر ہو، تو بلا شبہ اس مقصد کی تکمیل بھی یک گونہ ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک ایسی دستوری عبادت ہے جس کو دین سے بڑا گہرا تعلق ہے اور اس طرح یہ عبادت علی الاعلان ادا ہوتی ہے اور اعلائے کلمۃ اللہ کا ایک شعبہ انجام پذیر ہوتا ہے۔

شیطان کی رسوائی

شیطان جو بندہ مؤمن کا کھلا ہوا دشمن ہے اور ان کے آپس میں بُعد وتفرقہ ڈال کر

ان کو کمزور کرنا چاہتا ہے اور ان کو ٹولیوں میں بانٹ کر اپنے قابو کا متمنی ہوتا ہے اس یکجائی عبادت سے اس کی بھی رسوائی ہوتی ہے، اور اس طرح اس کا داؤ پیچ بنا بنایا ختم ہوجاتا ہے جس کی طرف آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پاکیزہ اشارہ فرمایا تھا:

مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِی قَرْیَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِیهِمُ الصَّلَاةُ إِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطَانُ. ❶

کوئی آبادی ہو یا جنگل جس میں تین آدمی رہتے ہوں جب اُس میں نماز قائم نہیں کی جاتی تو شیطان اُن پر قابو پا لیتا ہے۔

ماحصل یہ تھا کہ جہاں جماعت ہوسکتی ہے وہاں جماعت ہرگز نہ ترک کی جائے کہ اس طرح شیطان کو موقع مل جائے گا اور پھر دین میں سُستی کا دروازہ کھل جائے گا، اور جماعت کا اہتمام جب شدومد سے باقی رہے گا تو پھر شیطان کی رسوائی ضروری ہوگی۔ ❷

تزکیہ اور تالیفِ قلوب

امام ابن العربی مالکی رحمہ اللہ نے مسجد ضرار والی آیت کے ضمن میں لکھا ہے اور جماعت کے ایک پہلو تزکیہ وتصفیہ اور تالیفِ قلوب پر کافی روشنی ڈالی ہے، ان کی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

سارے مسلمان ایک جماعت تھے اور ایک مسجد میں نماز پڑھتے تھے، منافقین نے چاہا کہ طاعت میں ان کا شیرازہ منتشر کردیں اور ان سے علیحدہ رہ کر کفر ومصیبت کو فروغ دیں، اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ خدائی نظم جماعت کی غرض وغایت یہ ہے کہ دلوں میں ارتباط، طاعت میں یکرنگی اور شیرازہ بندی قائم رہے تاکہ باہم انس ومحبت پیدا ہو اور کینہ

❶ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب في التشديد في ترك الجماعة، ج ١ ص ١٥٠، رقم: ٥٤٧/ سنن النسائي: كتاب الإمامة، باب التشديد في ترك الجماعة، ج ٢ ص ١٠٦، رقم الحديث: ٨٤٧ ❷ حجة الله البالغة: باب الجماعة، ج ٢ ص ٣٩

وکپٹ اور دنائت سے دل صاف اور پاک رہے، اور اس معنی کو امام مالک رحمہ اللہ نے خوب سمجھا تا آنکہ انہوں نے یہ فرمایا کہ ایک مسجد میں دو جماعتیں نہیں پڑھی جا سکتی ہیں، نہ دو امام کے ساتھ اور نہ ایک امام کے ساتھ کہ یہ کلمہ کے تشتت اور اس کی حکمتِ بالغہ کے ابطال کا سبب بن جائے اور تا کہ یہ اس بات کا ذریعہ نہ بن جائے کہ ہم جماعت سے علیحدگی کے خواہاں کا اس کو عذر بنا لیں کہ وہ ایک اور جماعت قائم کرے اور ایک دوسرا امام بنا لے اور اس طرح اختلاف کا چشمہ پھوٹ پڑے اور نظام وحدت درہم برہم ہو جائے۔ ❶

انتشارِ جماعت کی کراہیت

بلا شبہ اس کلام میں جس طرف اشارہ کیا گیا ہے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جماعت کے بنیادی مقاصد سے ہے اور کہا جا سکتا ہے جماعت کی روح بڑی حد تک اسی میں پنہاں ہے، یہی وجہ ہے بعض ائمہ دین نہایت سختی سے اس طرف گئے ہیں کہ اذان و جماعت والی مسجد میں جماعتِ ثانیہ کراہت سے کسی حال میں خالی نہیں، اور فضائل صرف جماعتِ اولی ہی کو حاصل ہیں۔

ہم جب نمازِ خوف کا مسئلہ سامنے رکھتے ہیں تو اور بھی مسئلہ جماعت کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے، میدانِ کارزار میں جب دو جماعت کا حکم نہیں تو رات دن اپنی پرسکون مسجد میں جماعتِ ثانیہ کی اجازت کیونکر سمجھی جا سکتی ہے، ہاں راستہ کی مسجد ہو تو البتہ اجازت سمجھ میں آتی ہے کہ وہاں کوئی نظم وضبط ممکن ہی نہیں، احادیث میں اسی طرح کا واقعہ جہاں آیا ہے اس کی مراد یہی ہے کہ وہ گزرگاہ کی مسجد ہوگی، نظم جماعت کے سلسلہ میں جو حدیث ہم نقل کر آئے ہیں ان میں بھی اس طرف کافی اشارہ موجود ہے کہ جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف ایک ہی ہوتی تھی، اور یہی مطلوب بھی تھا۔

❶ أحكام القرآن لابن العربي: سورة التوبة آیت نمبر ۱۰۷ کے تحت، مسألة هل تصلي جماعتان في مسجد واحد؟ ج ۲ ص ۵۸۲

دلوں کی نورانیت

جماعتِ ثانیہ کو جب جماعت کی حیثیت حاصل نہیں ہوتی تو پھر قدرتی طور پر جماعتِ اولی میں ہر شخص حاضری کی سعی کرے گا اور وہ سُستی جو جماعتِ ثانیہ کے نام پر پیدا ہوسکتی ہے۔ راہ نہ پائے گی، اوراس صورت جماعت بڑی سے بڑی ہوگی، پھر ہر ایک قلب روشن ہوجائے گا اور اللہ تعالی کی معرفت وطاعت کا نور ایک قلبِ مؤمن سے دوسرے مؤمن کے دل پر پڑے گا اوراس طرح ان کی روحوں کی مثال ایسی ہوجائے گی کہ چند صاف شفاف آئینے ایک دوسرے کے آمنے سامنے رکھ دیئے گئے ہیں اوران پر سورج کی آزاد کرنیں پڑ رہی ہیں، جس طرح اس وقت ان آئینوں کا حال ہوتا ہے کہ ہر ایک دوسرے کواپنے عکس سے منور کردیتا ہے یہی حال جماعت میں شریک ہونے والی روحوں کا ہوتا ہے۔

صبح کی جماعت میں تو یہ کیفیت اور بھی پورے شباب پر ہوگی، کیونکہ آرام وچین کی نیند دماغ کوسکون بخش دیتی ہے، دل اس وقت نسبتًا بہت زیادہ پرسکون اور افکار کے گرد وغبار سے پاک ہوتا ہےاور شاید یہی وجہ ہے کہ اس کی جماعت کا ثواب یہ بتایا گیا ہے کہ پوری رات کی عبادت کے برابر ہے۔

دین سے دنیا کی اصلاح

جو کچھ عرض کیا گیا اس کی روشنی میں غور کیجئے کہ ان کیفیتوں کے حصول کے وقت ایک کا دوسرے سے بغل گیر ہونا کس قدر اثر انداز ہوسکتا ہے دنیاوی اعتبار سے بھی اور دینی نقطہ نظر سے بھی، اتحاد وارتباط جسمانی اور روحانی دونوں کائنات کے لئے مفید ثابت ہوگا اور ان کیفیات کے استحضار کے ساتھ جو بھی اجتماع ہوگا، کیا ان میں یہ احساس تازہ نہ ہوگا کہ جس طرح ہم ایک گھر میں ایک ضابطہ کے تحت صرف ایک ذات کی خوشنودی کے لئے جمع

ہوتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ دنیاوی زندگی میں ہماری لائنیں مختلف ہیں، اور جس طرح یہاں ہم مل کر اپنے ایک بڑے دشمن شیطانِ رجیم کو رسوا کر ڈالتے ہیں اسی طرح زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی متحد ہو کر اپنے دشمنوں پر غالب آسکتے ہیں۔

اسلامی مساوات

صرف یہی نہیں بلکہ ایک امام کی ماتحتی ان کے دلوں پر یہ نقش چھوڑے گی کہ دنیاوی زندگی میں بھی ہمارا امام ایک ہی ہونا چاہئے۔

ایک گھر میں ایک مصلے پر بلا امتیاز ہر ایک کا دوسرے کے بغل گیر ہونا اور ایک سیدھ میں کھڑا ہونا، ان میں مساوات کی وہ روح پیدا کرے گا جو لاکھوں کانفرنسوں سے ممکن نہیں، یہاں شاہ و گدا، امیر و فقیر، منصب دار اور غیر منصب دار، ذات پات، نسل و نسب اور رنگ و روپ کا کوئی سوال نہیں ہوتا، کسی کی کوئی جگہ متعین نہیں، یہاں اگر کسی درجہ میں معیارِ فضیلت ہے تو زہد و تقوی، خدا شناسی اور خدا ترسی، علم و فضل اور اسی طرح کی کوئی اور چیز بلکہ نظم جماعت میں تو ان چیزوں کو بھی دخل نہیں ہے سوائے علم و فضل کے کہ ان کا بعض امور میں لحاظ ہوتا ہے۔

بغض و حسد کی روک تھام

اور پھر اس نظم جماعت سے خود بخود الفت و محبت کے رشتے استوار ہوتے ہیں، نفاق و خصومت، حسد و بغض، عداوت و نفرت اور اس طرح کی ساری نقصان دہ اور ضرر رساں باتوں کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتا ہے، قرآن پاک نے بھی نماز کے اس وصف کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

وَاتَّقُوهُ وَاَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا. (الروم: ۳۱، ۳۲)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو، اور ان لوگوں کے ساتھ شامل نہ رہو جو شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، وہ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرلیا اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

محبت والفت

رات دن کی باہم ملاقاتیں خاص کیفیت کے ساتھ ہوں گی تو جہاں محبت والفت اور مساوات کا جذبہ راسخ ہوگا وہاں دردمندی وغمخواری بھی اپنی جگہ پیدا کرلے گی، ایک دوسرے کو بُرے اور پھٹے حال میں جب دیکھے گا تو طبعی طور پر ہمدردی، حسن سلوک اور نیک برتاؤ کا جذبہ ابھرے گا اور اجتماعی جذبہ ان کو سب کچھ کرنے پر مجبور کرے گا، یہ اور اس طرح کے بیسیوں فائدے خود بخود مترتب ہوں گے مسجد کے اس نظم جماعت کے مصالح وحِکَم اگر استقصاء سے قلم بند کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب صرف اسی عنوان پر ترتیب دی جاسکتی ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت

بہر حال انہی حکمتوں اور مصلحتوں کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نظم جماعت بہت محبوب تھا اور اپنی اخیر ساعتِ عمر تک اس سے آپ نے والہانہ محبت فرمائی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ دوشنبہ کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے اور لوگ صف بستہ پیچھے کھڑے تھے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری بیماری میں کمزوری کی وجہ سے گھر میں آرام فرماتے تھے، آپ اپنے بسترہ سے اٹھ کر دروازہ پر تشریف لائے اور پردہ اٹھا کر جماعت کو دیکھنے لگے جو مسجد میں مشغولِ نماز تھے، آپ یہ دیکھ کر خوشی سے مسکرا اُٹھے۔ (۱)

(۱) صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب: أهل العلم والفضل أحق بالإمامة، ج ا ص ١٣٦، رقم الحديث: ٦٨٠/ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر من مرض، ج ا ص ٣١٥، رقم الحديث: ٤١٩

جانتے ہیں آپ کی یہ مسرت کیوں تھی؟ محض اس وجہ سے کہ آپ نے صحابہ کرام کو دیکھا نماز باجماعت ادا کررہے ہیں، ہر ایک امام کی پوری پوری پیروی کرتا ہے اوراس طرح یہ اپنی شریعت پر قائم، آپس میں متحداوران کے دل ملے ہوئے ہیں۔

جامع مسجدوں کا نظام

یہ پنج وقتہ جماعتوں کا حال ہے جومحلّہ میں اشاعتِ دین، انضباط، اتحاداور بے شمار دینی وسیاسی منافع کا باعث ہوتی ہیں، باقی شہروں اور بڑی آبادی کے مختلف محلوں میں اشاعتِ دین وغیرہ کا مسئلہ، تو اس کے لئے شریعت نے جامع مسجدوں کا نظام قائم کیا ہے اوراس کوٹھوس بنیاد پر قائم کردیا ہے کیونکہ ہر دن تمام محلوں کا یکجا ہونا دقت وپریشانی اورحرج سے خالی نہ تھا اور ہفتہ بھر میں ایک ہی باراس طرح کا اجتماع اپنی مخصوص خوبیوں کی بناء پر مناسب بھی تھا۔

ہرجگہ جمعہ کی ایک ہی جماعت عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہ میں

چونکہ جامع مسجدوں سے گرانقدر فوائد متعلق ہیں اس لئے شریعت نے اس مسئلہ کو واضح کردیا ہے کہ ایک شہر یا قصبہ میں ایک ہی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی جانی چاہئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اورخلفاء راشدین کے زمانہ میں یہی رائج تھا، ایک شہر کی متعدد مسجدوں میں جمعہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی تھی، صاحبِ مبسوط جوخود بھی عدم جوازِ تعدد جمعہ کی طرف مائل ہیں، لکھتے ہیں:

أَنَّ فِی زَمَنِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْخُلَفَاءِ بَعْدَهُ فُتِحَتْ الْأَمْصَارُ وَلَمْ يَتَّخِذْ أَحَدٌ مِنْهُمْ فِی كُلِّ مِصْرٍ أَكْثَرَ مِنْ مَسْجِدٍ وَاحِدٍ لِإِقَامَةِ الْجُمُعَةِ وَلَوْ جَازَ إِقَامَتُهَا فِی مَوْضِعَيْنِ جَازَ فِی أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَيُؤَدِّی إِلَى الْقَوْلِ بِأَنْ يُّصَلِّیَ أَهْلُ كُلِّ مَسْجِدٍ فِی مَسْجِدِهِمْ، وَأَحَدٌ لا يَقُولُ بِذٰلِكَ،

وَفِی تَجْوِیزِ إِقَامَةِ الْجُمُعَةِ فِی مَوْضِعَیْنِ فِی مِصْرٍ وَّاحِدٍ تَقْلِیلُ الْجَمَاعَةِ وَإِقَامَةُ الْجُمُعَةِ مِنْ أَعْلَامِ الدِّیْنِ فَلَا یَجُوزُ الْقَوْلُ بِمَا یُؤَدِّی إِلَی تَقْلِیلِهَا. ❶

بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کے زمانہ میں بہت سے شہر فتح ہوئے، مگر ان میں سے کسی نے بھی ایک شہر میں ایک جامع مسجد سے زیادہ نہ بنائی، اگر اقامتِ جمعہ ایک شہر میں دو جگہ جائز ہوتا تو دو سے زیادہ جگہوں میں بھی جائز ہوگا اور بالآخر یہ بات یہاں تک پہنچے گی کہ ہر ہر مسجد والے اپنی ہی مسجد میں نماز جمعہ ادا کریں حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے، اور ایک شہر میں دو مسجدوں کے اندر نماز جمعہ جائز قرار دینا جماعت کی قلت کا باعث ہوگا، حالانکہ اقامتِ جمعہ دین کی نشانیوں میں سے ہے، لہذا ایسی بات کا قائل ہونا جائز نہ ہوگا جو اس کی تقلیلِ جماعت کا باعث ہو۔

انہوں نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ تعددِ جمعہ کی شکل میں اقامتِ جمعہ کا مقصد اصلی فوت ہو جائے گا، کیونکہ جماعت میں انتشار پیدا ہو کر قلت پیدا ہو جائے گی حالانکہ یہ دن شریعت نے اس لئے مخصوص کیا ہے کہ ہفتہ میں ایک بڑی جماعت جس میں سارا شہر شریک ہو، شعارِ دین کا عظیم الشان مظاہرہ کرے اور دینی و دنیاوی فوائد سے متمتع ہو۔ خیر القرون بلکہ قرونِ ثلاثہ تک تعدد جمعہ کا پتہ نہیں چلتا۔ ❷

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جو تیسری صدی ہجری کے ہیں، انہوں نے اپنے زمانہ میں تعددِ جمعہ کا انکار فرمایا ہے:

ذکر الأثرم من أحمد أنه قال لا أعلم بلدا من بلاد المسلمین أقیمت فیه الجمعتان إذا تقرر هذا وأحمد من القرن الثالث ظهر أن خیر

❶ المبسوط للسرخسي: كتاب الصلاة، باب الجمعة، ج۲ ص ۱۲۱

❷ إصلاح المساجد للقاسمی: ص ۵۸/ تاریخ بغداد: مقدمة المصنف، ذكر تسمية مساجد الجانبين المخصوصة بصلاة الجمعة والعيدين، ج ۱ ص ۱۲۳

القرون لم یقع فی زمانھم التعدد. ❶

اثرم نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ مسلمان شہروں میں سے کسی شہر میں بھی دو جمعے قائم کئے گئے ہوں۔ یہ جب ثابت ہو چکا اور یہ بھی معلوم ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ تیسری صدی کے ہیں، پس معلوم ہوا کہ خیر القرون میں تعدد جمعہ واقع نہیں ہوا۔

ائمہ اربعہ عدم تعددِ جمعہ کے حق میں

اکثر علماء احناف اور دوسرے ائمہ کا قول بھی اسی کی تائید میں ہے کہ تعددِ جمعہ نہ ہونا چاہئے، بعض تو بالکل ناجائز کہتے ہیں اور بعض اولی اور احوط کے خلاف قرار دیتے ہیں، امام اعظم رحمہ اللہ سے ایک روایت جواز کی اور دوسری عدم جواز کی ہے، عدم جواز والی ہی روایت کو علمائے احناف میں امام طحاوی، امام تمرتاشی اور صاحب مختار نے راجح قرار دیا ہے، ائمہ میں امام شافعی رحمہ اللہ عدم تعدد کے قائل ہیں، امام مالک رحمہ اللہ کی مشہور روایت بھی یہی ہے، اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی اسی کو راجح قرار دیتے ہیں، امام سُبکی شافعی رحمہ اللہ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ کسی بھی صحابی یا تابعی سے ایک شہر میں تعددِ جمعہ ثابت نہیں۔ ❷

مروّجہ تعددِ جمعہ

تمام روایتوں پر پوری بصیرت کے ساتھ غور کرنے کے بعد فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ ایک شہر میں (اگر اس میں دریا یا بڑی نہر نہیں ہے تو) صرف ایک ہی مسجد میں جمعہ بڑی حد تک ضروری ہے، اور اگر ایسا دریا شہر میں ہے جو اِدھر سے اُدھر ہونے میں مانع ہے یا اتنی بڑی آبادی ہے جہاں ایک مسجد میں نہ گنجائش ہو سکتی ہے اور نہ آنا آسان ہے تو دو جگہ نماز

---

❶ مجموعة الفتاوی للکھنوی: کتاب الصلاة، ج ۱ ص ۲۶۰

❷ مجموعة الفتاوی للکھنوی: کتاب الصلاة، ج ۱ ص ۲۶۳

جمعہ پڑھی جاسکتی ہے، باقی آج کل جیسا تعدد جمعہ مروج ہے وہ کسی درجہ میں بھی اصولِ شریعت کے قریب نہیں، مروجہ تعدد جمعہ کے جواز کی بحث میں دخل انداز ہونے کی چاہے گنجائش نہ ہومگر اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ یہ طریقہ اقامتِ جمعہ کے بنیادی منشا اوراس کی روح کے خلاف ہے۔

اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں کہ جمعہ کے دن معذورین (مسافر، مریض وغیرہ) کا مصر میں ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے، اس کی وجہ علماء نے جولکھی ہے وہ یہ ہے کہ جماعتِ جمعہ میں اختلال کا اندیشہ ہے، مولانا بحرالعلوم رحمہ اللہ جوخود تعددِ جمعہ کے قائل ہیں مگر یہ بھی معذورین کی جماعت ظہر کو غیر دیہات میں مکروہ لکھتے ہیں اور وجہ کراہت جو بتاتے ہیں وہ یہ ہے:

لأن الجمعة جامعة للجماعات فی المصر ولو صلی المعذورون بالجماعة عسی أن یدخل غیرهم فیختل جماعة الجمعة. ❶

نماز جمعہ ایک شہر کی مختلف جماعتوں کو یکجا کرنے والی ہے اور معذورین باجماعت نماز پڑھیں گے تو ممکن ہے غیر معذور بھی ان کے شریک ہوجائیں پس اس طرح جماعت جمعہ میں اختلال پیدا ہوجائے گا۔

سوال یہ ہے کہ جب جماعت جمعہ کا اس قدر لحاظ ہے تو پھر خود جمعہ کی جماعت کو ٹکڑے ٹکرے کردینا کیونکر قرینِ اصول ہوسکتا ہے۔

قیامت کی یاد

جب اتنی بات سمجھ آگئی تو اب جامع مسجدوں کے نظام پر غور فرمائیں کہ کیونکر ہفتہ میں ایک مخصوص دن ایک وقت میں ہر ہر جگہ کے مسلمان اپنی اپنی جامع مسجد میں یکجا ہوں گے اور اللہ تعالی کی بندگی پوری شان وشکوہ کے ساتھ ادا کریں گے اور پھر اس اجتماع کو کیا

❶ رسائل الأرکان: ص ۱۱۸

حیثیت حاصل ہوگی۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ اجتماعِ جمعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بلاشبہ جمعہ لوگوں کے جمع ہونے اور ان کو مبدأ ومعاد یاد دلانے کا دن ہے، اللہ تعالی نے ہر امت کے لئے ہفتہ میں ایک دن بنایا ہے جس میں وہ عبادت کے لئے ہر کام سے علیحدہ ہوتے ہیں اور جمع ہو کر مبدأ ومعاد اور ثواب وعقاب کو یاد کرتے ہیں اور اس اجتماع سے اس بڑے اجتماع کی یاد تازہ کرتے ہیں جو پروردگارِ عالم کے روبرو ہوگا، اور یہ مسلّم ہے کہ اس مقصد کے لئے دنوں میں وہ دن مناسب تھا جس میں ساری مخلوق جمع کی جائے گی اور وہ جمعہ کا دن ہے، لہذا اللہ تعالی نے اس دن کی فضیلت وشرافت کے پیش نظر اس امت کے لئے اسی دن کو یہ فخر عطا کیا اور اپنی بندگی کے لئے اس دن میں ان کا اجتماع مشروع فرمایا اور اسی کو اس کی شرافت کی وجہ سے مقدر فرمایا، پس یہ دن شرعی طور پر دنیا میں جمع ہونے کا دن ہے اور قدر ومنزلت کے لحاظ سے آخرت میں۔ ❶

قیامت کے دن حشر میں جو اجتماع ہوگا وہ بھی جمعہ ہی کا دن ہوگا، اسی لئے یقینی طور پر مردِ مؤمن کا ذہن جمعہ کے اجتماع سے بڑے دن کے اجتماع کی طرف جائے گا اور پھر ساتھ ہی وہ سارے حالات جو میدانِ حشر میں پیش آنے والے ہیں ایک ایک یاد آئیں گے اور اپنے اعمال واخلاق کا نقشہ تھوڑی دیر کے لئے آنکھوں میں پھر جائے گا اور اس سے یقینی طور پر قلب مؤمن متاثر ہوگا۔

نمازِ جمعہ میں سورہ جمعہ اور منافقین پڑھنے کی حکمت

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم شاید اسی وجہ سے کبھی کبھی نمازِ جمعہ میں سورہ جمعہ تلاوت فرماتے تھے جس میں نماز جمعہ کے لئے تاکیدی حکم ہے، سعی الی الجمعہ کا وجوب ہے اور ان

❶ زاد المعاد في هدي العباد: فصل في هديه صلى الله عليه وسلم في العبادات، فصل فى بيان اختلاف الناس في ساعة الإجابة، ج ا ص ۴۰۷

تمام امور کے ترک کا حکم ہے جو نماز جمعہ اور اجتماعِ جمعہ کی شرکت سے مانع ہو سکتے ہیں، پھر ذکر اللہ کی کثرت پر بھی زور دیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالی کی یاد سے غافل ہونا باعثِ ہلاکت ہے، اور آپ دوسری رکعت میں سورہ منافقون پڑھتے تھے جس سے غالبًا آپ کا منشا یہ تھا کہ امت کو نفاق سے ڈرائیں جو دینی و دنیاوی تباہی و بربادی کا سرچشمہ ہے۔ نیز امت کو اس بات پر متنبہ کرنا مقصود تھا کہ مال، اولاد اور دنیا کی لالچ تم کو نماز جمعہ اور اللہ کی یاد سے خبردار کہیں روک نہ دے، اور آخر میں موت کی یاد تازہ کرا کے اصل مقصد کی طرف متوجہ کرنا اور اس کے موانع سے ہوشیار کرنا تھا کہ جو کچھ کرنا ہے یہیں کرلو وہاں اس کا موقع نہیں ہے، بعد موت ساری تمنا اور آرزو بے سود ہوگی۔ ❶

پورا شہر ایک امام کے پیچھے

پھر اس ہفتہ وار اجتماع میں پنج وقتہ جماعت کے فائدوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ چند مسجدوں کی جماعتیں ایک مسجد میں سمٹ آتی ہیں اور سب کے سب صرف ایک امام کی پیروی کرتے ہیں، گویا یہ امام پورے شہر کا امام ہوتا ہے اور آج اس کی ہر حرکت وسکون کی پوری پوری مطابقت کی جاتی ہے، یہ امام اس دن ایک بلیغ خطبہ دیتا ہے جس میں حمد وثناء کے بعد قرآن واحادیث پاک کی روشنی میں فرائض اور ذمہ داریوں کی یاد دہانی کی جاتی ہے، امام شہر کی سیاسی ودینی رہنمائی کرتا ہے اور ہفتہ بھر کے نشیب وفراز سے آگاہ کرتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا تذکرہ کرتا ہے، اور خیر القرون کی یاد تازہ کراتا ہے اور اس طرح اس دور کے احیاء کے لئے اُبھارتا ہے۔

تبلیغ واشاعت کی اہمیت

یہی وجہ ہے کہ خطبہ کا سننا واجب قرار دیا گیا ہے، امام جہاں خطبہ دینے کی نیت سے

❶ زاد المعاد في هدي العباد: فصل في هديه صلى الله عليه وسلم في العبادات، فصل في بيان اختلاف الناس في ساعة الإجابة، ج ١ ص ٤٠٩

نکلا دنیا کی ساری باتیں باعثِ گناہ ہوگئیں، جن امور کی اجازت تھی وہ بھی شرعی طور پر اب باقی نہیں رہی، کوئی بھی کچھ بول نہیں سکتا حتی کہ نفل وسنت پڑھنے کی بھی گنجائش باقی نہیں رہتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِکَ یَوْمَ الجُمُعَةِ: أَنْصِتْ وَ الْإِمَامُ یَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ. ❶

اگر امام کے خطبہ دیتے وقت تو نے اپنے کسی بھائی سے یہ کہا کہ چپ رہو تو یہ بھی تو نے ایک لغو کام کیا۔

اندازِ خطابت

گویا امام کے سوا کسی اور کو یہ حق نہیں کہ کچھ بولے یا امر بالمعروف کرے، یہ ساری چیزیں صرف امام ہی کے لئے اس وقت مخصوص ہوتی ہیں، خطیب قوم کا بہترین شخص ہوگا، اس پر اثنائے خطبہ میں ایسی کیفیت طاری ہو کہ اس کی زبان سے جو بات نکلے اثر میں ڈوبی ہوئی ہو، تاکہ قوم کے قلب وجگر پر تیر کی طرح وہ بات لگتی چلی جائے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ خطابت اس دن اسی انداز کا ہوتا تھا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَیْنَاہُ، وَعَلَا صَوْتُہُ، وَاشْتَدَّ غَضَبُہُ، حَتّٰی کَأَنَّہُ مُنْذِرُ جَیْشٍ یَقُولُ: صَبَّحَکُمْ وَمَسَّاکُمْ وَیَقُولُ: بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ کَھَاتَیْنِ، وَیَقْرُنُ بَیْنَ إِصْبَعَیْہِ اَلسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰی. ❷

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو آنکھیں سرخ ہوجاتیں اور آواز بلند

❶ صحیح البخاري: کتاب الجمعة، باب الإنصات یوم الجمعة والإمام یخطب، ج ۲ ص ۱۳، رقم الحدیث: ۹۳۴ ❷ صحیح مسلم: کتاب صلاة المسافرین وقصرھا، باب تخفیف الصلاة والخطبة، ج ۲ ص ۵۹۲، رقم الحدیث: ۸۶۷

اور لب ولہجہ میں شدت پیدا ہو جاتی، معلوم ہوتا آپ کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ وہ لشکر اب صبح وشام میں ٹوٹ پڑنے والا ہے، اور فرماتے کہ قیامت اور میرے درمیان بس اتنا فرق ہے جتنا شہادت اور درمیانی انگلی کے درمیان۔

امام کی ظاہری ہیئت

اس دن امام کی ظاہری ہیئت بھی ذرا عمدہ اور نمایاں ہونی چاہئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کتبِ حدیث میں اس طرح کی باتیں ملتی ہیں، حضرت عمرو بن حریث کا بیان ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ قَدْ أَرْخَى طَرَفَيْهَا بَيْنَ كَتِفَيْهِ. ❶

جمعہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ عمامہ باندھ کر خطبہ ارشاد فرماتے جس کے دونوں کنارے آپ کے شانوں کے درمیان لٹکتے ہوتے۔

سامعین کا لحاظ

جمعہ کے دن جو مستحبات ومسنونات ہیں ان کو سامنے رکھ لیجئے تو اجتماع کی شان وشوکت اور بھی نمایاں ہوگی، غسل، مسواک، خوشبوحتی المقدور، اچھا لباس وغیرہ وغیرہ، پھر امام کو ہدایت ہے کہ خطبہ ایسا دے کہ سامعین پورے کیف ونشاط کے ساتھ سنیں، ان کے جوش وانبساط میں کوئی فرق نہ آئے، ارشادِ نبوی ہے:

إِنَّ طُولَ صَلَاةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهِ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهِ، فَأَطِيلُوا الصَّلَاةَ، وَاقْصُرُوا الْخُطْبَةَ، وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا. ❷

❶ صحيح مسلم: كتاب الحج، باب جواز دخول مكة بغير إحرام، ج٢ ص٢٩٠، رقم الحديث: ١٣٥٩ ❷ صحيح مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب تخفيف الصلاة والخطبة، ج٢ ص٥٩٤، رقم الحديث: ٨٦٩

مردمؤمن کی لمبی نماز اور مختصر خطبہ اس کے فقیہ ہونے کی علامت ہے، پس نماز لمبی کرو اور خطبہ مختصر اور بلاشبہ بعض بیان جادو ہیں۔

اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ضرورت کے وقت بھی اختصار سے کام لیا جائے جس سے ضرورت پوری نہ ہو سکے بلکہ امام کو ضرورت کے وقت اس کا اختیار ہے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور بھی یہی تھا، کبھی خطبہ کو طول دیتے اور کبھی اختصار سے کام لیتے، جیسی ضرورت محسوس فرماتے۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَكَانَ يُقَصِّرُ خُطُبَتَهُ أَحْيَانًا وَيُطِيلُهَا أَحْيَانًا بِحَسْبِ حَاجَةِ النَّاسِ. ❶

جیسی لوگوں کی ضرورت ہوتی اسی کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے کبھی مختصر اور کبھی لمبا۔

امام کی توجہ

خطبہ میں اس کا بھی لحاظ رہے کہ امام خطبہ دیتے ہوئے کھڑا رہے، اور اس کا رخ قوم کی طرف ہو تاکہ امام کی طرف قوم کا رجحان باقی رہے اور اس کی باتیں قوم کو متاثر کر سکیں، سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا:

وَكَانَ يَخْطُبُ قَائِمًا إِذَا صَعِدَ الْمِنبَرَ أَقْبَلَ بِوَجْهِهِ عَلَى النَّاسِ. ❷

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے اور منبر پر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے۔

اس طرف اشارہ گزر چکا ہے کہ امام (خطیب) محض اپنے جسم ہی سے قوم کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ اس کو دلی اور روحانی توجہ بھی قوم پر رکھنی چاہیئے۔

❶ زاد المعاد في هدي العباد: فصل في هديه صلى الله عليه وسلم في خطبته، ج ۱ ص ۱۸۴ ❷ زاد المعاد في هدي العباد: فصل في هديه صلى الله عليه وسلم في خطبته، ج ۱ ص ۱۷۹

قبولیت دعا کی گھڑی

جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی ہے جس میں دعائیں خصوصیت سے مقبول بارگاہ ہوتی ہیں، حدیث کے الفاظ تو بتاتے ہیں کہ دعا ضرور قبول ہوتی ہے اس گھڑی میں مؤمن کی دعا رد نہیں کی جاتی، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ جمعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فِيهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي، يَسْأَلُ اللَّهَ تَعَالَى شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ وَأَشَارَ بِيَدِهِ يُقَلِّلُهَا. ❶

جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی ہے جس میں مرد مسلمان نماز پڑھے اور اپنے اللہ سے کسی چیز کی درخواست کرے تو اللہ تعالیٰ وہ چیز اسے عطا کرے گا، مگر وہ گھڑی مختصر ہوتی ہے۔

یہ ساعتِ استجابت باقی ہے یا اُٹھالی گئی؟ ہر جمعہ میں یہ ساعت آتی ہے یا کسی خاص میں؟ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں مگر جو صحیح مذہب ہے وہ یہ ہے کہ یہ ساعتِ استجابت (قبولیت کی گھڑی) باقی ہے اور ہر جمعہ میں آتی ہے، یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ وہ کون سی گھڑی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''فتح الباری'' میں اس باب میں بیالیس اقوال نقل کئے ہیں اور پھر ہر ایک قول کا ماخذ اور اس کی دلیل بھی لکھی ہے، مگر راجح یہی ہے کہ اس قبولیت کی گھڑی کو چھپا لیا گیا ہے، کوئی خاص گھڑی متعین نہیں ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ بندہ اس گھڑی کی تلاش و جستجو میں ہمیشہ ہر جمعہ کو پورے دن رغبت سے عبادت میں مصروف رہے۔ ❷

---

❶ صحيح البخاري: كتاب الجمعة، باب الساعة التي في يوم الجمعة، ج۲ ص۱۳، رقم الحديث: ۹۳۵/ صحيح مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الساعة التي في يوم الجمعة، ج۲ ص۵۸۳، رقم الحديث: ۸۵۲ ❷ فتح البارى: كتاب الجمعة، باب الساعة التى فى يوم الجمعة، ج۲ ص۴۱۶ تا ۴۲۰

نماز جمعہ کی تاکید

انہی خصوصیات کی وجہ سے نماز جمعہ کی سخت تاکید ہے اور باجماعت نماز کا حکم ہے، جمعہ کی انفرادی نماز سرے سے جائز ہی نہیں ہے، البتہ جو لوگ معذور ومجبور ہیں وہ بجائے جمعہ ظہر کی نماز پڑھ سکتے ہیں، قرآن میں اس نام سے ایک مستقل سورت موجود ہے، اس میں یہ آیت بھی آئی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ. (الجمعة: ٩)

ترجمہ: اے ایمان والو! جمعہ کے دن جب اس کی نماز کے لئے تم کو پکارا جائے تو اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔

حدیث میں مختلف پیرایہ سے اس کی اہمیت ذہن نشین کی گئی ہے یہاں صرف چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں:

اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةً: عَبْدٌ مَمْلُوكٌ أَوِ امْرَأَةٌ أَوْ صَبِيٌّ أَوْ مَرِيضٌ. ❶

ہر مسلمان مرد پر جمعہ کی جماعت ایک ضروری حق ہے، البتہ چار پر نہیں، غلام، عورت، بچہ اور بیمار۔

ترکِ جمعہ وجماعت کی وعید بیان فرمائی گئی ہے، حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

سَمِعَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ عَلَى أَعْوَادِ مِنْبَرِهِ: لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُونُنَّ

---

❶ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب الجمعة للمملوك والمرأة...... ج ١ ص ٢٨٠، رقم الحديث: ١٠٦٧

مِنَ الْغَافِلِينَ. ❶

ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ یا تو لوگ جمعوں کے ترک سے باز آئیں گے یا پھر اللہ تعالی ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر البتہ وہ غافلوں میں ہو جائیں گے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے جو ابو داود میں ہے کہ جو شخص سُستی کی وجہ سے تین جمعہ ترک کر دیتا ہے اللہ تعالی اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ ❷

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے انہی حدیثوں کے پیش نظر لکھا ہے کہ جمعہ کی نماز فرائضِ اسلام میں مؤکد تر ہے اور اس کا اجتماع عظیم الشان اجتماع ہوتا ہے، اتنا عظیم الشان کہ عرفہ کے بعد فرض اجتماع یہ ہی ہے، جو اس کی شرکت محض اپنی سستی و دنیا طلبی کی وجہ سے ترک کرے گا اللہ تعالی اس کے دل پر غفلت کی مہر لگا دیں گے، اس کا رتبہ اعلی ہے اور اتنا اعلی کہ قیامت کے دن اللہ تعالی کی قربت اور سب سے اول اس کا دیدار ان لوگوں کو نصیب ہوگا جو جمعہ کے دن امام کے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور سویرے جامع مسجد حاضر ہوتے ہیں۔ ❸

یہ سب تاکید اسی لئے ہے کہ جامع مسجدوں کا قدرتی نظام ہمیشہ مضبوط بنیاد پر قائم رہے، اور ان کے اجتماعوں سے جو بھی دینی و دنیاوی فائدے ہو سکتے ہیں، فرزندانِ توحید اس سے پورے طور پر مستفید ہوتے رہیں اور غفلت، کاہلی اور بے رغبتی وغیرہ ان میں اثر پذیر نہ ہو سکے۔

---

❶ صحیح مسلم: کتاب الجمعة: باب التغليظ في ترک الجمعة، ج۲ ص ۵۹۱، رقم الحديث: ۸۶۵ ❷ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب التشديد في ترک الجماعة، ج ۱ ص ۲۷۷، رقم الحديث: ۱۰۵۲

❸ زاد المعاد في هدي خير العباد: فصول فی هدیه صلى الله عليه وسلم في العبادات، فصل في خواص يوم الجمعة وهي ثلاث وثلاثون، ج ۱ ص ۲۶۵

ایک عام فائدہ

شروع میں عرض کر آیا ہوں کہ جمعہ کے اجتماع میں شہر کے ہر طبقہ کے لوگ شریک ہوتے ہیں، علماء، صوفیاء، رؤساء، تجار، غرباء، فقراء، مختصر یہ کہ ہر شعبہ زندگی کے تقریباً ماہرین ہوتے ہیں، ہر ایک دوسرے کو عبرت و بصیرت کی نظر سے دیکھیں گے، کسی کو تعلیم اور علوم و فنون کی اشاعت کی فکر ہوگی، کسی کو تزکیہ قلوب اور روحانی اصلاح کی ضرورت محسوس ہوگی، کوئی مسلمانوں کی اقتصادی اور معاشرتی زندگی کا جائزہ لے گا، کوئی پست خیال افراد کی ترقی کی اسکیم بنائے گا اور کچھ لوگوں میں کسبِ حلال کی اُمنگ پیدا ہوگی، گویا یہ سارے طبقے مل کر ہر ہفتہ اور کچھ نہیں تو مسلمانوں کی اصلاح کا احساس تو ضرور ہی اپنے اندر پیدا کر دیں گے اور ہر قلب پر ایک چوٹ سی لگے گی۔

مسجدوں کا ایک اور نظام عیدگاہ کے نام سے

اس ہفتہ وار اجتماع کے علاوہ سال میں دو مخصوص اجتماع اور بھی ہوا کرتے ہیں، ایک کو عیدالفطر کہتے ہیں اور دوسرا عیدالاضحیٰ کے نام سے موسوم ہے، ان کا نظام عیدگاہ کے نام سے قائم ہے، اس کو مسجدوں سے بڑا گہرا تعلق ہے، اِسے مسجدوں کے نظام سے الگ نہیں کہا جاسکتا، عیدگاہ بہت سے شرعی احکام میں مسجد کے تابع ہے اور اس سے بڑھ کر کہ عموماً یہ اجتماع مسجد میں بھی ہوتا رہتا ہے، فرق یہ ہے کہ یہ پنج وقتہ نمازوں میں داخل نہیں بلکہ علیحدہ ہے اور سال میں یہ دو نمازیں روزانہ نماز سے زیادہ پڑھی جاتی ہیں، شریعت میں ان نمازوں کو وجوب کا درجہ حاصل ہے، اسی وجہ سے اس کے لئے نہ اذان ہوتی ہے نہ تکبیر، بقیہ شرائط تقریباً وہی ہیں جو جمعہ کے لئے ہیں۔

یہ اجتماع ہفتہ وار اجتماع کی نسبت سے ذرا شاندار ہوتا ہے، اس میں اہتمام کچھ زیادہ ہوتا ہے، اور عموماً اس کی ادائیگی بجائے مسجد کے باہر میدان میں ہوتی ہے، ایک میں

صدقہ فطر کا حکم ہے اور دوسرے میں قربانی کا، جس سے غرباء فقراء کی تھوڑی بہت امداد ہوجاتی ہے اوراس طرح وہ بھی اس مسرت میں برابر کے شریک ہوجاتے ہیں۔

ذخیرہ احادیث کو سامنے رکھ کر جب غور کیجئے تو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس موقع سے جہاں اور بہت سے فائدے اور مصالح مقصود ہیں وہاں شوکتِ اسلام اور مسلمین کا اظہار بھی ہے اور غالبًا اسی وجہ سے حکم ہے کہ ایک راستہ سے جائے اور واپسی دوسرے راستہ سے ہو بلکہ ایک میں تو بآواز بلند تکبیر کا بھی حکم ہے۔

کتب حدیث میں یہ واقعہ بھی مندرج ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے موقع پر عورتوں کے اجتماع کا بھی حکم دیا ہے حتی کہ ان عورتوں کو بھی نکلنے کا حکم ہے جو نماز نہیں پڑھ سکتی ہیں۔ ❶

اس کی وجہ بعض علماء یہی بتاتے ہیں کہ شروع اسلام میں اس سے بڑی حد تک اظہارِ شان وشوکت تھی اور اب چونکہ یہ ضرورت اس پیمانہ پر باقی نہیں رہی اس لئے عورتوں کا اجتماع ناپسند کیا جاتا ہے، اور بعض لوگ تو اب بھی اس موقع پر خروجِ نساء کے قائل ہیں، تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

اجتماع عیدین کی اہمیت

ان اجتماعِ عیدین سے بھی خیر القرون میں کام لیا گیا ہے اور آج بھی ان سے کام لیا جاسکتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ ہم دین کی ان حکمتوں سے واقف نہیں اور یہ کہ اس اجتماع سے ایک بڑی کانفرنس کا کام لیا جاسکتا ہے، دین کی باتوں کی اشاعت بسہولت ہوسکتی ہے، بہت سے ان مسلمانوں کو جو دین سے ناآشنا ہیں، انہیں دین کی تعلیم دی جاسکتی ہے۔

بہرحال آج ہم اپنی غفلتوں کی وجہ سے جو بھی کریں مگر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے

❶ صحيح مسلم: كتاب صلاة العيدين، باب ذكر إباحة خروج النساء في العيدين إلى المصلى، ج ٢ ص ٦٠٥، رقم الحديث: ٨٩٠

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اجتماع دینی سے بڑا کام لیا، تبلیغ و اشاعت میں ان سے آپ کو بڑی مدد ملی ہے، جہاد جیسا اہم کام بھی اس موقع سے آپ نے انجام دیا ہے بلکہ حدیث میں اس کا کچھ خصوصیت سے ذکر ملتا ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى إِلَى الْمُصَلَّى، فَأَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَأُ بِهِ الصَّلَاةُ، ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُومُ مُقَابِلَ النَّاسِ، وَالنَّاسُ جُلُوسٌ عَلَى صُفُوفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ وَيُوصِيهِمْ وَيَأْمُرُهُمْ، فَإِنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يَقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهُ، أَوْ يَأْمُرَ بِشَيْءٍ أَمَرَ بِهِ، ثُمَّ يَنْصَرِفُ. ❶

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں عیدگاہ تشریف لاتے، سب سے پہلے نماز ادا فرماتے، پھر فارغ ہو کر لوگوں کی طرف توجہ فرماتے اور لوگ اپنی جگہ بیٹھے ہوتے ان کو نصیحت فرماتے اور تاکیدی حکم دیتے، اگر لشکرِ اسلام کی روانگی کا ارادہ ہوتا تو اس کو روانہ فرماتے، یا کسی ضروری کام کا انجام دینا ضروری ہوتا تو اس کے متعلق حکم نافذ فرماتے، پھر واپس ہوتے۔

ملکی اور دینی کام

یہ حدیث کتنی واضح ہے، الفاظِ حدیث میں اس اجتماع کے مہتم بالشان ہونے پر کس قدر زور معلوم ہوتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا عظیم الشان مصرف لیا، مجاہدین کی روانگی کا کام کوئی معمولی کام نہیں ہے، کاش اس سے ہم سبق حاصل کریں اور ملکی یا دینی جس طرح کا کام درپیش آئے اس سے مدد لیں، اس وجہ سے اور بھی کہ اس طرح کا اجتماع آج کل آسان کام نہیں اور غالبًا اسی حکمت کے پیشِ نظر عید کا خطبہ نماز کے بعد رکھا گیا ہے کہ باطمینان تبلیغ واشاعت دین کا کام انجام پا سکے بخلاف جمعہ کے کہ وہ نسبتاً جلد جلد ہوتا ہے،

❶ صحيح البخاري: كتاب الجمعة، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، ج ٢ ص ١٧، رقم الحديث: ٩٥٦

خطبہ نماز سے پہلے رکھا گیا ہے بلا شبہ یہ بھی بات ہے کہ جمعہ کے بعد نوافل وسنن ہیں جو عید کے بعد نہیں ہیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يُصَلُّونَ الْعِيدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ. ❶

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے ادا فرماتے۔

اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو بھی نصیحت فرماتے اور انہیں بھی ان کے فرائض یاد دلاتے تھے، حدیث میں یہ واقعہ مصرح ہے، ملاحظہ ہو:

ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ، فَرَأَيْتُهُنَّ يَهْوِينَ إِلَى آذَانِهِنَّ وَحُلُوقِهِنَّ يَدْفَعْنَ إِلَى بِلَالٍ، ثُمَّ ارْتَفَعَ هُوَ وَبِلَالٌ إِلَى بَيْتِهِ. ❷

(مردوں سے فارغ ہوکر) آپ عورتوں کے مجمع میں تشریف لاتے اور ان کو وعظ ونصیحت فرماتے اور صدقہ دینے کی تلقین فرماتے، راوی کا بیان ہے کہ میں عورتوں کو دیکھتا تھا کہ اپنے کانوں اور گردنوں کے زیورات پر جھک پڑتی تھیں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حوالے کرتی تھیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف لاتے۔

مسجد حرام کا اجتماع

عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر دنیائے اسلام کا عظیم الشان اور بے مثال اجتماع ہوتا ہے اور وہاں ہوتا ہے جو آنحضرت کا مولد ہے، جو مقام ابتدائے بنی آدم سے مرجع خاص وعام ہے،

❶ صحيح البخاري: كتاب الجمعة، باب الخطبة بعد العيد، ج۲ ص۱۸، رقم الحديث: ۹۶۲/ صحيح مسلم: كتاب صلاة العيدين، ج۲ ص۶۰۵، رقم الحديث: ۸۸۸ ❷ صحيح البخاري: كتاب النكاح، باب: والذين لم يبلغوا الحلم منكم، ج۷ ص۴۰، رقم الحديث: ۵۲۴۹

جو عرشِ الٰہی کا سایہ اور اس کی رحمتوں کا قدیم مرکز ہے اور جس کو ’’سرۃ الأرض ‘‘ (زمین کی ناف) کی حیثیت حاصل ہے، یہ دنیائے اسلام کا شیرازہ ہے جس میں سارے فرزندانِ توحید بندھے ہوئے ہیں، چاہے وہ کسی گوشہ زمین کا باشندہ ہو اور جس نسل وخاندان سے بھی تعلق رکھتا ہو، اس نشاندہی سے بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ میری مراد مکہ معظّمہ یا دوسرے لفظ میں مسجد حرام سے ہے جو روئے زمین کی پہلی مسجد ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ. (آل عمران: ۹۶)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا یقینی طور پر وہ ہے جو مکہ میں واقع ہے (اور) بنانے کے وقت ہی سے برکتوں والا اور دنیا جہاں کے لوگوں کے لئے ہدایت کا سامان ہے۔

اسلامی عالمگیر کانفرنس

اسی مسجد حرام کو یہ شرف حاصل ہے کہ اول یوم سے یہ انسانوں کا مرجعِ عام رہا اور جب سے عالم میں اسلام کی نورانی کرنیں پھیلیں ہر سال یہاں اسلامی عالمگیر کانفرنس ہوتی ہے، جس میں یورپ سے لے کر پچھّم اور اُتر سے لے کر دکھن تک کے اسلامی نمائندے شریک ہوتے ہیں، اور ایک مقام اور ایک تاریخ میں جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان کرتے ہیں، اور جمع بھی ہوتے ہیں کس شان سے کہ ان سب کی سرکاری زبان ایک ہوتی ہے، سب کی ظاہری ہیئت ایک سی ہوتی ہے، سب کی آواز اور پکار بھی تقریباً ایک ہی ہوتی ہے، یہاں ملک وقوم کا سوال مٹ جاتا ہے، نسب ونسل کا بت پاش پاش ہو جاتا ہے، ایک رشتہ سارے رشتوں پر غالب ہو جاتا ہے، مختصر یہ کہ سب ایک خاندان کے افراد بن کر جمع ہوتے ہیں۔

کون سا ایسا کام ہے جو اس عظیم الشان تاریخی اجتماع سے انجام نہ پا سکے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم مجلس سے بڑا کام لیا ہے، مکی زندگی میں بھی اور مدنی دورِ

حیات میں بھی، اسی اجتماع کی برکت سے اول اول اسلام مدینہ منورہ پہنچا تھا، اور وہاں پہنچ کر پورے عالم پر چھایا تھا، آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس عالمی اجتماع سے کام لیا، سیاسی بھی اور دینی بھی، اور صحابہ کرام کے بعد بھی ہر دور میں محدثین اور علماء نے اس اجتماع سے فائدہ اٹھایا جس کی تفصیل یہاں مقصود نہیں ہے۔

اشاعت و تبلیغ کا موقعہ

آج بھی ہم اس اجتماع سے دینی اور دنیاوی فائدے حاصل کر سکتے ہیں، یہاں اشاعتِ دین کا بڑا اچھا موقع ہے، لوگ سب سے علیحدہ ہو کر صرف دین کے لئے جمع ہوتے ہیں اور سب سے کٹ کر ایک مقصد کے لئے دور دراز سے چل کر آتے ہیں، خدا کرے مسلمانوں کی سوئی ہوئی بستی جاگے اور نظام مساجد کے ان اہم شعبوں پر غور وفکر کرے، اسی مسجد حرام کے باب میں قرآن کا اعلان ہے:

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا. (البقرة: ۱۲۵)

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے ایسی جگہ بنایا جس کی طرف وہ لوٹ لوٹ کر جائیں اور جو سراپا امن ہو۔

اور اسی کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ارشادِ ربانی ہوا تھا:

وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّ عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ. (الحج: ۲۷)

ترجمہ: اور لوگوں میں حج اعلان کر دو کہ وہ تمہارے پاس پیدل آجائیں، اور دور دراز کے راستوں سے سفر کرنے والی ان اونٹنیوں پر سوار ہو کر آئیں جو (لمبے سفر سے) دُبلی ہوگئی ہوں۔

دعوتِ اجتماع

اب تک جو لکھا گیا وہ نظام اجتماع اور نظم جماعت یا ان کی افادیت پر، یہاں یہ بتانا ہے کہ اس قدرتی اجتماع کے لئے دعوت کیسے دی جاتی ہے اور شریعتِ مطہرہ نے اس کے

لئے بھی کس قدر دل نشین طریقہ مقرر کیا ہے، یہ نظام دعوت بھی اپنا ایک خاص مقام رکھتا ہے اور یہ اپنے بے شمار فائدے کے پیش نظر تفصیلی بحث کا متقاضی ہے۔

ضرورتِ اذان

نظام اجتماع میں یہ بات ہم ثابت کر چکے ہیں کہ جماعت کی نماز ہی کامل نماز کہی جاتی ہے اور قرآن پاک نے اسی نماز کا ہم سے مطالبہ کیا ہے، بلاشبہ نماز کا وقت مقرر و متعین ہے مگر وقت اتنا محدود نہیں کہ صرف اس میں وہی نماز ادا کی گئی اور وقت ختم ہو گیا، بلکہ ہر ایک نماز کا وقت کچھ نہ کچھ وسیع ہے، اس لئے اس کی ضرورت پڑی کہ کوئی ایسا ہو جو اس متعین وقت کے اس حصہ کی خبر دے جس میں جماعت ہوگی اور اس طرح دے کہ محلّہ بھر میں خبر پہنچ جائے۔

اذان کی ابتداء

چنانچہ اس مسئلہ پر پہلے پہل عہدِ رسالت میں مشورہ ہوا جس مجلسِ مشاورت میں صحابہ کرام کے علاوہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے، ہر ایک نے اپنی اپنی رائے پیش کی، کسی نے کہا کہ آگ روشن کر دی جائے، کسی نے نرسنگھا پھونکنے کی تجویز پیش کی اور کسی نے ناقوس کا مشورہ دیا، آپ نے ان مشوروں میں سے کسی کو منظور نہیں فرمایا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک غیر کے طریقہ کی پیروی تھی، مجوس آگ جلاتے ہیں، یہود نرسنگھا پھونکتے ہیں اور عیسائی ناقوس بجاتے ہیں، گویا اس مجلس میں کوئی بات طے نہ پاسکی، لوگ منتشر ہو گئے۔ (۱)

اس واقعہ کو بخاری و مسلم نے بھی نقل کیا ہے جس کے راوی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں، لکھا ہے کہ مدینہ میں پہنچ کر یہ مسئلہ زیر بحث آیا، لوگوں نے وہی تجویزیں پیش کیں

(۱) حجة الله البالغة: باب الأذان، ص ۳۲۲

جو گزریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

أَوَلا تَبعَثُونَ رَجُلًا يُنَادِي بِالصَّلَاةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: يَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلَاةِ. ❶

کیوں نہیں بھیج دیتے کسی کو کہ نماز کے لئے پکار دے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا جاؤ نماز کے لئے آواز دے دو۔

اسی زمانہ میں حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا جس میں ان کو کلماتِ اذان واقامت سکھائے گئے، انہوں نے اپنا یہ خواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیان کیا، آپ نے اس خواب کی تصدیق فرمائی، خواب کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے دیکھا ایک شخص ہاتھ میں ناقوس لئے ہوئے ہے، یہ دیکھ کر انہوں نے پوچھا ناقوس فروخت کروگے، ناقوس والے نے مقصد دریافت کیا، انہوں نے کہا نمازیوں کو بلاؤں گا، اس نے کہا تم کہو تو اس کام کے لئے اس سے اچھی شکل بتادوں، انہوں نے کہا اچھا ہے سکھا دو، اس مرد خدا نے اذان واقامت کے کلمات مرتب طور پر بتا دیئے، یہ جب نیند سے بیدار ہوئے آپ کی خدمت میں آئے، واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا:

إنها لرؤيا حق إن شاء الله.

خدا نے چاہا تو یہ خواب حق ہے۔

جاؤ بلال کہ جو تم سے بلند آواز ہیں ان کو بتلاؤ اور وہ ان کلمات کو پکاریں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آواز کو جب سنا اپنی چادر کھینچتے ہوئے حاضر ہوئے اور فرمانے لگے:

وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَقَدْ رَأَيْتُ مِثْلَ مَا رَأَى، فَقَالَ

❶ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب بدء الأذان، ج ١ ص ١٢٧، رقم الحديث: ٦٠٤/ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب بدء الأذان، ج ١ ص ٢٨٥، رقم الحديث: ٣٧٧

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَلِلَّهِ الْحَمْدُ. ❶

یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا، میں نے بھی وہی دیکھا جو ان کو دکھلایا گیا، یہ سن کر آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

کلماتِ اذان کی حیثیت

اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ واقعہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ احکام شرعیہ کا مدار حکمتوں اور مصلحتوں پر ہے، حکمت الٰہیہ کا تقاضا ہوا کہ اذان صرف اعلام اور آگاہی ہی نہ ہو، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ شعائر دین میں ایک مستقل شعار بھی ہو، اس طرح سے جو لوگ غافل ہوں یا خبردار لیکن مسجد سے دور رہتے ہیں، ان کے سروں پر پکار دی جائے اور اس شعائر دین کی عزت وتوقیر کی جائے، اور جو جماعت اسے قبول کرے اُس کے متعلق یہ علامت قرار پا جائے کہ یہ دین الٰہی کے تابع اور اس کے منقاد ہیں اور یہی وجہ ہوئی کہ کلماتِ اذان ذکر اللہ اور شہادتین سے مرتب ہیں اور ان میں ایسے کلمات بھی ہیں جن میں صراحتاً نماز کی طرف دعوت پائی جاتی ہے۔ ❷

اذان کی تاریخ

اذان کی ابتداء کب ہوئی؟ اس میں محققین علماء حدیث کا یہ فیصلہ ہے کہ دارالہجرت مدینہ منورہ میں ہوئی، جیسا کہ اس طرف اشارہ اوپر کی روایت میں گذر چکا ہے۔ ❸

❶ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب كيف الأذان، ج ۱ ص ۱۳۵، رقم الحديث: ۴۹۹ ❷ حجة الله البالغة: باب الأذان، ج ۱ ص ۳۲۲

❸ فتح الباري: كتاب أبواب الأذان، باب بدء الأذان، ج ۲ ص ۷۷

قرآن کی جن آیتوں میں اذان کا ذکر ہے وہ بھی مدنی ہی ہیں:

وَ اِذَا نَـادَیۡتُـمۡ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوۡهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَعۡقِلُوۡنَ. (المائدة: ۵۸)

ترجمہ: اور تم جب نماز کے لئے اعلان کرتے ہو تو وہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ بالکل عقل نہیں رکھتے۔

مفسرین نے شانِ نزول جو بیان کیا ہے اس میں نصرانی یا یہودی کا نام لیا ہے کہ وہ تمسخر کیا کرتے تھے، مدینہ کا جو نصرانی ''أشهد أن محمدا رسول الله'' پر ''قد حرق الكاذب'' (جھوٹا جل جائے) کہتا تھا گھر سمیت جل کر مر گیا۔ ❶

دوسری آیت یہ ہے اور یہ بھی مدنی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ. (الجمعة: ۹)

اس کے بعد شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، یہ بات البتہ تحقیق طلب ہے کہ اذان کی مشروعیت کیا صرف عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے خواب ہی پر ہوئی؟ یا اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی وحی بھی آئی، جواب یہ ہے کہ آپ کے پاس وحی بھی آئی اور وحی پیشتر آئی۔ ❷

اذان کی عظمت

اذان کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا شعارِ دین ہے جس کی وجہ سے دار، دارالاسلام کے حکم میں ہو جاتا ہے، یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں کہیں اذان سن لیا کرتے رک جاتے، حملہ نہیں کرتے، دوسرے یہ کہ یہ اذان شعبہائے نبوت سے ایک شعبہ ہے، اس لئے کہ اس میں ایک عظیم الشان عبادت اور ایک مہتم بالشان

❶ تفسير البضاوي: سورة المائدة آیت نمبر ۵۸ کے تحت، ج ۲ ص ۱۳۳

❷ فتح الباري: كتاب الأذان، باب بدء الأذان، ج ۲ ص ۷۸

رکن کی طرف ترغیب پائی جاتی ہے، خیر متعدی اور اعلاء کلمہ حق میں اللہ تعالی کی جو خوشنودی ہے کسی اور چیز میں نہیں، اس میں شیطان کی سوزش بھی خوب ہے، اور جب نماز کے لئے اذان پکاری جاتی ہے تو شیطان بے تحاشا بھاگتا ہے۔ ❶

اذان کو مسجد کے اجتماع میں بڑا دخل ہے اسی وجہ سے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شعارِ دین میں داخل فرمایا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُغِيرُ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ، وَكَانَ يَسْتَمِعُ الْأَذَانَ، فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا أَمْسَكَ وَإِلَّا أَغَارَ. ❷

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر طلوع ہوتا تو چھاپہ مارتے اور کان لگا کر اذان سنتے، اگر اذان سن لیتے تو رک جاتے ورنہ حملہ کرتے۔

انہی حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ایک اور بیان ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا غَزَا بِنَا قَوْمًا، لَمْ يَكُنْ يَغْزُو بِنَا حَتَّى يُصْبِحَ وَيَنْظُرَ، فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا كَفَّ عَنْهُمْ، وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ عَلَيْهِمْ. ❸

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم کو لے کر غزوہ کے لئے نکلتے تو جب تک صبح نہ ہو جاتی اور ان کو دیکھ نہ لیتے حملہ نہ کرتے، اذان سنتے تو رک جاتے اور نہیں سنتے تو حملہ آور ہوتے۔

بوقتِ اذان شیطان کی کیفیت

اذان چونکہ نمازیوں کے لئے مسجد آنے کی دعوت ہے اور شیطان اس کارِ خیر کا دشمن

❶ حجة الله البالغة: الأذان، ج ۱ ص ۳۲۳، ۳۲۴ ❷ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب الإمساك عن الإغارة على قوم في دار الكفر، ج ۱ ص ۲۸۸، رقم الحديث: ۳۸۲

❸ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب ما يُحقَنُ بالأذان من الدماء، ج ۱ ص ۱۲۵، رقم الحديث: ٦١٠

ہے، وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالی کی بندگی کو کوئی ادا نہ کرے اور وہ ہمیشہ وسوسہ کی فکر میں رہتا ہے، اس لئے اللہ تعالی نے اس اذان میں ایسی تاثیر رکھی ہے جس سے شیطان پناہ مانگتا ہے، یہ اس پر بجلی کا اثر رکھتی ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ الشَّيْطَانَ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ ذَهَبَ حَتَّى يَكُونَ مَكَانَ الرَّوْحَاءِ. ❶

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: نماز کی اذان جب شیطان سنتا ہے تو بھاگ کھڑا ہوتا ہے تا آنکہ مکان روحاء پر رکتا ہے۔

راوی نے اس روایت میں یہ بھی بیان کر رہا ہے کہ مقام روحاء مدینہ سے چھتیس (۳۶) میل کی دوری پر واقع ہے۔ ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ اذان سنتے ہی وہ پریشان اور گھبرا کر چلتا بنتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اذان نہ سن سکے، اذان جب ختم ہوتی ہے تو پھر پلٹ کر آتا ہے، تکبیر کے وقت پھر چلتا بنتا ہے، اس کے بعد آکر وسوسہ پیدا کرتا ہے اور بھولی ہوئی بات یاد کراتا ہے تا آنکہ تعدادِ رکعت میں نمازی احتمال میں پڑ جاتا ہے کہ کتنی رکعتیں ہوئیں۔ ❷

شیطان صرف اذان سن کر کیوں بھاگتا ہے

اس حدیث کو نقل کر کے شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ایک اعتراض کیا ہے اور خود ہی جواب دیا ہے، اعتراض کا ماحصل یہ ہے کہ شیطان اذان سے تو بھاگتا ہے مگر کیا وجہ ہے تلاوتِ قرآن اور نماز سے نہیں بھاگتا، حالانکہ ان دونوں کا درجہ نسبتاً بڑھا ہوا ہے، جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تعالی نے ان کلماتِ اذان میں ایک ایسی عظمت اور ہیبت رکھی

❶ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب فضل الأذان وهرب الشيطان عند سماعه، ج ١ ص ٢٩٠، رقم الحديث: ٣٨٨ ❷ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب فضل الأذان وهرب الشيطان عند سماعه، ج ١ ص ٢٩١، رقم الحديث: ٣٨٩

ہے جو اس کو خوف زدہ اور مرعوب کر دیتی ہے، پھر اذان نماز سے کوئی علیحدہ چیز نہیں بلکہ نماز کا مقدمہ ہے، ہاں اتنی بات البتہ ہے کہ اس میں عُجب وریا نہیں بخلاف نماز وتلاوت قرآن کے کہ یہ دونوں اپنی غایت فضیلت کی وجہ سے آدمی کو عُجب وریا میں ڈال دیتی ہیں جس سے شیطان کو وسوسہ کا راستہ مل جاتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اذان میں خصوصیت رکھی گئی ہے۔ ❶

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس سلسلہ میں مختلف جواب نقل کئے ہیں، چنانچہ یہ بھی نقل کیا ہے کہ شیطان اس لئے اذان سے بھاگتا ہے کہ قیامت کے دن مؤذن کے حق میں گواہی نہ دینی پڑے، کیونکہ جو بھی مؤذن کی آواز سنتا ہے جن ہو یا آدمی مگر اس کو گواہی دینی پڑتی ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ اذان سے متنفر ہو کر بھاگتا ہے۔ ❷

مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک مجرم جتنا تھانیدار یا سپاہیوں سے ڈرتا ہے منصف اور جج سے نہیں ڈرتا، جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ چور یا جو بھی مجرم ہوتا ہے وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ یہاں ذرا بات بگڑی پٹائی شروع ہو جائے گی، مگر کمرہ عدالت میں یہ بات نہیں ہے وہ قانون کے تحت فیصلہ ہوگا اور پھر اس پر عمل ہوگا، حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ اپنے عہدہ میں منصف اور جج تھانیدار اور سپاہی سے بہت اونچے عہدہ کا مالک ہے۔

اذان شعارِ دین ہے

اذان اپنی انہی خوبیوں کی وجہ سے دین کا شعار قرار پائی اور ایسا شعار دین کہ اگر کوئی آبادی اسے ترک کر ڈالے تو اس سے قتال اور جہاد کا شریعت حکم دیتی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

إِنَّ الْأَذَانَ شِعَارُ الْإِسَلَامِ وَأَنَّهُ لَا يَجُوزُ تَرْكُهُ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ بَلَدٍ اجْتَمَعُوا عَلَى تَرْكِهِ كَانَ لِلسُّلْطَانِ قِتَالُهُمْ عَلَيْهِ. ❸

❶ اشعة اللمعات: كتاب الصلاة، باب فضل الأذان وإجابة المؤذن، ج ١ ص ٣١٢

❷ فتح الباري: كتاب الأذان، باب فضل التأذين، ج ٢ ص ٨٦، ٨٧

❸ فتح الباري: كتاب الأذان، باب ما يحقن بالأذان من الدماء، ج ٢ ص ٩٠

بلاشبہ اذان شعار اسلام ہے، اور اس کا ترک جائز نہیں ہے اور اگر اہلِ شہر اس کے ترک پر اجماع کرلیں تو سلطان ان سے لازمی طور پر قتال کرے گا۔

ترکِ اذان پر قتال کا حکم بے وجہ نہیں ہے، علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

لِمَا يَلْزَمُ الاجْتِمَاعُ عَلَى تَرْكِهِ مِنْ اِسْتِخْفَافِهِمْ بِالدِّينِ بِخَفْضِ أَعْلَامِهِ لِأَنَّ الْأَذَانَ مِنْ أَعْلَامِ الدِّينِ. ❶

اور کھلی بات ہے جو دین کی نشانی کو مٹائے اور دین کی خفت پر اتر آئے اس کا دین سے تعلق اب باقی نہ رہا، لہذا وہ اسی قابل ہے کہ اس پر اسلامی فوج ٹوٹ پڑے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اذان چھوڑنے کی صورت میں پہلے اہلِ شہر کو زدوکوب کیا جائے گا اور قید۔ اور ابھی جو نقل کیا گیا اس کا ماحصل یہ ہے کہ اس پر اسلامی فوج بھیجی جائے گی، مطلب یہ ہے کہ اگر وہ قبضہ میں ہوں اور دباؤ قبول کریں تو پہلے ضرب وحبس کو عمل میں لایا جائے گا اور خدانخواستہ سرکشی پر قائم رہیں اور اذان کے حکم کو قبول نہ کریں تو پھر جہاد کرکے اس کو قبضہ میں لانے کی سعی کی جائے گی اور سزادی جائے گی:

فَإِنَّ الْمُقَاتَلَةَ إِنَّمَا تَكُونُ عِنْدَ الِامْتِنَاعِ وَعَدَمِ الْقَهْرِ لَهُمْ وَالضَّرْبُ وَالْحَبْسُ إِنَّمَا يَكُونُ عِنْدَ قَهْرِهِمْ، فَجَازَ أَنْ يُقَاتَلُوا إِذَا امْتَنَعُوا عَنْ قَبُولِ الْأَمْرِ بِالْأَذَانِ وَلَمْ يُسَلِّمُوا أَنْفُسَهُمْ، فَإِذَا قُوتِلُوا فَظُهِرَ عَلَيْهِمْ ضُرِبُوا وَحُبِسُوا. ❷

مقاتلہ اس وقت ہے جب وہ حکم قبول نہ کریں دباؤ سے باہر ہوں، اور دباؤ میں جب ہوں تو مار پیٹ اور قید کرنا ہے، اور جب بات کے ماننے اور اذان کے دینے سے انکار کریں اور ماتحتی قبول نہ کریں تو قتال جائز ہے، قتال کے بعد جب غلبہ حاصل ہوگا تو ان کو پیٹا جائے گا اور قید کیا جائے گا۔

---

❶ فتح القدير لابن الهمام: كتاب الصلاة، باب الأذان، ج ١ ص ٢٤٠

❷ فتح القدير لابن الهمام: كتاب الصلاة، باب الأذان، ج ١ ص ٢٤٠

معلوم ہوا اس شعارِ دین کو جو اگرچہ سنت مؤکدہ ہے، قائم و دائم رکھنا نہایت ضروری ہے اور اس کا ترک اجتماعی طور پر کسی وقت بھی جائز نہیں ہے۔

مؤذن کی حیثیت

جس شعارِ اسلام کی اہمیت کا یہ عالم ہے بلاشبہ جو ان کلمات کو رات دن ادا کرے گا اس کا رتبہ بھی بلند ہوگا، بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو تاریخ اسلام میں جو مرتبہ حاصل ہے اس سے کون واقف نہیں، مگر یہ معلوم ہے وہ کون تھے؟ مسجد نبوی کے خاص مؤذن تھے، یہ جب کلماتِ اذان پکارتے تو آواز میں غضب کی تاثیر ہوتی جو دلوں پر بجلی کا کام کرتی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی، مؤذن کی حیثیت ان حدیثوں میں ملاحظہ کیجئے:

اَلْمُؤَذِّنُوْنَ أَطْوَلُ النَّاسِ أَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ. ❶

مؤذنین قیامت کے دن لوگوں میں بلند گردن والے ہوں گے۔

لَا يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلَا إِنْسٌ وَلَا شَيْءٌ إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. ❷

جو بھی جہاں اذان کی آواز سنتا ہے جن ہو یا انسان یا کچھ اور مگر وہ قیامت کے دن مؤذن کے لئے گواہی دے گا۔

وَالْمُؤَذِّنُ يُغْفَرُ لَهُ بِمَدِّ صَوْتِهِ وَيُصَدِّقُهُ مَنْ سَمِعَهُ مِنْ رَطْبٍ وَيَابِسٍ، وَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ صَلَّى مَعَهُ. ❸

❶صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب فضل الأذان وهرب الشيطان عند سماعه، ج ١ ص ٢٩٠، رقم الحديث: ٣٨٧ ❷صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب رفع الصوت بالنداء، ج ١ ص ١٢٥، رقم الحديث: ٦٠٩ ❸سنن النسائي: كتاب الأذان، باب رفع الصوت بالأذان، ج ١ ص ١٣، رقم الحديث: ٦٤٦

جہاں تک آواز جاتی ہے مؤذن کے لئے وہ مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور ہر تر وخشک اس کی گواہی دیں گے اور اس کو نمازی کے برابر اجر ملے گا (جو اس کی آواز پر آتے ہیں)

مؤذن جس طرح اذان کے ذریعہ اللہ تعالی کی بڑائی کا اعلان کرتا ہے اور اس کی وحدانیت کا ترانہ گاتا ہے، اسی طرح کا اس کو اجر بھی رب العزت مرحمت فرمائیں گے کہ قیامت کے دن یہ تمام پر بلند ہوگا، اس کو امتیازی شان حاصل ہوگی، اور وہ ساری کائنات جس نے اس کی آواز سن لی ہے اس کے حق میں گواہی دے گی، یہ وہ اجر ہے جو حدیثوں میں مذکور ہے اور شاید اللہ تعالی ان کے علاوہ بھی عظیم الشان بدلہ عطا کرے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ، ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَّسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا. ❶

صف اول اور اذان دینے کی فضیلت لوگوں کو معلوم ہو جائے تو قرعہ اندازی کی نوبت آئے تو بھی حاصل کریں۔

اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اگر مؤذن نے اللہ کی خوشنودی کی خاطر کچھ دنوں مسلسل اذان دی تو اس کو دوزخ کی آگ سے خلاصی مل جائے گی۔

مَنْ أَذَّنَ سَبْعَ سِنِينَ مُحْتَسِبًا كُتِبَتْ لَهُ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ. ❷

جو شخص محض رضائے الٰہی کے لئے سات سال اذان دے گا اس کے لئے دوزخ سے برأت لکھ دی جائے گی۔

---

❶ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب الاستهام في الأذان، ج ١ ص ١٢٦، رقم الحديث: ٦١٥/ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها، ج ١ ص ٣٣٥، رقم الحديث: ٤٣٧ ❷ سنن الترمذي: أبواب الصلاة، باب ما جاء في فضل الأذان، ج ١ ص ٤٠٠، رقم الحديث: ٢٠٦

اذان پر اجرت

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اذان پر اجرت قبول نہ کرنی چاہئے، حدیث میں صراحتًا بھی آیا ہے کہ مؤذن اس کو رکھو جو اذان پر اجرت نہ لے۔ ❶

یہیں یہ مسئلہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اذان کی اجرت کے متعلق فقہاء اور علماء کا کیا فیصلہ ہے اور اسی کے ضمن میں امام کے مشاہرہ کے متعلق بھی بات طے ہو جائے۔ مؤذن کے متعلق ابھی گزرا کہ ایسا ہو جو اپنا بدلہ خدا سے چاہتا ہو، آدمی سے نہ وصول کرے اور اسی پر آگ سے برأت کی خوشخبری ہے۔

متقدمین نے عبادات پر اجرت کی اجازت نہیں دی ہے اور متاخرین نے حالات کے پیش نظر اجازت دی ہے، دونوں جماعتیں اپنے زمانہ کے حالات و واقعات سے متاثر ہیں، کوئی شبہ نہیں کہ متقدمین کا فیصلہ مشکوٰۃِ نبوت کی روشنی میں زیادہ انسب ہے، مگر دین سے جب بے رغبتی بڑھ گئی اور علماء نے دیکھا کہ اجرت کی اجازت نہیں دی جاتی تو رہا سہا دین بھی جاتا رہے گا، دوسرا معاوضہ کی شکل بڑی حد تک جواز کے حدود میں آتی ہے تو اجازت دے دی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس پر ایک جامع تحریر لکھی ہے، فرماتے ہیں:

امامت، اذان اور خطبہ دینے پر اجرت قبول کرنے میں علماء کا اختلاف ہے، ایک جماعت کہتی ہے یہ سب امور عبادات میں داخل ہیں اور عبادات پر معاوضہ ثواب کے لئے مُبطِل (ضائع کر دینے والا ہے) لہذا جائز نہیں ہوسکتا، دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ ان خاص عبادات (نفسِ عبادت) پر اجرت نہیں لی جاتی ہے بلکہ یہ اجرت تو اس لئے ہے کہ ان کو مخصوص مقام اور متعین وقت میں پابند کیا جاتا ہے اور یہ مسلّم بات ہے کہ جگہ اور وقت کی

---

❶ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب أخذ الأجر على التأذين، ج ۱ ص ۱۴۶، رقم الحديث: ۵۳۱

خصوصیت عبادت نہیں ہے اور نہ یہ شرطِ عبادت میں داخل بلکہ یہ بالکل خارج چیز ہے، لہٰذا اجرت اس پابندی پر جائز ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ سابق زمانہ میں ائمہ، مؤذنین اور خطیب ان کاموں کو محض للہ انجام دیتے تھے، چنانچہ یہ کام قاضی، مفتی، محتسب اور عامل بھی کرتے تھے اور لوجہ اللہ کرتے تھے، خلفاء راشدین اور منصف سلاطین نے دیکھا کہ ایک جماعت نے اپنی خدمت ان عبادات کے لئے وقف کر رکھی ہے تو ان کے لئے بقدرِ معاش بیت المال سے وظیفہ جاری کر دیا، جو بطورِ امداد واعانت جاری ہوا معاوضہ کے نقطہ نظر سے نہ ہوا تھا، لیکن بتدریج یہ شعبہ بھی شعبہ معاش بن گیا اور امداد واعانت معاوضہ اور اجرت میں تبدیل ہوگئی، اسی وجہ سے یہ ذریعہ معاش اس موجودہ دور میں مشکوک بلکہ قریب بہ حرمت ہے، حتی المقدور اس سے احتراز لازم ہے۔ ❶

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے جو بات لکھی ہے اس کا ماحصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر اب بھی معاوضہ اور اجرت کے نقطہ نظر سے نہ دے بلکہ امداد واعانت کے طور پر دیا جائے تو جائز ہے مگر حالات کے پیش نظر احتراز اولی ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ ''رد المحتار'' میں لکھتے ہیں:

اگر اذان وامامت وغیرہ کی وجہ سے امام ومؤذن وغیرہ دوسرے ذریعہ معاش سے محروم ہیں تب تو اس کو بقدر ضرورت لینا جائز ہے اور اگر یہ ذمہ داریاں دوسرے ذریعہ معاش میں حارج نہیں ہیں تو مشاہرہ قبول نہ کرنا چاہئے۔ ❷

موجودہ دور میں اذان

اس بحث سے یہ معلوم ہوا کہ مؤذن کو حتی الوسع اجرت سے بچنا چاہئے، مگر کیا کیا

❶ تفسیر عزیزی: سورہ بقرہ آیت نمبر ۹۷ کے تحت، ج ۱ ص ۳۸۱ ❷ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب في أذانه، ج ۲ ص ۷۴

جائے ہمارے زمانہ میں اذان دینا کسر شان ہے، بڑے لوگ اذان دینے میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو بامشاہرہ مؤذن کی نوبت ہی نہ آتی، خوش مال لوگوں نے دین غریبوں کو بخش دیا ہے اور خود بری الذمہ ہو کر بیٹھ گئے ہیں، جس اذان اور اذان دینے والے کی اتنی عظمت ہو، دین کے ماننے والے اس کو عار سمجھیں (انا للہ وانا الیہ راجعون) حالانکہ یہ وہ مرتبہ ہے جو پہلے زمانہ میں بڑے بڑے علماء اور ذی ثروت اصحاب نے بخوشی قبول کیا ہے اور اسی میں اپنی پوری زندگی گزار دی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بحث ہے کہ اذان دی یا نہیں، ایک جماعت کہتی ہے کہ آپ نے خود بھی اذان دی ہے اور ترمذی کی روایت اس کی شہادت میں پیش کرتے ہیں، اس جماعت میں امام نووی اور امام سہیلی رحمہما اللہ جیسے بزرگ ہیں، اگرچہ صحیح یہی ہے کہ آپ نے بذاتِ خود اذان نہیں دی ہے۔ ترمذی کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے حکم سے بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ مسند احمد میں یہ واقعہ مصرح ہے۔ ❶

❶ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اذان دی ہے یا نہیں؟ سنن ترمذی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دی ہے، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

أذّن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو علی راحلته. [سنن الترمذی: أبواب الصلاة، باب ما جاء فی الصلاة علی الدابة، ج ۲ ص ۲۶٦، رقم الحدیث: ۴۱۱]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سنن ترمذی کی روایت میں جس اذان کا ذکر ہے وہ آپ نے خود نہیں دی بلکہ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا تھا، مسند احمد کی روایت میں صراحت ہے کہ آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا تھا، ترمذی کی روایت میں آپ کی طرف نسبت اس وجہ سے ہے کہ آپ نے حکم دیا تھا، جیسے کہا جاتا ہے:

أعطی الخلیفة العالم الفلانی ألفا وإنما باشر العطاء غیرہ ونسب للخلیفة لکونه آمرا به. [فتح الباری: کتاب الأذان، باب بدء الأذان، ج ۲ ص ۷۹]

بقیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں:

پھر بھی یہ بات تو نہیں ہے کہ آپ نے مؤذن کے لئے فضائل نہ بیان کئے ہوں، بلکہ دعا فرمائی ہے:

(بقیہ صفحہ گذشتہ) علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے سنن سعید بن منصور میں ایک مرسل روایت ملی ہے جس میں صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دی ہے اور یہ روایت تاویل کو قبول نہیں کرتی:

قلت: قد ظفرت بحديث آخر مرسل أخرجه سعيد بن منصور في سُننه، حدثنا أبو عوانة حدثنا عبد الرحمن بن أبي بكر القرشي عن أبي مليكة قال أذن رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال حي على الفلاح، وهذه رواية لا تقبل التأويل. [التوشيح شرح الجامع الصحيح: باب بدء الأذان، ج۲ ص ۶۴۲]

میں نے یہ روایت سنن سعید بن منصور میں کافی تلاش کی لیکن مجھے اصل کتاب میں یہ روایت نہیں ملی ہے۔

نیز آپ نے جو اذان دی ہے وہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے کانوں میں دی ہے، جیسا کہ ''سنن ابی داود'' کی روایت میں صراحت ہے:

رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أذن في أُذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة بالصلاة. [سنن أبي داود: كتاب الأدب، باب في الصبي يولد فيؤذن في أذنه، ج۴ ص ۳۲۸، رقم الحديث: ۵۱۰۵]

اگر یہ روایت موجود بھی ہو تو یہ حضرت حسن کے کانوں میں اذان دینے پر محمول ہے، اس پر قرینہ یہ ہے کہ راوی نے تصریح کی ہے کہ آپ نے اذان میں ''حی علی الفلاح'' کا جملہ بھی کہا، اگر یہ اذان نماز کے لئے ہوتی تو اس جملہ کی صراحت کی ضرورت نہیں تھی، اس لئے کہ نماز کے لئے ہر اذان میں یہ جملہ کہا جاتا ہے، چونکہ یہ حضرت حسن کے کانوں میں اذان تھی اس لئے یہ وہم ہوا کہ شاید اس میں یہ کلمات نہ ہوں، اس لئے کہ اس میں نماز کی طرف دعوت نہیں ہے، تو بظاہر ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے یہ کلمات نہیں کہے ہوں گے، تو راوی نے صراحت کر دی کہ آپ نے یہ کلمات بھی کہے تھے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت حسن کے کان میں اذان دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یقیناً ثابت ہے، البتہ نماز کے لئے اذان دینے کے متعلق مجھے کوئی صریح روایت نہیں ملی۔

اس موضوع پر مزید تفصیلات کے لئے محقق العصر علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کے رسالہ ''**خير الخبر في أذان خير البشر**'' کا مطالعہ کریں۔ **[مجموعة رسائل اللكهنوي: ج۴ ص ۳۲۲ تا ۳۳۰]**

اَللّٰهُمَّ أَرْشِدِ الْأَئِمَّةَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِينَ ❶.

اے اللہ! امام کو رشد و ہدایت عطا فرما اور مؤذن کو بخش دے۔

اور مؤذن کے رتبہ کا بیان خود آپ کی زبانِ مبارک سے پہلے گزر چکا ہے۔

اذان کا جواب

اس مرتبہ کا یہ نتیجہ ہے کہ اسلام نے یہ پسند نہ کیا کہ کوئی اس سے محروم رہے بلکہ سب اس کا ثواب حاصل کرلیں اور اپنی زبان سے دہرا کر ہدایتِ الٰہی کے قبول کرنے کا اقرار کرلیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمات کو دہرانے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ جو دل سے ان کلمات کو دہرائے گا جنت میں داخل ہوگا۔ ❷

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر اذان دی، جب اذان ہوچکی تو آپ نے فرمایا:

مَنْ قَالَ مِثْلَ هٰذَا يَقِينًا دَخَلَ الْجَنَّةَ. ❸

جو یقین کے ساتھ اسی طرح کہے جنت میں داخل ہوگا۔

اذان کے جواب میں کلمات

اذان کے تمام کلمات تو ہو بہو وہی کہے جائیں گے، صرف ''حی علی الصلاۃ'' اور ''حی علی الفلاح'' کے، اس کے جواب میں ''لا حول ولا قوة إلا بالله'' کہیں گے۔ فجر کی اذان میں ''الصلاة خير من النوم'' کہا جاتا ہے، اس کے جواب میں سننے والا ''صدقت وبررت وبالحق نطقت'' کہے گا۔

❶ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب ما يجب على المؤذن من تعاهد الوقت، ج ١ ص ١٤٣، رقم الحديث: ٥١٧ ❷ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب: القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، ج ١ ص ٢٨٩، رقم الحديث: ٣٨٥

❸ سنن النسائي: كتاب الأذان، باب ثواب ذلک، ج ٢ ص ٢٤، رقم الحديث: ٦٧٤

یہ جواب ہر وہ شخص دے گا جس کے لئے کوئی مانع شرعی نہ ہو، جیسے بیت الخلاء میں نہ ہو، جماع نہ کرتا ہو، پیشاب کرتا نہ ہو اور اسی طرح نماز میں نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔ جب اس سے فارغ ہو کر پاک ہولے تو کہہ سکتا ہے، معذورین میں خطبہ سننے والا، تعلیم و تعلم میں مشغول، کھانا کھانے والا، حیض ونفاس میں مبتلا عورت بھی داخل ہے، ان پر جواب واجب نہیں۔

کلمات اذان کی طرح اقامت (تکبیر کے کلمات) بھی دہرائے جائیں گے، وہاں ''قد قامت الصلاۃ'' کے جواب میں کہا جائے گا ''أقامها اللّٰہ و أدامها'' [1]

آپ نے دیکھا کلماتِ اذان و اقامت کی کتنی فضیلت ہے اور ان کلمات پر غور کیجئے تو ان کی عظمت کا اور بھی یقین راسخ ہوتا چلا جائے۔

آدابِ اذان

اس دعوتِ اجتماع میں جو کچھ عرض کیا گیا وہ غور سے پڑھنے کے لائق ہے اب کچھ آداب بھی لکھے جاتے ہیں جن سے اس کی اہمیت پر روشنی پڑے گی۔

۱......کلماتِ اذان ٹھہر ٹھہر کر کہے جائیں گے اور کلماتِ اقامت جلد جلد مگر جملوں کی ادائیگی میں ایسی جلدی نہ ہو کہ تلفظ بگڑ جائے۔

۲......مؤذن کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز کے مستحب اوقات اور سمتِ قبلہ سے واقف ہو۔

۳......اذان پکارنے میں اتنا نہ چیخے کہ حلق کو نقصان پہنچے۔

۴......اگر کوئی اس کی عدم موجودگی میں اذان پکار دے تو غصہ نہ ہو۔

۵......اذان خوش آوازی سے پکارے مگر لحن کی حد کو نہ پہنچے۔

۶......اذان محض اللہ کی رضا کے لئے دے، کسی پر احسان نہ جتلائے نہ معاوضہ لے۔

---

[1] سنن أبی داود: کتاب الصلاۃ، باب ما یقول إذا سمع الإقامۃ، ج ۱ ص ۱۴۵، رقم الحدیث: ۵۲۸

۷......نیکی اور بھلی بات کا حکم دے اور ناپسندیدہ باتوں سے منع کرے اور کلمہ حق کے کہنے میں امیر وغریب کا امتیاز نہ کرے۔

۸......امام کا اس قدر انتظار کرے جو قوم کے لئے گراں نہ ہو (یعنی وقت مقررہ کے بعد)

۹......مسجد میں کوئی اس کی جگہ پر بیٹھ جائے تو غصہ نہ ہو۔

۱۰......اذان وتکبیر کے درمیان اتنی لمبی نماز نہ پڑھے کہ نمازی گھبرا جائیں۔

۱۱......مسجد کی ہر طرح حفاظت کرے۔

۱۲......مؤذن مرد ہو، عاقل ہو اور مسائلِ ضروریہ سے واقف ہو۔

۱۳......متقی اور دیندار ہو۔

۱۴......لوگوں کے حالات سے واقف ہو اور جماعت میں شریک نہ ہونے والوں کو تنبیہ کر سکے مگر اس وقت جب کہ اذیت کا خوف نہ ہو۔

۱۵......بلند آواز ہو۔

۱۶......اذان پابندی سے دے۔

۱۷......اذان اونچی جگہ سے پکاری جائے تا کہ آواز دور تک جا سکے۔

۱۸......مسجد میں اذان نہ دی جائے، مأذنہ ہو تو اس پر چڑھ کر، ورنہ خارج مسجد سے۔

۱۹......اذان الفاظِ ماثورہ کے ساتھ عربی زبان میں دی جائے، کوئی لفظ بڑھنے نہ پائے۔

۲۰......غیر عربی میں اذان نہیں دی جا سکتی۔

۲۱......اذان اور تکبیر میں منہ قبلہ کی جانب ہو، ترکِ قبلہ مکروہ ہے۔

۲۲......حی علی الصلوۃ پر دائیں اور حی علی الفلاح پر بائیں طرف چہرہ پھیرے، مگر اس طرح کہ قدم اپنی جگہ جمے رہیں۔

۲۳......دونوں کانوں میں دونوں ہاتھ کی شہادت کی انگلی ڈالے۔

۲۴......اذان اور تکبیر میں فصل نہ کرنا مکروہ ہے۔

۲۵......ان دونوں کے درمیان کم از کم دو رکعت یا چار رکعت کی مقدار فصل کرنا چاہئے ،اور ہر رکعت کی مقدار اتنی ہو کہ دس آیتیں پڑھی جاسکیں۔

۲۶......اذان میں بات چیت نہ کرے ورنہ پھر نئے سرے سے کہنی ہوگی۔

۲۷......اذان نماز کے اول وقت میں پکاری جائے تا کہ نمازی آسانی سے مسجد آسکیں۔

۲۸......اذان کے بعد نمازیوں کا انتظار کیا جائے مگر محلّہ کے باثروت اور رئیسوں کا انتظار نہ کیا جائے گا۔

۲۹......اذان پنج وقتہ فرائض اور جمعہ کی نماز کے لئے دی جائے گی ،نوافل، سنن، واجبات اور دوسری نمازوں کے لئے اذان نہیں ہے۔

۳۰......کھڑے ہوکر اذان پکاری جائے، بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہے۔

۳۱......سوار کی اذان مکروہ ہے مگر یہ کہ وہ مسافر ہو۔

۳۲......ایک مؤذن ایک ہی مسجد میں اذان دے ایک کا متعدد مسجدوں میں اذان دینا مکروہ ہے۔

۳۳......مغرب کی اذان کے بعد تین چھوٹی آیت یا ایک بڑی آیت کے مقدار ٹھہرا جائے۔

۳۴......اذان کے کلمات میں تقدیم و تاخیر ہوجائے تو ترتیب ٹھیک کر لی جائے۔ ❶

ا......مشہور ہے کہ اذان نماز کے لئے مسجد میں بائیں جانب سے ہو اور اقامت (تکبیر) داہنی طرف سے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔

۲......بعض لوگ اذان دینے والے کے سامنے سے یا دعا کرنے والے کے سامنے

❶ تنبیہ الغافلین: باب فضل الأذان والإقامة، ج ا ص ۲۸۸ / الفتاوی الهندية: کتاب الصلاة، باب الأذان، الباب الثاني، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما، ج ا ص ۶۲، ۶۳

سے نکلنا نا جائز سمجھتے ہیں اس کی کچھ اصل نہیں۔

۳......شہادت کی انگلیوں کو کانوں کے سوراخ میں ڈالنے کی جگہ صرف کان کے اوپر رکھ لینا کافی نہیں۔ ❶

قدرتی نظام وحدت

نظم جماعت کا نفع تشنہ تکمیل رہ جاتا اگر اس کی شیرازہ بندی عمل میں نہ آتی مگر حضرت حق جل مجدہ کی حکمت بالغہ ایسا کیونکر کرسکتی تھی، چنانچہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کی تکمیل جیسی چاہئے تھی رب العزت نے فرما دی اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے اس کے ایک ایک شعبہ کو اجاگر اور مستحکم فرمادیا اور اس طرح امامتِ صغریٰ کے سِلکِ گہر میں نظم جماعت کو منظّم ومنضبط کر کے امامتِ کبریٰ کی شاہراہ قائم فرما گئے تاکہ دینی نظام سے دن رات دنیاوی نظام حیات کا سبق تازہ ہوتا رہے اور منتشر اور پراگندہ افراد کو اجتماعی زندگی کی پوری مشق ہوجائے۔

نظام وحدت اور یکجہتی کی جو مثال مسجدوں کے اس دینی نظام میں ملحوظ رکھی گئی ہے کہیں اور نہیں مل سکتی، توحید کا نظارہ اور اس کی نورانی شعائیں جو یہاں پائی جاتی ہیں وہ آئندہ تفصیل سے معلوم ہوسکیں گی۔

امامت واجتماعیت

مسجدوں کے اس قدرتی نظام میں جو مضبوطی اور استحکام ہے اور انفرادی زندگی کو جس طرح عمل سے روکا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، کوئی ایسا سوراخ باقی نہیں چھوڑا گیا ہے جہاں سے متفردانہ زندگی کا چشمہ پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہو، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نافذ فرمادیا ہے کہ کہیں تین یا دو شخص بھی ہوں تو بھی ان میں سے ایک کو اپنا امام منتخب کرلیا جائے:

❶ اغلاط العوام: اذان واقامت کی اغلاط، ص ۶۱، ۶۲

إِذَا كَانُوا ثَـلَاثَةً فَلْيَؤُمَّهُمْ أَحَدُهُمْ، وَأَحَقُّهُمْ بِالْإِمَامَةِ أَقْرَؤُهُمْ. ❶

تین ہوں تو بھی ان میں ایک کو امامت کرنی چاہیئے اور حق امامت بڑے قاری کو ہے۔

تین کی قید اتفاقی ہے مطلب یہ ہے کہ جب ایک سے زیادہ ہوں تو لوگوں کو چاہیئے کہ ایک کو پیشوا منتخب کرلیں اور اس کو منتخب کریں جو قرآن اور دین کا زیادہ علم رکھتا ہو، حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے، سفر کے تذکرہ پر آپ نے ان کو حکم فرمایا:

إِذَا سَافَرْتُمَا فَأَذِّنَا وَأَقِيمَا وَلْيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا. ❷

تم دونوں جب سفر کرو تو سفر میں نماز کے لئے اذان کو پکارو، اقامت کہو اور جو بڑا ہو امامت کرے۔

نظام وحدت کا استحکام

پیشوا بنایا جائے تو اس طرح کہ اس کی ہر حرکت وسکون کی پیروی کی جائے، وہ جب مالک حقیقی کے روبرو مناجات کرے تو سب کے سب خاموشی سے ہمہ تن گوش ہو کر سنیں اور باادب سیدھے کھڑے رہیں، وہ جب اس کی عظمت ربوبیت کے آگے جھکے تو بے چون وچرا سب جھک جائیں اور اس کی عظمت و ربوبیت کا بار بار اقرار کریں اور وہ جب پھر سر اٹھا کر سجدے میں گر جائے تو بلا پس وپیش ایک ایک فرد اپنی اپنی اونچی پیشانی اس کے آگے ڈال دے اور اپنی عاجزی اور اس کی صفت علو کا عملی طور پر اعلان کرے۔ مختصر یہ کہ باضابطہ اس کی پیروی کی جائے کیونکہ ارشادِ نبوی ہے:

❶ صحيح مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب من أحق بالإمامة، ج ۱ ص ۴۶۴، رقم الحديث: ۶۷۲ ❷ سنن الترمذي: أبواب الصلاة، باب ما جاء في الأذان في السفر، ج ۱ ص ۳۹۹، رقم الحديث: ۲۰۵

إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ. ❶

امام تو بس اسی لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔

پیروی اور اقتداء نام ہی اس کا ہے کہ امام جو بھی کرے ہو بہو اس کی پیروی میں وہی مقتدی اور پیروکار بھی کرے، اپنے امام سے پہلے کوئی بھی مقتدی جنبش نہیں کرسکتا اور نہ کسی حرکت وسکون میں اس کی مخالفت کی اس کو گنجائش ہے:

لَا تُبَادِرُوا الْإِمَامَ إِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَالَ:وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا: آمِينَ، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا قَالَ:سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ. ❷

امام پر سبقت نہ کرو، جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر کہو اور جب وہ ''ولا الضآلین'' کہے تو آمین کہو، اور جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو، اور جب ''سمع اللّٰه لمن حمده'' کہے تو تم ''ربنا لک الحمد'' کہو۔

نظام وحدت کی مخالفت

خدانخواستہ کسی نے اگر امام کی کسی حرکت وجنبش میں مخالفت کی یا اس پر کسی رکن وغیرہ کی ادائیگی میں سبقت کی تو پھر وہ اصولاً متبعین اور مقتدیین کی جماعت سے کٹ گیا، اور اپنی اس بیباکانہ روش سے خطرے میں گھر گیا اور عذاب الٰہی کو اس نے اپنی طرف متوجہ کرلیا، کسی اور کا نہیں بلکہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

أَمَا يَخْشَى الَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ أَنْ يُحَوِّلَ اللهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ؟ ❸

❶ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب إنما جعل الإمام ليؤتم به، ج ١ ص ١٣٩، رقم الحديث: ٦٨٩ ❷ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب النهي عن صلاة الإمام بالتكبير وغيره، ج ١ ص ٣١٠، رقم الحديث: ٤١٥ ❸ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب النهي في سبق الإمام بركوع أو سجود ونحوهما، ج ١ ص ٣٢٠، رقم الحديث: ٤٢٧

جو امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا ہے کیوں وہ اس سے نہیں ڈرتا کہ اس کا سر گدھے کے سر میں تبدیل کر دیا جائے۔

جرم بظاہر اتنا معمولی مگر سزا اتنی بڑی؟ بلا شبہ اس نے احترام قانون پس پشت ڈال دیا اور یکجہتی اور نظام وحدت میں خلل انداز ہو گیا جو اپنی نوعیت میں معمولی ہونے کے باوجود بڑا جرم ہے کیونکہ اس نے اپنی پیشانی رب العزت کے قانون سے نکال کر شیطان کے ہاتھوں میں دیدی:

الَّذِی یَرْفَعُ رَأْسَهُ وَیَخْفِضُهُ قَبْلَ الْإِمَامِ، فَإِنَّمَا نَاصِیَتُهُ بِیَدِ شَیْطَانٍ. ❶

جو مقتدی اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا ہے یا جھکاتا ہے تو بلا شبہ اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے۔

اس عنوانِ قباحت سے بڑھ کر اور کیا روک تھام کی کوشش ہوسکتی ہے، اس قباحت وشناعت کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ نظام وحدت کی اہمیت کا احساس خوب ذہن نشین ہو جائے تا کہ اس کا فائدہ ظاہراً و باطناً ہر طرح نمایاں ہو سکے، کیونکہ بہت سے فوائد کا دار ومدار محض اس یکجہتی اور امام کی کامل اقتداء میں مضمر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عملی زندگی میں اس کی پوری نگرانی فرمائی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ نے ایک دن ہم لوگوں کو نماز پڑھائی، نماز جب ختم ہو چکی تو ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے لوگو! رکوع، سجدہ، قیام اور انصراف میں سبقت (پہل) نہ کرو، میں تم کو اپنی پشت کی طرف سے بھی ایسا ہی دیکھتا ہوں جس طرح سے سامنے سے۔ ❷

❶ موطا مالک: كتاب الصلاة، باب ما يفعل من رفع رأسه قبل الإمام، ج ١ ص ٩٢، رقم الحديث: ٣٠٦ ❷ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب النهي عن سبق الإمام بركوع أو سجود ونحوهما، ج ١ ص ٣٢٠، رقم الحديث: ٤٢٦

اس تاکید کی انتہاء ہے کہ حالتِ نماز میں بھی مقتدیوں کی چوک سے غافل نہیں رہتے اور پھران پراس راز کومنکشف فرما کرحقوقِ نماز اور فرائض اقتدا کی تاکید فرماتے ہیں، کیوں بغیر کسی شرعی رمز کے یہ سب کچھ تاکیدیں ہورہی ہیں، نبی کی نگاہ سے بڑھ کردوربین انسانوں میں اورکس کی نگاہ ہوسکتی ہےاور بالخصوص خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی،بس یہی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اس شرعی اقتداء میں بےانتہاء دینی اور دنیوی فائدے ہیں۔

امام پرسبقت اوراس کی ممانعت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے ان ارشادات اوران کی حکمتوں کوخوب سمجھا تھا اوراسی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اس ہدایت پر پورا پورا عمل کیا۔حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز اس طرح پڑھتے تھے کہ آپ جب ''سمع اللہ لمن حمدہ'' رکوع سے اٹھتے ہوئے فرماتے تو ہم سیدھے کھڑے ہوجاتے اوراس وقت تک اپنی پیٹھ سجدہ کے لئے نہیں جھکاتے جب تک آپ اپنی پیشانی زمین پر رکھ نہ لیتے۔ ❶

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے امام پر پہل کی، یہ دیکھ کراس سے فرمایا تو نے نہ تنہا نماز پڑھی نہ امام کے ساتھ، پھر آپ نے اس کو سزادی اور فرمایا نماز لوٹالو۔ ❷

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ لوگوں پرایک ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ نماز پڑھیں گے مگر

❶ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب السجود على سبعة أعظم، ج ١ ص ١٦٢، رقم الحديث: ٨١١ ❷ كتاب الصلاة لإمام أحمد: ص ٣

ان کی نماز، نماز نہ ہوگی۔اس حدیث کے بعد فرماتے ہیں:

مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ زمانہ میرا زمانہ نہ ہو، میں نے سینکڑوں مسجدوں میں نماز پڑھی ہوگی مگر کہیں بھی نہیں دیکھا کہ اہل مسجد نماز اس کے پورے حقوق کے ساتھ ادا کرتے ہیں یا نماز میں وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں، پس اے نمازیو! اللہ تعالی سے ڈرو، اور اپنی نماز خوب سنبھل کر پڑھو اور ساتھ ہی اپنے ساتھیوں کی نماز کا خیال رکھو کہ ان کی نماز مع حقوق ادا ہو سکے۔سن لو! اگر کوئی خود خوب اچھی نماز پڑھتا ہے اور اس کے سارے حقوق کا لحاظ بھی رکھتا ہے مگر وہ دیکھتا ہے کہ ایک دوسرا شخص اپنی نماز پورے حقوق کے ساتھ نہیں ادا کرتا وہ اپنے امام پر حرکت وسکون میں پہل کرتا ہے پھر بھی وہ خاموشی اختیار کر لیتا ہے، اس کو اس کی غلط روش پر نہ ٹوکتا ہے نہ اس کی غلط روش کی قباحت بیان کرتا ہے اور نہ وہ اس کی اصلاح کی سعی کرتا ہے تو وہ بھی بلا شبہ اس کے اس گناہ میں شریک سمجھا جائے گا، اور اپنی نماز حسن وخوبی کے ساتھ ادا کرنے کے باوجود دوسرے کی نماز میں قصوروار ہوگا۔ (1)

امام صاحب کے اس بیان کے لب ولہجہ پر بار بار غور کیا جائے اور جس شدّ ومد سے اس کی اہمیت ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں اس کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

اصلاحِ امت

بلا شبہ ہر مسلمان پر اپنی ذمہ داری کے علاوہ دوسرے مسلمانوں کی ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہے، اس امتِ مرحومہ کا طغرائے امتیاز ہی یہ بیان کیا ہے کہ ہر بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور ہر ناپسندیدہ کام سے باز رکھنے کی تلقین کرتے ہیں:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ. (آل عمران: ١١٠)

(1) کتاب الصلاۃ لإمام أحمد: ص ۴۱

ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کئے گئے ہو کہ تم نیک کاموں کا حکم کرو اور بُرے کاموں سے روکو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری زندگی اس کا زندہ ثبوت ہے، کیا یہ حقیقت نہیں کہ جب واقف کار کسی غلط روش اور ناجائز امور پر چشم پوشی کرتا ہے تو وہ غلطی اور ناجائز امورِ وبا کی طرح پھیل پڑتے ہیں اور اس کا ضرر عام ہو جاتا ہے، جس میں بکثرت لوگ مبتلا ہونے لگتے ہیں۔

پھر یہ مسئلہ اپنی جگہ مسلّم ہے کہ اس کا مواخذہ ہر ایک باخبر سے ہوگا، اس نے دیکھ کر بھی اصلاح کی کوشش کیوں نہیں کی، خاموشی کو کیوں راہ دی، یہ ذمہ داری صرف اصطلاحی عالم پر ہی نہیں عائد ہوتی ہے بلکہ جو مسلمان جتنا بھی جانتا ہے اس پر اسی قدر ذمہ داری آتی ہے۔ ابتدائے اسلام میں دین کی تبلیغ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی جذبہ کے احساس کے ساتھ کی، عوام کی نماز میں جو خامی چلی آرہی ہے اسے ان پر ظاہر کیا جائے اور اس کی شرعی اصلاح کی جائے۔

جماعت کی ظاہری ہیئت

مختصر یہ کہ امام کی اقتداء بہر نوع کامل ہونی چاہئے، اور پوری ذمہ داری کے ساتھ ہونی چاہئے، ہر مقتدی پر امام کی متابعت اس حد تک ضروری ہے کہ وہ اس سے ذرا بھی تجاوز نہیں کرسکتا، اسی وجہ سے یہ حکم ہے کہ مقتدی جب دو یا اس سے زیادہ ہوں تو امام کو آگے بڑھا دیں اور خود پیچھے ایک سیدھ میں کھڑے ہو جائیں اور اس طرح کہ شانہ سے شانہ ملا ہوا ہو، نگاہیں سجدہ گاہ پر جمی ہوئی ہوں، سب کے سب ایک طرح ہاتھ باندھے ہوں، سب کا رخ قبلہ کی جانب ہو، صفیں سیدھی اور ہموار ہوں کہ اگر کوئی صف کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک خط مستقیم کھینچنا چاہے تو اس میں ذرا بھی کجی نہ آنے پائے۔

اس ظاہری ہیئت کے ساتھ باطنی ہیئت بھی اچھی سے اچھی ہو، دل پر خشیت ومحبت

کا پَرتو نمایاں اور یہ محسوس کررہا ہو کہ گو ہم اپنے آقا کو نہیں دیکھ رہے ہیں لیکن وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔

عہد نبوی میں صفوں کی درستگی کا اہتمام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید برابر رکھی اور کبھی بھی صف کی ناہمواری کو برداشت نہیں فرمایا، بلکہ بذاتِ خود آپ نے صفوں کی درستی کا کام انجام دیا ہے، آپ کا دستور تھا کہ پہلے صفوں کی ہمواری ملاحظہ فرمالیتے پھر نماز شروع فرماتے، جس کو صف میں ناہمواری کرتے دیکھ لیتے اس پر خفگی کا اظہار فرماتے، چنانچہ ایک دن ایسا ہوا کہ آپ نماز کے لئے مصلے پر کھڑے بھی ہوگئے، تکبیر تحریمہ کہنا ہی چاہتے تھے کہ ایک شخص پر نظر پڑ گئی جس کا سینہ صف سے نکلا ہوا تھا، یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا:

عِبَادَ اللهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ. ❶

اے بندگانِ خدا! یا تو تم اپنی صفوں کو برابر کرو یا پھر اللہ تعالی تمہارے اندر مخالفت ڈال دیں گے۔

جس ظاہری اختلاف سے روکا گیا ہے اگر اس کا لحاظ نہیں کیا جاتا تو وہی اختلاف اور بعض کا بعض پر تاخر وتقدم، باطنی اور واقعی تنافرِ قلوب، حدوثِ کینہ اور وحشت وعداوت کا موجب بن جاتا ہے جس کا اثر بڑھ کر شوکتِ اسلام اور نظام حیات پر پڑتا ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ جب ایک قانونِ شرعی کی نافرمانی ہوتی ہے تو وہ دلوں کی تاریکی وکدورت کا باعث بن جاتی ہے۔

صفوں کی درستگی کے فوائد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی صفوں کی درستی کو نظر انداز نہیں فرمایا، آپ کا

❶ صحیح مسلم: کتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها، ج ۱ ص ۳۲۴، رقم الحديث: ۴۳۶

ارشاد تھا کہ تسویہ صف نماز کے کمال سے ہے، صفیں جس قدر سیدھی اور ہموار ہوتی ہیں اور نمازی جتنا مل کر کھڑے ہوتے ہیں اسی قدر نماز میں کیف ونشاط پیدا ہوتا ہے اور دلوں میں روشنی پیدا ہوتی ہے:

سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلاةِ. ❶

صفیں درست اور برابر کرو کہ یہ چیز کمالِ نماز سے ہے۔

ایک دفعہ اقامت ہو چکی تھی کہ آپ اپنے چہرہ انور سے صفوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ وَتَرَاصُّوا، فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي. ❷

تم اپنی صفیں درست کرو اور مل کر کھڑے ہو جاؤ کیونکہ میں تم کو اپنے پیچھے کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں۔

اس قدرتی نظام میں اس کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ مقتدی ایک منظّم فوج کی طرح اپنے امام کی ماتحتی میں کھڑے ہوں جو امام کے ایک ایک اشارہ کی پابندی کریں، ساتھ ہی اس دینی فوج میں جو احکم الحاکمین کی اطاعت میں صف بستہ ہے کوئی انتشار، پراگندگی، شور وہنگامہ اور نظم وضبط کے خلاف معمولی بات بھی پائی نہ جائے تاکہ شیطان کو خوشی اور حملہ کا کوئی رخنہ نظر نہ آئے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ. (الصف: ۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خاص طور پر پسند کرتا ہے جو اس کے راستہ میں اس

❶ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها، ج ۱ ص ۳۲۴، رقم الحديث: ۴۳۳ ❷ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب إقبال الإمام على الناس عند تسوية الصفوف، ج ۱ ص ۱۴۵، رقم الحديث: ۷۱۹

طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

کہیں سے بھی یہ نظر نہ آئے کہ اس سیسہ پلائی ہوئی دیوار میں کوئی نقص ہے اور ان کا کوئی فرد اپنے امیر اور کمانڈر کے حکم کے ذرہ برابر خلاف ہے، امیر کو ہرگز یہ کہنے پر مجبور نہ کیا جائے:

مَالِی أَرَاكُمْ عِزِينَ. ❶

کیا بات ہے کہ میں تم کو بٹا ہوا دیکھتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بات کھول کر بیان کر دی ہے اور عملی تعلیم دے کرامت کے لئے شاہراہ قائم فرما گئے ہیں، ارشاد فرمایا:

اِسْتَوُوا وَلَا تَخْتَلِفُوا فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ. ❷

برابر کھڑے رہو، اختلاف نہ ہو کہ اس کا اثر تمہارے دلوں پر پڑے گا۔

وَإِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الْأَسْوَاقِ. ❸

صف بندی میں بازار کے سے شور و ہنگامہ سے بچو۔

رُصُّوا صُفُوفَكُمْ وَقَارِبُوا بَيْنَهَا وَحَاذُوا بِالْأَعْنَاقِ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَرَى الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ. ❹

تم اپنی صفوں کو خوب درست کرو، مل مل کر کھڑے ہو اور شانہ سے شانہ ملا رکھو، بخدا میں شیطان کو صفوں کے شگاف میں گھستے دیکھتا ہوں۔

---

❶ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب الأمر بالسكون في الصلاة، ج ١ ص ٣٢٢، رقم الحديث: ٤٣٠ ❷ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها، ج ١ ص ٣٢٣، رقم الحديث: ٤٣٢ ❸ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها، ج ١ ص ٣٢٣، رقم الحديث: ٤٣٢ ❹ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، ج ١ ص ١٧٩، رقم الحديث: ٦٦٧

ان سارے مسائل پر غور وفکر کی نظر دوڑائی جائے، اور ان کی دینی اور دنیاوی حکمتوں کو تلاش کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ ان شرعی قوانین میں کتنے بے شمار فوائد مضمر ہیں۔

جماعت میں امام کا قرب

صفوں میں شریعت نے ترتیب کا لحاظ رکھا ہے کہ امام سے جو جس قدر قریب ہوگا وہ اسی اعتبار سے فضائل کا مستحق قرار پائے گا، چنانچہ حدیث میں ہے کہ نزولِ رحمت کی ابتداء امام سے ہوتی ہے اور وہ بڑھ کر ساری صفوں کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے:

إذا نزلت الرحمة على أهل المسجد بدأت بالإمام، ثم أخذت يمينا ثم عطفت على الصفوف. ❶

اہل مسجد پر نزولِ رحمت کی ابتداء امام سے ہوتی ہے، پھر وہ دائیں اور پھر تمام صفوں پر متوجہ ہوتی ہے۔

معلوم ہوا صفِ اول کو جو امام کے قریب ہوتی ہے دوسری صفوں پر یک گونہ فضیلت حاصل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ صفِ

---

❶ اس روایت کو علامہ دیلمی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۹ھ) نے اپنی کتاب "**الفردوس بمأثور الخطاب: ج ۱ ص ۳۲۹، رقم: ۱۳۰۳**" میں بغیر کسی سند کے نقل کیا ہے، اور ان کے حوالے سے علامہ علی متقی ہندی رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۵ھ) نے اپنی کتاب "**كنز العمال: كتاب الصلاة، الفصل الأول، ج ۷ ص ۵۶۷، رقم: ۲۰۲۹۱**" میں نقل کیا۔ ان دونوں کتابوں کے علاوہ کسی اور محدث نے اس روایت کو نقل نہیں کیا، چونکہ حدیث پر حکم کا دار ومدار سند پر ہوتا ہے، اور اس روایت کی کوئی سند نہیں ہے، سب سے پہلے اس روایت کو امام دیلمی رحمہ اللہ نے پھر ان کے حوالے سے علامہ علی متقی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ اور ان دونوں کتابوں میں سند نہیں ہے۔ تلاشِ بسیار کے باوجود مجھے یہ روایت نہ "متونِ حدیث" میں ملی ہے اور نہ "شروحِ حدیث" میں اور نہ "کتبِ تخریج وزوائد" میں اور نہ "کتبِ علل" میں اور نہ "کتبِ البانی" میں۔ سند کے نہ ہونے کی وجہ سے اس روایت کے بارے میں کوئی حکم بیان نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ اعلم بالصواب

اول کو کیا مرتبہ حاصل ہے تو پھر وہ جس طرح بھی ہو سکے صفِ اول ہی میں جگہ کے حصول کی کوشش کریں:

لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ، ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا. ❶

لوگوں کو اذان اور صفِ اول کی حیثیت کا علم ویقین ہو جائے تو وہ اس کے حصول کی جدوجہد کریں، چاہے قرعہ اندازی کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو۔

امام کے قریب کون لوگ کھڑے ہوں

امام کے قریب ان لوگوں کو کھڑے ہونے کو کہا گیا ہے جن لوگوں میں نیابت کی پوری صلاحیت پائی جاتی ہے، تاکہ ضرورت کے وقت امام کی جگہ اس کے فرائض وہ انجام دے سکیں، حدیث میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے، ارشادِ نبوی ہے:

لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثَلَاثًا. ❷

میرے قریب تم میں سے ذی ہوش اور صاحب علم وفضل کو رہنا چاہئے اور پھر جو ان کے قریب ہوں۔

شاید یہ بھی مقصد ہو کہ ایسا شخص امام سے (جو سب میں زیادہ ذی علم ہوتا ہے) طریقہ نماز اور دوسرے مسائل بآسانی اخذ کر سکے یا اور اس طرح کے دوسرے فوائد بھی ہوں مگر اتنی بات تو عیاں ہوگئی کہ جب امام کی قربت باعثِ فضائل ہے تو صف اول کو اور صفوف پر یقیناً فضیلت حاصل ہوگی کہ وہ امام سے قریب تر ہوتی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے:

❶ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب الاستهام في الأذان، ج ١ ص ١٢٦، رقم الحديث: ٦١٥/ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب فضل النداء والصف الأول، ج ١ ص ٣٢٥، رقم الحديث: ٤٣٧ ❷ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها، ج ١ ص ٣٢٣، رقم الحديث: ٤٣٢

إِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہُ یُصَلُّونَ عَلَی مَیَامِنِ الصُّفُوفِ. ❶

بے شک اللہ تعالی اور اس کے فرشتے دائیں طرف صف میں کھڑے ہونے والوں پر رحمتیں بھیجتے ہیں۔

جذبہ ارتقاء

یہ ترغیب اس لئے بھی ہے کہ نمازی پہلے پہنچ کر صفِ اول میں جگہ حاصل کرنے کی سعی کریں اور اس طرح فضائل اور دوسرے ذرائع سے اجر اور ثواب کے زیادہ سے زیادہ مستحق قرار پا سکیں، ان ساری حدیثوں کے پیشِ نظر یہ فیصلہ سہل ہو جاتا ہے کہ مسجدوں کے اس نظام وحدت میں ارتقا کا جذبہ ابھارا گیا ہے، جہاد کے ایک شعبہ کی مشق کرائی گئی ہے اور امام کی عزت افزائی کی گئی ہے جو سرداری کے فرائض انجام دیتا ہے اور اس طرح لوگوں کو اس کے ساتھ محبت وعقیدت کی تعلیم دی گئی ہے۔

اجتماعیت اور اخوت ومساوات

پس یہ بات واضح ہوگئی کہ صفوں کی مشروعیت میں انفرادی زندگی کا خاتمہ ہے اور اجتماعی زندگی کی دعوت، عدل ومساوات کی تعلیم ہے اور اخوت ومحبت کا سبق، جن کو اشاعتِ اسلام میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

اسلام منفردانہ زندگی کی مذمت کرتا ہے، قانونی طور پر بھی اور عملی نقطہ نظر سے بھی، انتشار، تشتت اور اختلاف ومخاصمت کو وہ ایک منٹ کے لئے برداشت نہیں کرتا اور ہر شعبہ زندگی میں اتحاد واتفاق کا مظاہرہ اس کی سرشت میں داخل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو دیکھ لیتے ہیں کہ وہ جماعت میں شریک نہیں یا صف سے علیحدہ تنِ تنہا کھڑا ہے تو حیرت اور ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے ہیں، چنانچہ ایک دفعہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ صف

❶سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب من يستحب أن يلي الإمام في الصف، ج ١ ص ١٨١، رقم الحديث: ٦٧٦

کے پیچھے اکیلا وتنہا نماز پڑھ رہا ہے تو آپ نے زجر فرمایا اور نماز کے اعادہ کا حکم دیا۔ ❶

امام کا انتخاب

اب غور کرنا ہے کہ مقتدی کو جس امام کی پیروی کی اتنی سخت تاکید ہے اور شریعت نے جس کو یہ مرتبہ عطا کیا ہے کیا وہ جگہ ہر شخص کو علم وفضل کا لحاظ کئے بغیر مل سکتی ہے، ہر ذی عقل یہی کہے گا کہ ایسا کیونکر ہوسکتا ہے، یقیناً اس منصبِ جلیل کے لئے اس جماعت میں سے اس فرد کو منتخب کیا جائے گا جو ان میں بہترین اخلاق واطوار کا ہو، زہد واتقاء کا مالک ہو اور علم وفضل میں سب سے بڑھا ہوا ہو۔

امام کس حیثیت کا ہونا چاہئے

بلا شبہ وہ جب ایک ایسی مرکزی دینی عبادت کا پیشوا ہے جو افضل العبادات ہے، اور ایک ایسے رکن کا ضامن بن رہا ہے جو ارکانِ خمسہ میں دوسرا درجہ رکھتا ہے تو بلا شبہ ایسے شخص کو رذائلِ اخلاق، سوقیانہ اطوار، مذموم عادات اور ہر ایسی خصلتِ بد سے منزہ اور پاک ہونا چاہئے جو شریعت کی نظر میں ناپسندیدہ ہے، ساتھ ہی مکارم اخلاق، صفاتِ محمودہ، خصائلِ پسندیدہ اور خدا شناسی وخدا ترسی کے اوصاف سے متصف بھی ہونا چاہئے۔

جس کو ہم خدا کے سامنے اپنا نمائندہ بنا رہے ہیں، حتی الوسع اس کے انتخاب میں ہمیں عقل وخرد سے کام لینا چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو اس میں بھی ہمارے سامنے وراثت وخاندان اور حسب ونسب کا غلط مسئلہ آجائے، امیر وفقیر کی بات دھوکہ دے جائے جس کی پروردگار عالم نے مذمت فرمائی ہے، بلکہ ان سب سے بالاتر ہو کر ہماری نگاہ اللہ تعالی کے فرمان اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی راہ پر ہو، یہ وہ عہدہ جلیلہ ہے جسے خود

❶ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب الرجل يصلي وحده خلف الصف، ج ١ ص ١٨٢، رقم الحديث: ٦٨٢

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات سے زینت بخشی ہے، اور اس وقت تک جب تک ہوش وحواس نے ساتھ دیا خود ہی زینت بخشتے ہے، مرض الوفات والی حدیث کے ضمن میں طبری کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

إِنَّمَا فَعَلَ ذَلِکَ لِئَلَّا يَعْذُرَ أَحَدٌ مِنَ الْأَئِمَّةِ بَعْدَهُ نَفْسَهُ بِأَدْنَى عُذْرٍ فَيَتَخَلَّفَ عَنِ الْإِمَامَةِ. ❶

یہ تو آپ نے اس لئے کیا تا کہ آئندہ کوئی امام ادنی عذر کو حیلہ بنا کر امامت سے کترانہ جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امامت کے لئے ایک جامع شخصیت کی نامزدگی

آپ جب مرض سے نڈھال ہو گئے اور بار بار سعی کے باوجود غشی پر غشی آتی رہی تو آپ نے اس جگہ کے لئے اپنا قائم مقام اور خلیفہ اس فرد کو بنایا جو عالم انسانی میں انبیاء ورسل کے بعد افضل ترین تھا، جن کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں ''اعلم'' ہونے کا درجہ حاصل تھا، یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آپ نے اپنی جگہ عطا فرمائی، آپ کی بعض ازواجِ مطہرات نے فاروق اعظم کے نام کی سفارش کی اور باصرار وتکرار کی، مگر آپ نے اس مشورہ کو رد فرما دیا اور اس سلسلہ میں ایک جملہ فرما کر اس جرأت پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے امامت فرمائی۔

اس مرض الوفات کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ تین دفعہ آپ نے پانی رکھنے کا حکم فرمایا مگر ہر بار غشی کا دورہ پڑتا رہا، مسجد کی حاضری سے جب مایوسی ہوگئی تو آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے کہلا بھیجا، قاصد جب یہ پیام لے کر پہنچا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ

❶ فتح الباري: كتاب الأذان، باب حد المريض أن يشهد الجماعة، ج ٢ ص ١٥٦

سے فرمایا ''يا عمر صلّ بالناس'' (اے عمر! لوگوں کو نماز پڑھایئے) یہ سن کر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ سے فرمایا ''أنت أحق بذلك'' (آپ ہی اس کام کے زیادہ لائق اور مناسب ہیں) چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی نے امامت کی۔ ❶

امام کے لئے کامل الفقہ ہونے کی ضرورت

یہ واقعات شاہد ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابِ کبار نے واضح طور پر اس مسئلہ کو بیان کر دیا کہ امامت قوم کے بہترین فرد کا حصہ ہے، اور یہ عظیم الشان ذمہ داری اس شخص پر ڈالی جائے جو ہر طرح اس عہدہ جلیلہ کا مستحق ہو، نیز وہ علم وفضل اور جلالتِ شان میں اپنا نمایاں درجہ رکھتا ہو، غالباً یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے مستحقین امامت میں اعلم الناس کو اول درجہ دیا ہے، اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

فَقَدْ يَعْرِضُ فِي الصَّلَاةِ أَمْرٌ لَا يَقْدِرُ عَلَى مُرَاعَاةِ الصَّلَاةِ فِيهِ إِلَّا كَامِلُ الْفِقْهِ وَلِهَذَا قَدَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا بَكْرٍ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْبَاقِينَ مَعَ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصَّ عَلَى أَنَّ غَيْرَهُ أَقْرَأُ مِنْهُ كَأَنَّهُ عَنَى حَدِيثَ أَقْرَؤُكُمْ أُبَيٌّ. ❷

نماز میں کبھی ایسی بات پیش آجاتی ہے جس کی رعایت سوائے کامل الفقہ کے اور کسی کے بس میں بات نہیں، یہی وجہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بقیہ لوگوں پر نماز کے باب میں ترجیح دی، باوجود اس بات کے کہ آپ نے ان کے غیر کے متعلق اقرأ ہونے کی تصریح فرمائی ہے یعنی اُبی کو تلاوت قرآن کا ماہر فرمایا ہے۔

❶ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر من مرض، ج ۱ ص ۳۱۱، رقم الحديث: ۴۱۸ ❷ فتح الباري: كتاب الأذان، باب إذا استووا في القراءة فليؤمهم أكبرهم، ج ۲ ص ۱۷۱

یہ بات بالکل درست ہے کہ امام کو مسائل نماز سے پوری واقفیت ہونی چاہئے تا کہ وہ نماز کو اس کے پورے حقوق کے ساتھ ادا کر سکے، موجود اصطلاحی حفاظ وقراء جو صرف قرآنِ پاک زبانی یاد کئے ہوتے ہیں اور عموماً ضروری مسائل سے واقفیت جیسی چاہئے نہیں رکھتے، ان کو عالم پر کسی طرح امامت میں فضیلت نہیں دی جاسکتی جیسا کہ عوام کبھی کبھی ''یؤم القوم أقرؤهم بکتاب الله'' والی حدیث سے دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

عہد صحابہ میں شعبہ امامت کی اہمیت

جو کچھ عرض کیا گیا اس سے اتنی بات تو خوب دل نشین ہوگئی ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دورِ حیات میں اس شعبہ کو کیا حیثیت دی، اس کے بعد عہد صحابہ پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ ان عاشقانِ رسول نے اس مسئلہ میں بھی آپ کی ہدایت وراہنمائی پر پورا پورا عمل کیا، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ خلافت کے فرائض کے ساتھ امامت کے منصب پر بھی زندگی بھر فائز رہے، اور جو والی اور امام منتخب کیا وہ ہر اعتبار سے لائق، اور اپنا حال تو یہ ہوا کہ آخر کار امامت کرتے ہوئے ہی جام شہادت نوش فرمایا، آپ کے بعد حضرت عثمانِ غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا بھی اس باب میں یہی طرز عمل رہا، یہی نہیں بلکہ خلافتِ راشدہ کے دور میں جتنے بھی والی اور گورنر منتخب کر کے دوسرے مقامات میں بھیجے گئے سبھوں نے اس منصب کو بھی سنبھالا، گویا ان کے فرائض میں نماز کی امامت بھی داخل تھی جس سے وہ کنارہ کشی نہیں کر سکتے تھے، تاریخ بتاتی ہے کہ اس دور کے بعد بھی امامت گورنروں کے فرائض میں داخل رہی، ایک انگریز مسٹر ٹامس آرنلڈ خلافت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

خلیفہ کے سیاسی فرمانروا ہونے کا مفہوم یہ تھا کہ وہ مذہبی اور سیاسی دو قسم کے اختیارات کا حامل ہے، مذہبی حیثیت سے اس کی حکومت کا حقیقی مقصد صرف دین کا تحفظ تھا، حامی دین کی حیثیت سے وہ جنگ کرتا تھا، مذہب کا صدمہ پہنچانے والے افراد کو سزائیں دیتا تھا، نماز میں امامت، جمعہ کا خطبہ دینا بھی اس کا ایک منصبی فرض تھا۔ (۱)

(۱) مسلمانوں کا نظام مملکت: ص ۲۰۷

غور کیجئے یہی وہ شعبہ ہے جس کے متعلق رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْإِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ، اَللّٰهُمَّ أَرْشِدِ الْأَئِمَّةَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِينَ. ❶

امام ضامن اور مؤذن امین ہے، اے اللہ! اماموں کو ہدایت فرما اور مؤذنوں کی مغفرت فرما۔

امام احمد رحمہ اللہ اور انتخابِ امام

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام جس شعبہ کا کفیل اور ضامن قرار دیا گیا ہے، وہ آپ کی نظر میں بہت اہم ہے اور اسی اہمیت کے پیش نظر آپ نے اس کے لئے رشد وہدایت کی دعا فرمائی ہے، امام احمد رحمہ اللہ بابِ امامت کی احادیث کے مدنظر فیصلہ فرماتے ہیں:

ومن الحق الواجب على المسلمين أن يقدموا خيارهم، وأهل الدين والأفضل منهم أهل العلم بالله، الذين يخافون الله. ❷

مسلمانوں پر واجب ہے کہ امام ان کو بنائیں جوان میں سب سے بہتر اور دیندار ہوں اور افضل ترین وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالی کا علم ویقین رکھتے ہیں اور اس کی خشیت سے ان کا سینہ معمور رہتا ہے۔

جلیل القدر محدث اور ایک امام کے الفاظ بار بار پڑھئے، ان سے کتنی اہمیت ٹپکتی ہے، امام نماز کی اہمیت اور اس کی حیثیت کا کتنے بلند پیرایہ میں تذکرہ فرماتے ہیں اور قوم پر کس قدر اس کی ذمہ داری عائد کرتے ہیں، کوئی بات تو ہے جو اس شدت پر اتار رہی ہے۔

پھر اس کے بعد فوراً فرماتے ہیں:

❶ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب ما يجب على المؤذن من تعاهد الوقت، ج ١ ص ١٤٣، رقم الحديث: ٥١٧/ سنن الترمذي: أبواب الصلاة، باب ما جاء أن الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن، ج ١ ص ٤٠٣، رقم الحديث: ٢٠٧

❷ كتاب الصلاة للإمام أحمد: ص ٤٧

إذا أم الرجل القوم وفيهم من هو خير منه لم يزالوا فی سفال. ❶

حدیث میں ہے کہ جب قوم کی امامت ایک ادنی شخص کرتا ہے اوراس کے پیچھے اس سے افضل موجود ہوتا ہے تو ایسی قوم ہمیشہ پستی میں رہتی ہے۔

خودامام پرذمہ داری

یہی نہیں کہ ایسی قوم جو اپنے افضل کو چھوڑ کر ادنی کو اپنا امام اور پیشوا بناتی ہے، ہمیشہ پستی میں رہتی ہے بلکہ پھر ذلت وخواری بھی اس کے لئے لازمی ہے،خود امام پر یہ ذمہ داری ہے کہ قوم اسے کسی شرعی امر مذموم کی وجہ سے امامت کے لئے قبول نہیں کرتی تو اُسے امامت سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ ایسے شخص کی نماز کی قبولیت میں شبہ ہے، بلکہ حدیث کا فیصلہ ہے:

ثَلاثَةٌ لا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنهُمْ صَلاةً،مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ،وَرَجُلٌ أَتَى الصَّلاةَ دِبَارًا وَالدِّبَارُ أَنْ يَأْتِيهَا بَعْدَ أَنْ تَفُوتَهُ،وَرَجُلٌ اعْتَبَدَ مُحَرَّرَهُ. ❷

تین شخصوں کی نماز اللہ تعالی قبول نہیں فرماتا، ایک وہ امام جس کولوگ ناپسند کرتے ہیں، دوسرا جو اخیر میں نماز کے لئے آتا ہے کہ اس کی نماز چھوٹ جاتی ہے، اور تیسرا وہ شخص جو آزاد کو غلام بناتا ہے۔

ان ساری حدیثوں پر غور کیجئے اور امام کی حیثیت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے، آج کل ہمارے اس زمانہ میں جو سلوک اس شعبہ کے ساتھ ہوتا رہتا ہے اس کو بھی سامنے رکھئے۔

موجودہ دوراور شعبہ امامت

ضرورت ہے اس دور میں بھی اس سنت کو زندہ کیا جائے اور ہر مسجد کا امام اس حیثیت کا مقرر کیا جائے جو اس اصول پر پورا اترے، ساتھ ہی وہ تبلیغ دین اور اشاعتِ علوم

❶ كتاب الصلاة: ص ٧٢ ❷ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، ج ١ ص ١٦٢، رقم الحديث: ٥٩٣

کے فرائض انجام دے سکے، اس میں ہر حیثیت سے اتنی صلاحیت ہو کہ قوم اس کو اپنا پیشوا بنا سکے اور وہ حدیث کے معیار پر بھی پورا اُترے۔

ایک عرصہ پہلے اس کا احساس حضرت مولانا سید احمد بریلوی رحمہ اللہ کو ہوا تھا اور آپ نے اس سنت کے طریقے کو زندہ فرمانے کی سعی فرمائی تھی، چنانچہ آپ کا یہ دستور تھا کہ اپنے زمانہ میں امام معیاری مقرر فرماتے تھے اور ان کو اس حلقہ کا ذمہ دار بنا دیا جاتا تھا جس حلقہ کی وہ امامت کرتا تھا اور کئی مسجدوں کو ملا کر ایک مناسب مسجد کو جامع مسجد کی حیثیت دے کر اس کے امام کو سیشن جج قرار دے دیا جاتا تھا۔ ''تذکرہ صادقہ'' میں مذکور ہے:

لوگوں کے اصلاحِ حال اور فیصلہ طاغوتی سے بچنے کے لئے ضرورت تھی کہ جہاں لوگوں کو فساد و فتن سے روکا جائے وہاں ان میں عدل و تصفح کی روح بھی پھونکی جائے اور ان کے ناگزیر تنازع اور پیچیدہ مسائل کے محاکمہ اور فیصل کے لئے کوئی صورت قائم کر دی جائے اور ساتھ ہی ساتھ ''شاورهم في الأمر'' کی سنت بھی ادا ہو سکے۔

چنانچہ جب ہر ایک بستی میں جہاں مسجد موجود ہوتی وہاں امام مقرر کرتے، اور جہاں مسجد نہ ہوتی وہاں بھی تعمیر کرا دیتے، اور فصلِ خصومات کا بار اُسی کے شانے پر رکھتے ہیں، چار پانچ کوس کے حلقے میں کسی مسجد کو جامع مسجد قرار دے کر ایک تعلیم یافتہ، متدین امام کے سپرد کر دیتے اور امام بمنزلہ سیشن جج متصور ہوتا، اگر اس پر لوگوں کی تسکین خاطر نہ ہوتی تو متخاصمین کی اپیل پر بذاتِ خود ان مقامات پر پہنچ کر فصل تنازعہ فرماتے اور ملفوظات کیمیاء پُر اثر سے تالیفِ قلوب فرماتے۔ ❶

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شہید رحمہ اللہ نے مسجدوں کے قدرتی نظام کو خوب سمجھا تھا اور اس نظام کی روح کو جو عرصہ سے مردہ ہو گئی تھی دوبارہ زندگی بخشنا چاہتے تھے، اے کاش! مسلمانوں کی سوئی ہوئی بستی جاگے اور اس قدرتی نظام کو سمجھنے کی کوشش کرے اور ساتھ ہی

❶ ہندوستان میں پہلی اسلامی تحریک: ص ۵۹، ۶۰

ساتھ اس کو بروئے کار لانے کی عملی جدوجہد شروع کردے۔

امام اور اس کے فرائض

ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ایسے فرد کو بنایا جائے جو عالم باعمل اور خدا ترس ہو اور اس کو اپنی ذمہ داری کا پورا احساس ہو کیونکہ اس کے فرائض بڑے اہم اور نہایت نازک ہیں، ذرا سی غلطی سے پونجی کے لُٹ جانے کا خطرہ ہے، یقینی طور پر وہ اس دینی عبادت میں تمام اہلِ مسجد کا امیر ہوتا ہے اور سب کی طرف سے نمائندہ بن کر وہی رب العزت سے مناجات کرتا ہے، اس نے اگر اپنی ذمہ داری کے احساس کے ساتھ فرائض کی ادائیگی میں سعی پیہم کی اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ اسے بجالایا تو وہ عنداللہ اجر جزیل کا مستحق ہوگا اور انجام کار کامیاب وبامراد ہوگا، اور اگر خدانخواستہ اس نے کوتاہی کو راہ دی، اخلاص کی روح کو زخمی کیا اور حق پیشوائی کی بجا آوری میں جدوجہد سے کام نہ لیا تو پھر اس کے لئے خسران وناکامی کی ذلت ہے۔

صفوں کی نگرانی

مصلے پر پہنچتے ہی اس کو دیکھنا ہوگا صفیں درست اور مرتب ہیں یا نہیں، وہ شریعت کے قوانین پر پوری اترتی ہیں یا نہیں، یوں تو مقتدی کا فریضہ ہے ہی کہ وہ شرعی ہیئت کے ساتھ کھڑا ہو مگر امام اس کی مزید نگرانی کرے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود صفوں کو درست اور برابر فرماتے اور ادھر سے مطمئن ہو کر تکبیر تحریمہ کہتے، چنانچہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّى صُفُوفَنَا إِذَا قُمْنَا لِلصَّلَاةِ فَإِذَا اسْتَوَيْنَا كَبَّرَ. [1]

[1] سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، ج ١ ص ١٧٨، رقم الحديث: ٦٦٥

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو برابر فرماتے تھے، جب ہم لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے اور جب ہم برابر ہو جاتے تو آپ تکبیر کہتے تھے۔

دائیں اور بائیں صفوں کو دیکھ کر فرماتے: سیدھے کھڑے ہو اور اپنی صفوں کو شرعی حیثیت کے مطابق درست کرلو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ أَخَذَهُ بِيَمِينِهِ ثُمَّ الْتَفَتَ، فَقَالَ: اِعْتَدِلُوا سَوُّوا صُفُوفَكُمْ ثُمَّ أَخَذَهُ بِيَسَارِهِ، فَقَالَ: اِعْتَدِلُوا سَوُّوا صُفُوفَكُمْ. ❶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں طرف متوجہ ہو کر فرماتے ٹھیک طور پر کھڑے ہو جاؤ اور اپنی صفوں کو درست کرلو، اور بائیں جانب متوجہ ہو کر فرماتے درست ہو جاؤ اور اپنی صفوں کو ٹھیک کرلو۔

اس قدر تو خود کرتے، مزید برآں حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو مؤذن تھے ان کی ڈیوٹی مقرر فرمادی تھی کہ وہ صفوں کو درست کرائیں اور وہ بھی یہ فریضہ انجام دیتے تھے:

إن بلالا كان يسوي الصفوف ويضرب عواقيبهم بالدرة حتى يستووا. ❷

حضرت بلال رضی اللہ عنہ صفوں کو درست فرماتے اور دُرّہ مار کر ان کی ایڑیوں کو سیدھی کرتے تھے تا آنکہ وہ برابر ہو جاتے۔

فاروقِ اعظم کا اہتمام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے زمانہ میں اس اہتمام کو باقی رکھا، چنانچہ حضرت عمر فاروق کا دستور تھا کہ نماز شروع کرنے سے پہلے صفوں کی دیکھ بھال کر لیتے اور

❶ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، ج ۱ ص ۱۷۹، رقم الحديث: ٦٧٠

❷ كتاب الصلاة للإمام أحمد: ص ۱۱

صفوں کو درستی کے بعد نماز شروع کرتے، بلکہ آپ نے بھی ایک مستقل آدمی اس کام کے لئے مقرر کر دیا تھا جو صف میں گھوم کر دیکھتا اور آ کر درستی کی خبر دیتا۔

حضرت احمد بن حنبل رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر محدث کا بیان ہے:

جاء عن عمر أنه كان يقوم مقام الإمام لا يكبر حتى يأتيه رجل قد وكله بإقامة الصفوف فيخبره أنهم قد استووا فكبر وجاء عن عمر بن عبد العزيز هكذا. ❶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آیا ہے کہ وہ مصلے پر آ کر کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک تکبیر نہیں کہتے تھے جب تک ایک آدمی جو اس کام پر مقرر تھا آ کر خبر نہ کرتا کہ صف درست اور لوگ برابر ہو گئے، جب یہ اطلاع مل جاتی تو تکبیر کہتے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا بھی یہی دستور بیان کیا گیا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ صفوں کی درستی کے باب میں بہت سخت تھے، صف میں جو بھی ناہمواری پیدا کرتا اس کو سزا فرماتے، اس باب میں کسی کی رعایت ملحوظ خاطر نہ تھی۔ حضرت میمون رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جس دن نماز میں نیزہ مارا گیا میں موجود تھا مگر صفِ اول میں اس لئے نہیں کھڑا ہوا تھا کہ آپ سے ڈرتا تھا، کیونکہ آپ کا دستور تھا کہ اگلی صف کو جب تک خود نہیں دیکھ لیتے تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے اور جب کسی کو صف میں بے قاعدہ آگے پیچھے کھڑا دیکھتے اس کو دُرّہ لگاتے۔ ❷

ان واقعات سے یہ بات محقق طور پر معلوم ہوئی کہ امام مسجد پر صفوں کی درستی کی بڑی ذمہ داری ہے اور اس کے فرائض میں ان کی دیکھ بھال بھی داخل ہے۔

امام مقتدیوں کا لحاظ رکھے

بہر حال جب صفیں خوب درست ہو جائیں تو اب امام نماز شروع کرے گا، اور اپنی

❶ كتاب الصلاة للإمام أحمد: ص ١٧ ❷ الإمامة والسياسة لابن قتيبة: ج ١ ص ٢١

ذمہ داری کے ساتھ پڑھائے گا، جس میں مقتدیوں کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے، اس لئے کہ جماعت میں ہر طرح کے نمازی ہوتے ہیں، کتنے ضعیف اور بوڑھے ہوتے ہیں اور کتنے بیمار اور کمزور، ان میں سے ہر ایک کے حال کا لحاظ رکھنا امام کے فریضہ میں داخل ہے، اس میں شبہ نہیں کہ لحاظ اسی حد تک جائز ہے جو طریقہ سنت کے حدود میں ہو، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ مِنْهُمُ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالكَبِيرَ، وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ. ❶

تم میں سے کوئی جب لوگوں کی امامت کرے تو اُسے چاہئے کہ ہلکی نماز پڑھائے، کیونکہ ان میں بیمار کمزور اور بوڑھے سبھی ہوتے ہیں، البتہ جب اکیلا پڑھے تو پھر جتنی لمبی نماز چاہے پڑھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقتدیوں کا لحاظ رکھنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ان کا لحاظ فرماتے تھے، کسی بچہ کے رونے کی آواز جب پہنچتی تو نماز مختصر فرمادیتے۔ ❷

مگر یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب عورتوں کو مسجد آنے کی اجازت تھی، یوں بھی آپ ایسی ہی نماز پڑھاتے جس سے مقتدی اُکتا نہ جائیں اور اس طرح ان کے خشوع وخضوع میں فرق نہ پڑنے پائے، حضرت انس رضی اللہ عنہ جن کو آپ کی خدمت کرنے کا شرف حاصل تھا، فرماتے ہیں:

---

❶صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب إذا صلى نفسه فليطول ما شاء، ج ١ ص ١٤٢، رقم الحديث: ٧٠٣ ❷صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب من أخف الصلاة عند بكاء الصبى، ج ١ ص ١٤٣، رقم الحديث: ٧٠٨

مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ إِمَامٍ قَطُّ أَخَفَّ صَلَاةً، وَ لَا أَتَمَّ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. ❶

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جتنی ہلکی اور کامل نماز پڑھی کسی اور کے پیچھے کبھی بھی نہیں پڑھی۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امام کو ہدایت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں سے یہ شکایت پہنچتی کہ کوئی امام قرأت زیادہ لمبی کرتا ہے جس سے مقتدی اکتا جاتے ہیں اور جماعت سے نماز پڑھنے میں تأمل کرتے ہیں تو آپ بہت خفا ہوتے۔ ایک دفعہ ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں یہ شکایت پہنچائی کہ میں فلاں امام کی طویل قرأت کی وجہ سے صبح کی جماعت میں شرکت کرنے سے معذور رہتا ہوں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ آپ یہ سن کر اس قدر خفا ہوئے کہ اس سے پہلے نصیحت کے باب میں ہم لوگوں نے اس طرح کی خفگی کا اظہار دیکھا ہی نہیں تھا، اس موقع پر آپ نے فرمایا:

إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ، فَأَيُّكُمْ أَمَّ النَّاسَ فَلْيُوجِزْ فَإِنَّ مِنْ وَرَائِهِ الْكَبِيرَ وَالضَّعِيفَ وَذَا الْحَاجَةِ. ❷

تم میں سے کچھ لوگ نفرت پیدا کرنے والے ہیں، تم میں جو بھی امامت کرے وہ مختصر اور ہلکی نماز پڑھائے، کیونکہ ان میں کمزور، بوڑھے اور ضرورت مند بھی ہیں۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے متعلق حدیث میں صراحتاً مذکور ہے کہ وہ نماز بہت لمبی پڑھاتے تھے، جو اس وقت کے ذوق کے بھی مناسب تھی، مگر کسی ایک

❶ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب من أخف الصلاة عند بكاء الصبي، ج ۱ ص ۱۴۳، رقم الحديث: ۷۰۸ ❷ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، ج ۱ ص ۳۴۰، رقم الحديث: ۴۶۶

فرد پر یہ نماز گراں گزری، جو محنت اور مزدوری کے کام کرتے تھے، یہ خبر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا:

أَفَتَّانٌ أَنْتَ يَا مُعَاذُ؟ ❶

کیوں جی معاذ! تم فتنہ انگیزی کرتے ہو؟

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آخری عہد جو مجھ سے لیا گیا وہ یہ تھا کہ جب امامت کروں تو حدودِ سنت کے اندر رہ کر ہلکی نماز پڑھاؤں۔ ❷

نماز میں تخفیف کا مطلب

جو کچھ عرض کیا گیا اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ قرأت اور تسبیحات مسنونہ چھوڑ دی جائیں، سنن وآداب نماز کی رعایت ترک کردی جائے، اور واجبات وفرائض میں کسی طرح کی کوتاہی برتی جائے، بلکہ ماحصل یہ تھا کہ ادائیگی نماز کا جو سنت طریقہ ہے اس کے اندر رہ کر سب کچھ کیا جائے، تاکہ نماز پڑھنے والا ''یُسر'' کو ''عُسر'' محسوس کرنے نہ پائے۔

اس مسئلہ کو خوب سمجھ لیجئے کہ تخفیفِ صلوۃ (ہلکی نماز) کا مطلب شرعاً کیا ہے آج کل دین سے جو بے رغبتی ہے اور عبادات میں جیسی سُستی پیدا ہوتی جارہی ہے اس کی وجہ سے عموماً لوگ دھوکے میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور تخفیف کے جو معنی ہیں اُسے صحیح طور پر نہیں سمجھتے۔

یہ مسئلہ ایسا ہرگز نہیں ہے جو شریعت میں مصرح نہیں کہ جس کی مجبوری کی وجہ سے قیاس سے کام لینا پڑے یا کسی شخص یا شہر یا جماعت کی عادت پر محمول کیا جائے یا محض امام اور مقتدی کی رائے پر چھوڑ دیا جائے، کتبِ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پوری ہیئت کے ساتھ مذکور ہے، اور ایک ایک بات کی تفصیل موجود ہے، ابھی حضرت انس

❶ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب من شكا إمامه إذا طوّل، ج ١ ص ١٤٢، رقم الحديث: ٧٠٥ ❷ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، ج ١ ص ٣٤٢، رقم الحديث: ٤٦٨

رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ آپ کے پیچھے جو نماز میں نے پڑھی وہ ایک طرف اگر ہلکی تھی تو دوسری طرف کامل وتام بھی تھی، جس سے واضح ہے کہ تخفیف کے ساتھ اتمام وکمالِ نماز بھی مطلوب ہے اور کھلی بات ہے کہ کمال میں تعدیلِ ارکان، سنن وآداب کی رعایت اور نماز کے دوسرے حقوق بھی داخل ہیں، پنج وقتہ نماز کی قرأت حدیثوں میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

قرأت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

صبح کی نماز میں مقدارِ قرأت کیا تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول کیا تھا، اس سلسلہ میں چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں، حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَكَانَ صَلَاتُهُ بَعْدُ تَخْفِيفًا. ❶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں سورہ ''ق والقرآن المجید'' اور اسی طرح کی سورتیں پڑھتے تھے، اب تک آپ کی نماز ہلکی تھی۔

حضرت عمر بن حریث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی نماز میں ''وَاللَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ'' پڑھتے ہوئے سنا۔ ❷

حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں ہم لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی جس میں سورہ مؤمنون کی تلاوت شروع کی جب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام یا عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ تک پہنچے تو آپ کو کھانسی شروع

❶ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب القراءة في الصبح، ج ١ ص ٣٣٧، رقم الحديث: ٤٥٨ ❷ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب القراءة في الصبح، ج ١ ص ٣٣٦، رقم الحديث: ٤٥٥

ہوگئی، چنانچہ وہیں رکوع میں چلے گئے۔ ❶

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الصُّبْحِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ: بِآلَم تَنْزِيلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى، وَفِي الثَّانِيَةِ هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ. ❷

جمعہ کے دن فجر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ''الم تنزیل'' پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں ''هل أتى على الإنسان''

یہ سب صحیحین کی حدیثیں ہیں جن سے فجر کی مقدارِ قرأت خوب اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے اور جو کچھ عرض کیا گیا وہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ہے۔

ظہر وعصر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت

ظہر اور عصر کی نمازوں میں آپ کی قرأت کی جو مقدار تھی وہ بھی حدیث میں مذکور ہے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اپنا اندازہ بیان کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر قائم کیا تھا:

كُنَّا نَحْزِرُ قِيَامَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ قَدْرَ قِرَاءَةِ الم تَنْزِيلُ السَّجْدَةِ وفِي رِوَايَةٍ قَدْرَ ثَلَاثِينَ آيَةً. ❸

ظہر اور عصر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کا اندازہ ہم لوگ لگاتے

---

❶ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب القراءة في الصبح، ج ١ ص ٣٣٦، رقم الحديث: ٤٥٥ ❷ صحيح البخاري: كتاب الجمعة، باب ما يقرأ في صلاة الفجر يوم الجمعة، ج ٢ ص ٥، رقم الحديث: ٨٩١/ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب ما يقرأ في يوم الجمعة، ج ١ ص ٥٩٩، رقم الحديث: ٨٨٥ ❸ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب القراءة في الظهر والعصر، ج ١ ص ٣٣٣، رقم الحديث: ٤٥٢

تھے، ہمارا اندازہ ہے کہ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں آپ ''الم تنزیل السجدة '' کی قرأت کے مقدار قیام فرماتے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ ہر رکعت میں تیس آیت کی مقدار پڑھتے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر میں ''والليل إذا يغشى '' پڑھتے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ ''سبح اسم ربك الأعلى '' تلاوت فرماتے، اور عصر میں اسی کے لگ بھگ اور فجر میں اس سے بہت زیادہ لمبی سورت پڑھتے تھے۔ ❶

مغرب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت

نماز مغرب میں سورہ طور پڑھنا ثابت ہے، سورہ مرسلات بھی آپ نے پڑھی ہے، حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِالطُّورِ فِي الْمَغْرِبِ. ❷

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب میں سورہ طور پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

سَمِعْتُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهَا فِي الْمَغْرِبِ وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا. ❸

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ہے کہ آپ مغرب میں سورہ مرسلات

❶ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب القراءة في الصبح، ج ١ ص ٣٢٧، رقم الحديث: ٤٥٩ ❷ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب القراءة في الصبح، ج ١ ص ٣٣٨، رقم الحديث: ٤٦٣ ❸ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب القراءة في المغرب، ج ١ ص ١٥٣، رقم الحديث: ٧٦٣/ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب القراءة في الصبح، ج ١ ص ٣٣٨، رقم الحديث: ٤٦٢

پڑھتے تھے۔

عشاء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت

عشاء کے متعلق حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ گزر چکا ہے کہ ایک دفعہ ان کی لمبی قرأت کی شکایت دربارِ رسالت میں پہنچی تھی تو آپ بہت خفا ہوئے تھے اور فرمایا تھا کہ ''أَفَتَّانٌ أَنْتَ'' (کیا تم فتنہ انگیز ہو) اسی حدیث میں آپ کا یہ ارشاد بھی مذکور ہے:

اِقْرَأْ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا، وَالضُّحَى، وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى، وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى. ❶

تم (عشاء میں) ''والشمس وضحاها'' ''والضحى'' ''والليل إذا يغشى'' اور ''سبح اسم ربک الأعلى'' پڑھا کرو۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عشاء میں سورہ ''والتين والزيتون'' پڑھتے ہوئے سنا ہے، میں نے آپ سے بڑھ کر اور کسی کو خوش آواز نہیں دیکھا۔ ❷

یہ ساری تفصیل آپ کے سامنے ہے، اس کاوش کا مقصد یہ ہے کہ تخفیفِ صلوۃ کا جو مطلب آج کل بعض لوگ سمجھتے ہیں وہ کس قدر غلط ہے، ان مذکورہ بالا حدیثوں سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں ہلکی نماز کا کیا مطلب ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ ہم کو ہلکی نماز کا حکم فرماتے تھے اور جب انہوں نے عملی مثال بیان کی تو یہ کہ آپ سورہ صافات کے ساتھ امامت فرماتے تھے۔ ❸

---

❶ صحیح مسلم: کتاب الصلاة، باب القراءة في العشاء، ج ١ ص ٣٣٩، رقم الحديث: ٤٦٥ ❷ صحیح البخاري: كتاب الأذان، باب القراءة في العشاء، ج ١ ص ١٥٣، رقم الحديث: ٧٦٩ ❸ سنن النسائي: كتاب الإمامة، الرخصة للإمام في التطويل، ج ١ ص ٩٥، رقم الحديث: ٨٢٦

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیتِ قرأت

یہ تو ہر نماز میں آیتوں کی تعداد کے اندازہ لگانے کے لئے نقل کیا گیا ہے، علاوہ ازیں پڑھنے کا طریقہ بھی جاننا ضروری ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک پڑھنے کا کیا طریقہ اختیار فرما رکھا تھا، اس سلسلہ میں سب سے پہلے قرآن کا یہ فرمان یاد رکھنا چاہیئے:

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا. (المزمل: ۴)

جس کا منشأ یہ ہے کہ آپ کو ترتیل اور ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھنے کا حکم تھا جس کی آپ پوری پوری پیروی فرماتے تھے، تیز پڑھنے کا کبھی بھی آپ کا معمول معلوم نہیں ہوتا ہے، جس سے قرآن پاک کے کلمات پورے طور پر ادا نہ ہوسکیں یا سننے والا اچھی طرح کلمات سمجھ نہ سکے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَأَ يُقَطِّعُ آيَةً آيَةً: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. ❶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تلاوت فرماتے تھے تو ایک ایک آیت علیحدہ کر کے پڑھتے تھے، ''بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم'' پھر ''الحمد للّٰہ رب العالمین'' پھر ''الرحمن الرحیم'' (ایک آیت کو دوسری کے ساتھ نہیں ملاتے تھے)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو دیکھا آپ کی قرأت اعتدال کے ساتھ تھی، نہ پست تھی نہ بلند، رُک رُک کر پڑھتے اور ترتیل کا پورا لحاظ فرماتے تھے۔ ❷

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے

❶ مختصر قيام الليل للمروزي: باب الترتيل في القراءة، ج ۱ ص ۱۳۱

❷ مختصر قيام الليل للمروزي: باب الترتيل في القراءة، ج ۱ ص ۱۳۱

متعلق فرماتی ہیں کہ کوئی سورت جب آپ پڑھتے تو ترتیل کے ساتھ پڑھتے، جس سے سورت لمبی سے لمبی معلوم ہوتی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور روایت میں ہے کہ ایک ایک حرف الگ الگ کر کے پڑھتے۔ ❶

صحابہ کرام کی ترتیلِ قرأت

ان حدیثوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے کہ آپ کے پڑھنے کا کیا دستور تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل بھی مقدارِ قرأت اور ترتیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی جیسا رہا اس لئے کہ یہ حضرات سراپا سوز و عشق تھے، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک دفعہ صبح کی نماز میں سورہ بقرہ پڑھ گئے، آپ سے جب کہا گیا کہ آفتاب تو اب نکلنا ہی چاہتا تھا (مطلب تاخیر اور لمبی سورت کا ذکر تھا) تو آپ نے فرمایا میں آفتاب سے غافل نہ تھا، آپ کی مراد یہ تھی کہ اس کا خیال واندازہ بھی تھا۔ ❷

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا کچھ یہی معمول تھا، کیونکہ آپ کے متعلق آیا ہے کہ آپ فجر کی نماز میں سورہ نحل، یوسف، ہود، یونس، بنی اسرائیل اور اسی طرح کی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ ❸

حضرت علقمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے، آپ قرأت میں ترتیل فرماتے اور صاف صاف تلاوت کرتے، اسی طرح عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے کہ وہ آخری رات کی نماز میں جب قرأت

❶ مختصر قيام الليل للمروزي: باب الترتيل في القراءة، ج ١ ص ١٣١

❷ الصلاة وأحكام تاركها لابن قيم: المسألة العاشرة وهي مقدار صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم، ص ١٣٢ ❸ الصلاة وأحكام تاركها لابن قيم: المسألة العاشرة وهي مقدار صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم، ص ١٣٢

کرتے تو ایک ایک حرف علیحدہ کر کے پڑھتے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قرآن تیز تیز نہ پڑھو جیسا شعر پڑھا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ آیت ''ورتل القرآن ترتیلا '' کی تفسیر فرماتے ہیں ''بیّنه تبيينا'' خوب صاف صاف پڑھو۔ ❶

موقع محل کے لحاظ سے قرأت

اس تفصیل کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہمیشہ لمبی قرأت کی جائے، ضرورت اور مجبوری ہو تو اُسے پس پشت ڈال دیا جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اطمینان کے وقت یہی سنت طریقہ معمول ہونا چاہئے، یوں ضرورت و مجبوری یا کسی اور ضرورت کی وجہ سے قرأت میں کمی کی جاسکتی ہے، خود ذاتِ بابرکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فجر کی نماز میں معوذتین تک پڑھنا ثابت ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں آپ کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھا کہ آپ نے معوذتین کی رغبت دلائی اور اہمیت بتائی اور پھر انہیں تعلیم فرمایا، پھر مجھے خوش کرنے کے لئے ان ہی سورتوں کے ساتھ فجر کی نماز پڑھائی اور فارغ ہونے کے بعد متوجہ ہو کر فرمایا:

يَا عُقْبَةُ، كَيْفَ رَأَيْتَ؟ ❷

اے عقبہ! تو نے کیسے پایا۔

نماز میں تعدیلِ ارکان کا لحاظ ضروری ہے

ان چیزوں کے ساتھ تعدیلِ ارکان بھی ضروری ہے، یعنی رکوع، سجود اور قیام وقعود باطمینان ادا کئے جائیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

❶ مختصر قيام الليل للمروزي: باب الترتيل في القراءة، ج ١ ص ١٣١، ١٣٢ ❷ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب في المعوذتين، ج ٢ ص ٧٣، رقم الحديث: ١٤٦٢

علیہ وسلم ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہتے ہوئے سیدھے کھڑے ہوجاتے اور اس قدر اطمینان سے کھڑے رہتے کہ ہم کو خیال ہوتا کہ آپ بھول گئے اور پھر آپ سجدہ کرتے اور دونوں سجدوں کے درمیان اس طرح بیٹھتے کہ ہم کہتے تھے کہ شاید آپ کو وہم تو نہیں ہوگیا۔ ❶

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کا رکوع، سجدہ، دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور رکوع سے اٹھنا یہ سب تقریباً برابر ہوتا، سوائے قیام کے۔ ❷

حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے زیادہ مشابہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی نماز دیکھی گئی ہے، اور ان کی تسبیحاتِ رکوع وسجود کا اندازہ دس دس ہیں۔ ❸

ایک دفعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھ کر لوگوں کو بتائی، جس کو حضرت ثابت بیان کرتے ہیں کہ ویسی نماز تم کو پڑھتے نہیں دیکھتا ہوں، وہ (انس رضی اللہ عنہ) رکوع سے سر اٹھاتے تو اس طرح سیدھے کھڑے ہوجاتے کہ کہنے والا کہہ اٹھتا کہ بھول گئے، اور پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے اور بیٹھتے تو کہنے والا کہہ اٹھتا کہ یقیناً وہ آگے بھول گئے ہیں۔ ❹

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

إِنَّ أَسْوَأَ النَّاسِ سَرِقَةً الَّذِى يَسْرِقُ صَلَاتَهُ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ وَ كَيْفَ

❶صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب اعتدال أركان الصلاة وتخفيفها، ج ١ ص ٣٤٤، رقم الحديث: ٤٧٣ ❷صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب حد إتمام الركوع والاعتدال فيه والطمأنينة، ج ١ ص ١٥٨، رقم الحديث: ٧٩٢ ❸سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب مقدار الركوع والسجود، ج ١ ص ٢٣٤، رقم الحديث: ٨٨٨/ سنن النسائي: كتاب التطبيق، عدد التسبيح في السجود، ج ٢ ص ٢٢٤، رقم الحديث: ١١٣٥ ❹الصلاة وأحكام تاركها لابن قيم: المسألة العاشرة وهي مقدار صلاة، ص ١٢٧

يَسْرِقُهَا؟قَالَ: لَا يُتِمُّ رُكُوعَهَا وَلَا سُجُودَهَا. ❶

لوگوں میں بدترین چور وہ شخص ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے، صحابہ نے پوچھا نماز کی چوری کیسی؟ آپ نے فرمایا نماز کی چوری اس کا رکوع اور اس کے سجدے پورے طور پر ادا نہ کرنا۔

یہی وجہ ہے کہ بعض امام تعدیلِ ارکان کو فرض تک کہتے ہیں اور وجوب کا درجہ دینا تو لازمی معلوم ہوتا ہے، لہٰذا یہ تمام حدیثیں سامنے رکھی جائیں اور تخفیفِ صلاۃ (ہلکی نماز) کا مطلب سمجھیں، مقتدی کے ساتھ ارکانِ نماز اور حقوق نماز کا لحاظ بھی ضروری ہے، اسی لئے کہا گیا کہ امام کی ذمہ داری بہت اہم اور نازک ہے، اور امام کو جو ضامن کہا گیا ہے اس سے اس کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہئے تاکہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں پورا اتر سکے۔

باطنی اصلاح

جس عظیم الشان عبادت کے ظاہری احکام کی بجا آوری کی تاکید کا یہ عالم ہے بلاشبہ اس کے باطنی احکام کی اہمیت تو اور بھی زیادہ ہوگی، کیونکہ اگر ظاہر کو اعضاء وجوارح کی حیثیت حاصل ہے تو باطن کو قلب کی، پھر اگر قلب ہی میں فساد پیدا ہوجائے تو اعضاء وجوارح کب تک کارآمد رہ سکتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے:

أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً: إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ القَلْبُ. ❷

سنو! جسم میں ایک لوتھڑا ہے جس کی اصلاح سارے جسم کو صالح رکھتی ہے اور اس کا

❶ مسند أحمد: مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، ج١٨ ص٩٠، رقم الحديث: ١١٥٣٢ ❷ صحيح البخاري: كتاب الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، ج١ ص٢٠، رقم الحديث: ٥٢/ صحيح مسلم: كتاب الطلاق، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ج٣ ص١٢١٩، رقم الحديث: ١٥٩٩

فسادکل جسم کو بگاڑ دیتا ہے اور سنو وہ دل ہے۔

اس دل پر احسان کی پوری کیفیت طاری ہونی چاہئے جو جسم کا سلطان ہے، نماز کی حالت میں مسجد کی جماعت یہ محسوس کرے کہ ہم رب العزت کے دربار میں اس کے روبرو کھڑے ہیں اور وہ ہمیں دیکھ رہا ہے، اعمال وافعال کو بھی اور دل کی ہر ایک کھٹک کو بھی۔

أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ. ❶

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تو اس احساس کے ساتھ کہ اس کو دیکھ رہے ہو ورنہ وہ ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔

نمازی کے دل میں جب یہ یقین جاگزیں ہو جائے گا تو وہ اللہ اکبر کہتے ہی اپنے کو قہار و جبار اور غفور ورحیم مالک کے روبرو پائے گا، اور اس کی عظمت وجلال اور اس کی رحیمی وکریمی کا پَرتو اپنی طرف بڑھتے دیکھے گا، جس سے نمازی کا ظاہر وباطن اطاعت کا مجسمہ بن جائے گا، اور دل نورانی کرنوں سے چمک اُٹھے گا۔

خشوع وخضوع کا مفہوم اور اُس کی اہمیت

اسی کیفیت کا نام اصطلاح میں خشوع وخضوع ہے جو عبادت کی جان اور بندگی کی روح ہے، ارشادِ ربانی ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ. (المؤمنون: ۱، ۲)

ترجمہ: ان مسلمانوں نے یقیناً فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ خشوع گو صحتِ نماز کی شرط نہیں مگر قبولیت کی شرط تو بہرحال ہے، چنانچہ بعض مفسرین نے اس کو لکھا ہے۔ ❷

❶ صحيح البخاري: كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل النبي صلى الله عليه وسلم عن الإيمان، ج ۱ ص ۱۹، رقم الحديث: ۵۰

❷ بیان القرآن: سورہ مؤمنون آیت نمبر ۲ کے تحت، ج ۲ ص ۵۳۴

خشوع کی کیفیت کیا ہے؟ علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أصل الخشوع هو لين القلب ورقته وسكوته وخضوعه وحرقته فإذا خشع القلب تبعه جميع الجوارح والأعضاء لأنها تابعة له. ❶

خشوع کی اصلیت دل کا نرم ہونا اور اس کا پس جانا ہے، نیز اس کے اطمینان اور جھکاؤ اور سوزش کا نام ہے، قلب جب جھک پڑتا ہے تو سارے اعضاء و جوارح اس کی پیروی میں جھک پڑتے ہیں کیونکہ یہ سب اس کے تابع ہیں۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ اعضاء و جوارح قلب کے تابع ہوتے ہیں، گویا اس جسم کی دنیا میں دل کو سردار کی حیثیت حاصل ہے، جس کے صلاح وفساد کا اثر بقیہ حصوں کو قبول کرنا ناگزیر ہے، اور جس کی ہر حرکت وسکون کا سایہ ایک ایک عضو پر پڑنا ضروری ہے جیسا کہ ابھی اوپر حدیث نبوی گزری، یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ خشوع کا پہلا پَرتو قلب پر پڑتا ہے جس کی طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

اَلْخُشُوعُ خُشُوعُ الْقَلْبِ. ❷

خشوع دل کا جھک پڑنا ہے۔

پھر یہ اثر دل سے اعضاء و جوارح پر پھیل جاتا ہے، چنانچہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خشوع دل میں پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے آنکھیں پست ہو جاتی ہیں اور دل جھکاؤ کو قبول کرتا ہے۔ ❸

اسی علت کے پیش نظر بعض سلف صالحین فرماتے ہیں جس نمازی کو دیکھو کہ وہ اپنے جسم اور کپڑوں سے کھیل رہا ہے سمجھ لو اس کا دل خشوع کے اثر سے بیگانہ ہے۔ ❹

---

❶ الخشوع فی الصلاة: ص ۲ ❷ تفسیر ابن کثیر: سورة المؤمنون آیت نمبر۲ کے تحت، ج۵ ص ۴۰۲ ❸ تفسیر ابن کثیر: سورة المؤمنون آیت نمبر۲ کے تحت، ج۵ ص ۴۰۲

❹ الخشوع في الصلاة: ص ۱۲

خشوع کا حصول

نماز میں خشوع کیونکر حاصل ہوتا ہے؟ یہ سوال گو اس زمانہ میں اہم ہے مگر جن لوگوں کو ایمان کی حلاوت نصیب تھی ان کے لئے یہ سوال کوئی خاص سوال نہ تھا، ایمان کے ضعف واضمحلال اور اخلاص وللّٰہیت کے فقدان نے ہمارے لئے دشواری پیدا کردی ہے ورنہ ہم جس ظاہری اہتمام کے ساتھ مسجد تک پہنچتے ہیں اتنا ہی اہتمام باطن کا ہوتا تو بھی غنیمت تھا، ایمان کی تازگی اور اس احساس کے ساتھ حاضری ہو کہ دربارِ الٰہی میں رب العالمین مشاہدہ فرمارہے ہیں، یہ دست بستگی اسی کے سامنے ہے اور وہ ہمارے قیام وقرأت کو ملاحظہ کررہا ہے، ظاہر کو بھی دیکھتا ہے اور باطن کو بھی اور اللہ اکبر کہہ کر ہم نے تھوڑی دیر کے لئے دنیا کے رشتوں کی رگ کاٹ ڈالی ہے، اور اپنا رشتہ مالک حقیقی کے ہاتھ میں دے دیا ہے، اس کی عظمت اور کبریائی سامنے ہے اور ہم اس میں گُم ہیں۔

یہ یقین دل کی بھٹی کو تیز کردے گا، آلائشوں، زنگوں اور میلوں کو خاکستر بنا کر کندن بنادے، اور ''**رب العالمین، الرحمن الرحیم، مالک یوم الدین**'' کے جملوں کے ساتھ دل اُس کے رحم وکرم اور بادشاہت کا اقرار کررہا ہے اور ''**اھدنا الصراط المستقیم**'' پر پہنچ کر دل اور اس کا پورا حلقہ امید وبیم اور خشیت ومحبت سے مجبور ہو جائے گا اور ان کلمات کے ساتھ دل کے ساز کا تار تار جنبش میں آجائے گا اور نماز سے جب فارغ ہو چکے گا تو اس کی زبان پر وہی کلمات ہوں گے جو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ. ❶

اس کے لئے جو مانع نظر آئے اسے دفع کرنے کی کوشش کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا، اس باب میں کسی چیز کو برداشت نہیں فرمایا، ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوال پر فرمایا تھا کہ نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا:

❶ سنن النسائي: كتاب عشرة النساء، باب حب النساء، ج۷، ص ۶۱، رقم الحديث: ۳۹۴۰

هُوَ اِخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ. ❶

وہ اچک ہے جو شیطان بندہ کی نماز سے اچک لیتا ہے۔

آپ نے ایسی چیزوں سے بھی اجتناب فرمایا ہے جس سے کسی درجہ میں خلل کا اندیشہ ہوسکتا ہے، چنانچہ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دروازہ پر ایک خوبصورت باریک پردہ لٹکا رکھا تھا، آپ نے نماز شروع کرنا چاہی تو فرمایا میرے سامنے سے اپنا یہ منقش پردہ ہٹالو۔ ❷

اسی طرح ایک دفعہ منقش چادر میں آپ نے نماز ادا کی مگر نماز کے بعد اسے فوراً بھجوادیا اور اس کی جگہ سادہ چادر منگوالی اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ اس چادر نے میری توجہ ہٹادی۔ ❸

یہ تو آپ کا اپنا حال تھا، امت کو بھی اس ہدایت سے نوازا اور ساتھ ہی ہر ایسی چیز سے اور ہر ایسے فعل سے منع فرمایا جس کو خشوع کے خلاف محسوس فرمایا، مثلاً یہ کہ بھوک میں کھانا سامنے آجائے اور طبیعت کا رجحان کھانے کی طرف ہو تو پہلے کھانا کھا لیا جائے، پھر نماز پڑھی جائے، آسمان کی طرف دیکھا نہ جائے، اِدھر اُدھر تا کا نہ جائے، جمائی نہ لی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ پاخانہ، پیشاب کی خلش کے وقت فراغت سے پہلے نماز نہ پڑھی جائے۔ ❹

❶ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب الالتفات في الصلاة، ج ١ ص ١٥٠، رقم الحديث: ٧٥١ ❷ صحيح البخاري: كتاب اللباس، باب كراهية الصلاة في التصاوير، ج ٧ ص ١٦٨، رقم الحديث: ٥٩٥٩ ❸ صحيح مسلم: كتاب المساجد، باب كراهية الصلاة في ثوب له أعلام، ج ١ ص ٣٩١، رقم الحديث: ٥٥٦ ❹ صحيح مسلم: كتاب المساجد، باب لا صلاة بحضرة طعام ولا هو يدافعه الأخبثان، ج ١ ص ٣٩٣، رقم الحديث: ٥٦٠

استقبالِ قبلہ اور اس کا اثر

نماز میں استقبالِ قبلہ کا حکم اگر ایک طرف نظام وحدت کی ایک کڑی ہے تو دوسری طرف اس میں خشوع وخضوع کا شرعی اہتمام ہے تا کہ دلجمعی پیدا ہو سکے اور ساری جماعت میں یکجہتی ہو۔ مختصر لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ نماز میں دخول ظاہری طور پر افعال بالجوارح اور خلافِ ادب کلام باللسان کو حرام کر دیتا ہے اور نماز کی نیت جو باطنی ہے وہ باطن پر اثر انداز ہوتی ہے اور دوسرے افکار کو حرام قرار دیتی ہے جو غیر اللہ سے متعلق ہوں، یہ وہ امور ہیں جن کا اہتمام علمائے سلف رحمہم اللہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے اپنے دور میں خوب ہی فرمایا اور پچھلوں کے لئے نشانِ راہ چھوڑ گئے۔

اسلافِ اُمت کی نماز میں خشوع وخضوع

ابوداود شریف ”باب الوضوء من الدم“ میں ایک صحابی کا ذکر آیا ہے کہ حالتِ نماز میں ان کو دشمن کے تیر آ آ کر لگتے رہے، خون بھی نکلا مگر انہوں نے نیت نہ توڑی اور برابر نماز میں اسی طرح مصروف رہے گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ ❶

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ امامت کرتے ہوئے آپ کو زخم لگایا گیا، آپ کی جگہ دوسرے نے امامت کی مگر نماز میں کوئی فرق نہ آیا۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا نماز میں یہ حال ہوتا کہ بے حس وحرکت معلوم ہوتے، دیکھنے والا کہتا یہ بے جان درخت کی لکڑی ہے، ایسی محویت ان کو نماز میں ہوتی تھی۔ ❷

امام ابن سیرین رحمہ اللہ نماز میں جب کھڑے ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس

❶ سنن أبي داود: كتاب الطهارة، باب الوضوء من الدم، ج ١ ص ٥٠، رقم الحديث: ١٩٨ ❷ أحكام القرآن لابن العربي: سورة المؤمنون آیت نمبر ٦ کے تحت، كان النبي صلى الله عليه وسلم لا يلتفت في صلاته خاشعًا خاضعًا، المسألة الثانية، ج ٣ ص ٣١٢

کی خشیت سے ان کے چہرہ کا خون خشک پڑ جاتا تھا۔ ❶

حضرت مسلم رحمہ اللہ کے متعلق روایت ہے کہ آپ جب نماز میں داخل ہوتے تو محویت وخشیت الٰہی کا یہ عالم ہوتا کہ کوئی بھی آہٹ آپ کو سننے میں نہیں آتی۔ ❷

حضرت عامر بن قیس رحمہ اللہ کے متعلق بیان ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ نماز پڑھتے ہوئے میری گردن پر خنجر چل جائے تو یہ برداشت، مگر یہ برداشت نہیں ہے کہ نماز میں دنیا کے معاملہ میں فکر کروں۔ ❸

حضرت سعید بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی کوئی ایسی نماز نہیں پڑھی جس میں دنیا کی فکر میرے دل میں پیدا ہوئی ہو۔ ❹

خوش نصیب ہیں وہ مسلمان جو اس اہتمام سے باجماعت نماز پڑھتے ہیں اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شعبہ میں پیروی کرتے ہیں کہ آپ کا نماز میں یہی عالم ہوتا تھا۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہیں اور آپ کا سینہ ہانڈی کی طرح جوش مار رہا ہے اور آہ وبکا کا ایک شور سا برپا ہے، اس کی آواز عرشِ معلیٰ تک اپنا اثر قائم کر رہی ہے، یہ اور اس طرح کے بیسیوں واقعات ہیں جن کی تفصیل یہاں مقصود نہیں ہے اور یہ سب کیوں نہ ہو جب کہ ساری عبادت واطاعت کی جان یہی اخلاص ہے۔

وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ.

(الأعراف: ۲۹)

ترجمہ: (اور یہ حکم دیا ہے کہ) جب کہیں سجدہ کرو اپنا اپنا رخ ٹھیک ٹھیک رکھو، اور اس یقین کے ساتھ اس کو پکارو کہ اطاعت خالص اسی کا حق ہے۔

اس اثر کے رسوخ کے لئے ریاکاری، دکھاوا، شہرت اور عزت کے سارے بت

❶ كتاب الصلاة للإمام أحمد: ص ۲۳ ❷ كتاب الصلاة للإمام أحمد: ص ۲۳

❸ كتاب الصلاة للإمام أحمد: ص ۲۳ ❹ كتاب الصلاة للإمام أحمد: ص ۲۳

پاش پاش کردیئے جائیں جو راستہ کے پہاڑ ہیں اور گمراہی کا سرچشمہ قرآن نے پکار کر کہا:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ. (الماعون: ۴ تا ۷)

ترجمہ: پھر بڑی خرابی ہے ان نماز پڑھنے والوں کی جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں، جو دِکھاوا کرتے ہیں، اور دوسروں کو معمولی چیز دینے سے بھی انکار کرتے ہیں۔

دربارِ الٰہی اسلام کی نظر میں

مساجد کے اجتماعی نظام کی مختصر تفصیل گزشتہ صفحات میں آپ نے ملاحظہ فرمائی جس سے ان گھروں کی دینی اور دنیوی اہمیت کا اندازہ ہوا ہوگا اور آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ ان کا وجود ہمارے لئے کس قدر ضروری ہے اور قدرت نے اس سلسلہ کو قائم ودائم فرما کر ہم پر کتنا احسان کیا۔

اب بتانا ہے کہ اسلام نے ان مقدس درباروں کو کیسے سراہا ہے اور ان کی قدر ومنزلت کس پیرایہ میں بیان کی ہے، ان کو مشکوٰۃِ نبوت کی روشنی میں دیکھئے اور کتابِ الٰہی میں تلاش کیجئے۔

قرآن میں تذکرہ

سب سے پہلے اس سلسلہ میں کتابِ الٰہی کی چند آیتیں درج کی جاتی ہیں جن میں صاف لفظوں میں ان کی شرافت وقبولیت کا اعلان کیا گیا ہے، ان کی ظاہری وباطنی وقعت کی طرف اشارہ ہے۔

مساجد خدا کی ہیں

دنیا اور دنیا کی ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہیں اور سب کی سب اسی کی قدرت سے خلعتِ وجود سے ممتاز ہیں، دنیا کا کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے جس کو کہا جائے

کہ یہ اللہ تعالی کا عطا کردہ نہیں، لیکن جس کو اللہ تعالی خود کہہ دے یہ میرا ہے اس کی قسمت کا کیا کہنا، اس کی عزت وقبولیت اپنا ایک خاص مقام حاصل کر لیتی ہے جو دوسرے کے حصہ میں نہیں ہے، انہی میں یہ مقدس دربار بھی ہیں جن کو ہم مسجد کے مختصر لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، ان کی نسبت رب العزت نے اپنی جانب فرمائی ہے اور ان کو اپنے ذکر کے لئے مخصوص فرمایا ہے جس میں کسی اور کی شرکت منظور نہیں:

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلاَ تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا. (الجن: ۱۸)

ترجمہ: مسجدیں اللہ ہی کی ہیں پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔

بلاشبہ یہ نسبت ساری دوسری نسبتوں سے بڑھ کر ہے اور اس نسبت سے جو شرافت اور بزرگی حاصل ہوتی ہے وہ اور شرافتوں سے بالاتر، پھر تخصیص کی مزید عزت اس کی وقعت اور اہمیت کا زبردست مظاہر ہے۔

مساجد کی خدمت

کسی کو جب اپنا بنا لیا جاتا ہے تو پھر یہ گوارا نہیں ہوتا کہ اس کو اس کے حوالہ کر دیا جائے جو اس کا مخالف ہو، کیونکہ جب اس کو مالک سے عقیدت نہیں دل میں اس کی خشیت ومحبت نہیں اور وہ اس کے احکام پر اطاعت کا سر رکھنے والا نہیں ہے تو یقینی طور پر وہ اپنی مفوّضہ خدمت کو بحسن وخوبی ادا کرنے میں کوتاہی سے کام لے گا، پس یہ بات ظاہر ہوگئی کہ مشرکوں اور نافرمانوں کو جب مسجد کو اس کے مالک سے قلبی لگاؤ نہیں تو اس مسجد کی خدمت رب العزت ان کے ہاتھ میں کیونکر چھوڑے گا، ارشاد فرمایا:

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ. (التوبة: ۱۷)

ترجمہ: مشرکوں کی لیاقت نہیں ہے کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں جس حالت میں کہ وہ اپنے اوپر کفر وانکار کا اقرار کر رہے ہیں۔

یہ دربارِ الٰہی کے احترام کا اظہار ہے تاکہ ان گھروں کی قدر و منزلت دلوں پر نقش ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ گھر اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں، ان کی وہی خدمت کریں جو خدا کے دوست ہوں جن کے دل میں اس کی خشیت و محبت گھر کر چکی ہو تاکہ وہ ان کے بنانے میں عقیدت و محبت کی پونجی صرف کر سکیں اور یہ سمجھ کر خدمت کے لئے کمر باندھیں کہ یہ دنیا کے پروردگار کا گھر ہے اور اس کے جاہ و جلال اور عرض و نیاز کا دربار۔

حقِ خدمت مؤمن کامل کو

یہی وجہ ہے کہ رب ذوالجلال والاکرام نے جن کو حق تعمیر بخشا ہے ان کے لئے ظاہری اور معنوی دونوں طرح کی پابندی رکھی ہے یعنی ان کا دل اور باطن بھی مؤمن ہو اور جسم بھی، قلبِ ایمان کی دولت سے معمور ہو تو جسم عمل کی دولت سے مالا مال۔

اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمۡ یَخۡشَ اِلَّا اللّٰہَ فَعَسٰۤی اُولٰٓئِکَ اَنۡ یَّکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُہۡتَدِیۡنَ. (التوبۃ: ۱۸)

ترجمہ: اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا انہی لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں، پس انہیں سے توقع ہے کہ مقصود کو پہنچ جائیں۔

ایمان باللہ لاکر بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کو سچی عقیدت ہو، اور اپنے کو صحیح معنی میں احکام الٰہی کے تابع قرار دے اور آخرت پر ایمان سے یہ ظاہر فرمایا گیا کہ اس کو اپنے سارے کاموں کے حساب و کتاب کی ذمہ داری کا پورا احساس بھی ہو اور پھر اس میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب و عقاب کا یقین بھی، یہ دل اور نیت کی اصلاح کی شرط ہے، باقی ظاہری طور پر بھی وہ ایسا ہو جس سے خدا پرستی نمایاں ہو، بدنی اعتبار سے بھی اور مالی لحاظ سے بھی جس کو اقامتِ صلوۃ اور ادائے زکوۃ سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کاموں میں شہرت و عزت اور ریا و سمعہ کا فریب آجاتا ہے اس لئے یہ بھی فرما دیا گیا کہ یہ

سب کسی اور کے خوف سے نہ ہو بلکہ جو کچھ رب العزت کی خشیت سے ہی ہو جس کو ''وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ'' کے مختصر جملہ میں بیان فرمایا ہے، ماحصل یہ ہے کہ مقابلہ کے وقت چاہے وہ ذہنی ہو چاہے خارجی اللہ تعالیٰ کی خشیت غالب رہے۔

کوئی جب ان ساری خصوصیتوں سے سرفراز ہو کر دربارِ الٰہی کی خدمت انجام دے گا تب کہیں جا کر وہ اس کام میں حق راستہ کو پائے گا اور یہ کھلی حقیقت ہے کہ ان میں سے شاید کوئی خصوصیت بھی مشرک میں نہیں پائی جاتی، بخلاف مؤمن کے کہ وہ کسی نہ کسی درجہ میں ضرور ان کا حامل ہوتا ہے۔

بار بار غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسجد کی خدمت کے لئے ان قیود کو کیوں بیان فرمایا، کیا ان سے مسجدوں کی عظمت وشوکت کا اظہار نہیں ہوتا ہے۔

''يَعْمُرُ'' کے معنی

''يَعْمُرُ'' کا لفظ بہت سے معنوں کو شامل ہے، امام کرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ'' أى بنحو البناء والتزين بالفرش والسراج وبالعبادة وترک حديث الدنيا. (1)

''اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ'' کے معنی ہیں جیسے تعمیر، فرش اور روشنی سے زینت دینا، عبادت کرنا اور دنیا کی باتیں مسجد میں نہ کرنا۔

مسجد کی تعظیم وتکریم اور اس میں عبادت

اوپر کی آیتوں میں مسجدوں کی بنیادی حیثیت ظاہر کی گئی ہے اب ان کے عملی پہلو پر نظر کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کیا مقصد رکھا ہے اور وہ ان گھروں میں کیا چاہتا ہے، کیونکہ کسی چیز کی تعمیر خود مقصود بالذات نہیں ہوتی بلکہ اس کے اغراض ومقاصد اور اس کے مصالح وحِکَم مطلوب ہوتے ہیں، ارشادِ ربانی ہے:

(1) حاشية الجمل على الجلالين: سورة التوبة آیت نمبر ۱۸ کے تحت، ج ۲ ص ۲۷۳

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ. (النور: ۳۶)

ترجمہ: ان گھروں میں حکم دیا اللہ نے کہ ان کی تعظیم کی جائے اور ان میں اس کا نام لیا جائے اور صبح وشام اس کی پاکی بیان کریں۔

اس آیت میں ''بُیُوْتٌ'' سے مراد مسجدیں ہیں اور اللہ تعالی نے یہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ ان کی تعمیر کے بعد یہ فریضہ ہے کہ ان کی تعظیم وتکریم کا حق ادا کریں اور اس میں یہ بھی ہے کہ ان میں اللہ تعالی کی یاد ہوتی رہے اور دن رات اس کی تقدیس بیان کی جائے اور ہمہ دم اسے تسبیح وتہلیل سے آباد رکھا جائے، اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو پھر مسجد کا حق پورا پورا ادا نہ ہوا اور یہ سب اس طرح سے ہو کہ دل ودماغ پر یہ امر مستحضر رہے کہ ہم اللہ کے گھر میں ہیں، تاکہ دربارِ الٰہی کے آداب میں فرق نہ آنے پائے، بلکہ آداب کا خیال اس کی لذت کو دوچند کردے اور اگر یہ نہ ہو تو پھر اس کو یقین کر لینا چاہئے کہ تعظیم وتکریم کے لوازمات اس کو میسر نہیں ہیں۔

بہرحال یہ بات تو روشن ہوگئی کہ مسجدوں کا وجود اس لئے عمل میں آیا کہ ان میں ذکر اللہ کی گونج ہو اور ان میں پہنچ کر رب العزت کا دھیان تازہ ہو جائے، اور جس جگہ اتنا اہم کام ہو بلکہ اسی لئے اس کا وجود عمل میں آیا ہو اس کی اہمیت کتنی ہوئی، یہ ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے۔

اخلاص وللّٰہیت

پھر اللہ کی یاد ہو تو کس طرح؟ کہ ظاہر سے زیادہ باطن پر اثر انداز ہو، یادِ الٰہی میں یہاں کسی کی ذرہ برابر آمیزش نہ ہونے پائے، اور دل اخلاص کے اتھاہ سمندر میں ڈوبا ہو، یادِ خدا جہاں بھی ہو لیکن خصوصیت سے اس جگہ اور بھی خلوص وللّٰہیت کا جذبہ کارفرما ہونا چاہئے کہ یہ دربارِ الٰہی ہے اور محبوبِ حقیقی کا جلوہ آنکھوں کے سامنے ہے۔

وَ اَقِیۡمُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ وَّ ادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ.

(الأعراف: ۲۹)

ترجمہ: اورتم اپنا چہرہ ہر مسجد کے پاس سیدھا رکھا کرو اور اللہ تعالی کی عبادت مخلص بن کر کیا کرو۔

مسجدوں کی بڑائی کے ذکر کا یہ بھی ایک پیرایہ ہے کہ وہاں پہنچ کر دل میل کچیل سے پاک کرلو اور نیت کے کل پُرزے اخلاص کے آبِ زمزم سے دھوڈالو تاکہ کہیں سے شرک کی بو نہ آنے پائے، کیونکہ یہ وہ دربار ہے جہاں خدا سے سرگوشی ہوتی ہے اور وہ گھر ہے جس کو دنیا کی جنت سے تعبیر کیا جائے تو غلط نہیں۔

طہارت ونفاست

باطن میں جس عقیدہ نے جڑ پکڑ لی ظاہر میں اس کے برگ وبار پیدا ہونے ضروری ہیں جس کی عزت ہم دل میں کریں گے، یقینی طور پر عمل سے اس کو ظاہر بھی کرنے کی کوشش کریں گے، یہی وجہ ہے کہ درجہ کمال میں ایمان واسلام ایک ہوجاتے ہیں، ایک طرف تصدیق بالجنان کا حکم ہے تو دوسری طرف عمل بالجوارح کا بھی مطالبہ موجود ہے، تو جب قرآن نے مساجد کے باطنی احترام کا حکم فرمایا تو ساتھ ہی ظاہری اہتمام کو بھی نہ چھوڑا، ارشادفرمایا:

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ. (الأعراف: ۳۱)

ترجمہ: اے آدم کے بیٹو! مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباسِ زینت پہن لیا کرو۔

یعنی جب عرض ونیاز کے لئے مناجات وسرگوشی کے لئے دربارِ الٰہی میں آؤ تو صاف ستھرا لباس زیب تن کرلیا کرو جو پاک وصاف اور شرعی حدود کے مطابق ہو، تم احکم الحاکمین کے سامنے اس کے دربار میں حاضری دے رہے ہو تو ظاہری آداب کا بھی پورا پورا لحاظ رکھو تاکہ ظاہری طور بھی کسی کو بے ادبی کا شبہ نہ ہوسکے، یہ درست ہے کہ وہ پہلے دل کی گہرائی کو

دیکھتا ہے مگر دل کی صفائی کا اثر جسم پر ہونا بھی ضروری ہے، اس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ دل کی ویرانی کے ساتھ جو زیب وزینت ہوتی ہے وہ کسی درجہ میں مطلوب نہیں لیکن موجودہ دور میں دین کی رسمی محبت کی وجہ سے لباس میں جو بے پروائی ہوتی ہے وہ بھی کسی درجہ میں پسندیدہ نہیں ہے، اس آیت سے مسجد کے لئے حسن ہیئت کا حکم بھی مستفاد ہوتا ہے، جو مسجد کی بزرگی واحترام کا ایک دلنشین طریقہ ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نماز کے وقت ہیئت اچھی سے اچھی ہونی چاہئے۔ ❶

ملا جیون رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ومن السنة أن يأخذ الرجل أحسن هيأة للصلاة وفيه دليل على وجوب ستر العورة في الصلاة. ❷

سنت ہے کہ نماز کے لئے اچھی سے اچھی ہیئت اختیار کرے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ نماز میں ستر عورت واجب ہے۔

بہرحال قرآن پاک نے مسجدوں کی تعظیم وتکریم کے دونوں پہلو بیان کئے ہیں اور ان کی قدر ومنزلت کو ہر طرح ذہن نشین کرنا چاہا ہے۔

مسجد کا مخالف سب سے بڑا ظالم ہے

مسجدوں کی عظمتِ شان کا یہ بھی طریقہ ہے کہ جو اِن کی مخالفت کرے وہ عند اللہ معتوب قرار پائے، اور واقعہ ہے کہ جس کو خدا ظالم کہے اس سے بڑھ کر معتوب اور کون ہو سکتا ہے، چنانچہ ایک آیت میں یہی بیان ہے کہ جو دربارِ الٰہی کی مخالفت کسی طرح بھی کرتے ہیں وہ سب سے بڑھ کر ظالم ہیں، کیونکہ ان کی عظمت کا حال تو یہ ہے کہ جب ان میں داخلہ ہو تو خشیت الٰہی اس پر چھائی ہو:

---

❶ تفسیر ابن کثیر: سورة التوبة آیت نمبر ۳۱ کے تحت، ج ۳ ص ۴۰۶

❷ التفسيرات الأحمدية: سورة الأعراف آیت نمبر ۳۱ کے تحت، ص ۲۳۱

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ‘‘. (البقرة: ۱۱۴)

ترجمہ: اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالی کی مسجدوں میں ذکر اللہ کو بند کرادے اور اس کی ویرانی کی کوشش کرے، ان لوگوں کو تو کبھی بے باک ہو کر ان میں قدم بھی نہ رکھنا چاہئے، ان کی دنیا میں بھی رسوائی ہوگی اور آخرت میں بھی ان کی سزا سخت ترین ہوگی۔

شانِ نزول میں اگر چہ آیت خاص ہے مگر اپنے حکم میں عام ہے اور تمام مسجدوں کا یہی حکم ہے جو بھی مقاصدِ مساجد کی تکمیل میں مانع بنے گا اور اس میں اللہ تعالی کی یاد کو قصداً روکے گا، مورد ِعذاب ہوگا اور عنداللہ وہ بڑا ظالم قرار پائے گا، اس میں شبہ نہیں ہے کہ اپنے حال کے اعتبار سے کفر وشرک ہی ظلم عظیم ہے مگر اس لحاظ سے کہ تخریبِ مساجد کے خواہاں دوسروں کو ہدایت سے روکتے ہیں اور اسلام کے ایک بڑے شعار کو مٹاتے ہیں، وہ اپنے اس فعل میں کفر وشرک سے بھی بڑھ کر بُرے کام کے مرتکب ہوتے ہیں، کیونکہ یہ دربارِ الٰہی روئے زمین پر اسلام کا ایک بڑا شعار ہے۔

اللہ تعالی کی حفاظت میں

مساجد کی اہمیت کا ایک اور طرزِ بیان اختیار فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ رب العزت ان مقدس گھروں کی حفاظت ونگرانی فرماتا ہے، کوئی قوم جب حد سے تجاوز کرتی ہے اور مقدس مقامات کے مٹانے کے درپے ہوتی ہے تو اللہ تعالی اس کو تباہ وبرباد کر ڈالتا ہے اور اس طرح اپنے معبدوں کی نگرانی کر کے اُسے بچالیتا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ‘‘ وَّصَلَوٰتٌ‘‘ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا. (الحج: ۴۰)

ترجمہ: اگر ہمیشہ سے اللہ تعالی لوگوں میں ایک دوسرے کا زور نہ گھٹاتا تو اپنے اپنے

زمانہ میں نصاریٰ کے عبادت اور خلوت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں بکثرت اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے، منہدم ہوگئی ہوتیں۔

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں اس وقت کی شریعت کے مطابق جو گھر بھی بنائے گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی اور ان کو دشمنوں کے دستِ قابو سے بچایا اور ہمارا یہ دور جو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کا دور ہے اور یہ آخری شریعت ہے اس کے مطابق جو صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے گھر ہیں ان کی منجانب اللہ حفاظت ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی، بعض حفاظت ایسی ہوتی ہے جس کو ہم محسوس نہیں کر پاتے ہیں اور بعض کو ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔

تاریخ میں مسجدِ حرام پر ابرہہ بادشاہ کے حملہ کی داستان تازہ ہے اور اس کا جو حشر ہوا وہ قرآن پاک جیسی اَن مِٹ کتاب میں مندرج ہے، ارشادِ ربانی ہے:

وَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ. (الفیل: ۳، ۴، ۵)

ترجمہ: ان پر غول کے غول پرندے جوڑ دیئے جو ان پر پکی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے، چنانچہ انہیں ایسا کر ڈالا جیسے کھایا ہوا بھوسا۔

یہ کس قدر کھلی حفاظت تھی جو تاریخ میں اب تک تازہ ہے۔

مسجد سے متعلق قرآن پاک کی یہ چند آیتیں جو مصرح ہیں پیش کر دی گئیں، ضمناً جو تذکرہ آیا ہے اسے یہاں نظر انداز کر دیا گیا، ان میں بار بار غور کیجئے اور ہر پہلو سے ان میں فکر و نظر سے کام لیجئے۔

مسجد کی فضیلت و اہمیت احادیث کی روشنی میں

اب آیئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات بھی ملاحظہ کرلیں تاکہ ان درباروں کی وقعت و حرمت کھل کر سامنے آجائے اور جو پہلو اجاگر نہ ہو سکا ہے اس پر ایک

باریک روشنی پڑ جائے، کیا عجب ان سے وہ گرہیں کھل جائیں جواب تک نہ کھل سکی تھیں۔

مساجد اللہ کے محبوب مقامات ہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب العزت کے یہاں شہروں میں محبوب ترین مسجدیں ہیں اور مبغوض ترین بازار۔ ❶

مسجد میں آنے والے اللہ کے مہمان ہیں

ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان صبح وشام مسجد میں حاضر ہوتا ہے اللہ تعالی اس کے لئے جنت میں مہمانی کا کھانا تیار کرتا ہے، جو جنت میں صبح وشام مہمانی پیش کی جائے گی۔ ❷

مسجدیں چونکہ اللہ تعالی کا گھر کہلاتی ہیں اور یہ مسلّم ہے کہ عموماً میزبان مہمان کی دعوت کرتا ہے، تو بات سمجھنے کی ہے کہ نمازی حکماً اللہ تعالی کے مہمان ہوئے، لہٰذا اللہ تعالی یہاں کے بدلے وہاں جنت میں مہمانی پیش کرے گا۔

نورِ کامل کی بشارت

ایک بار آپ نے ان لوگوں کو جو تاریکی میں مسجد حاضر ہوتے ہیں نورِ کامل کی بشارت سنائی:

❶ صحيح مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل الجلوس في مصلاه بعد الصبح وفضل المسجد، ج ١ ص ٤٦٤، رقم الحديث: ٦٧١ ❷ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب فضل من غدا إلى المسجد ومن راح، ج ١ ص ١٣٣، رقم الحديث: ٦٦٢ / صحيح مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب المشي إلى الصلاة تمحى به الخطايا وترفع به الدرجات، ج ١ ص ٤٦٣، رقم الحديث: ٦٦٩

بَشِّرِ المَشَّائِينَ فِي الظُّلَمِ إِلَى المَسَاجِدِ بِالنُّورِ التَّامِّ يَوْمَ القِيَامَةِ. ❶

تاریکی میں مسجد جانے والوں کو نورِ کامل کی بشارت دو جو قیامت کے دن حاصل ہوگا۔

مسجد کی حاضری رحمتِ الٰہی کا ذریعہ ہے

ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ سات شخصوں کو اللہ تعالی اپنے سایہ میں اُس دن پناہ دے گا جس دن اُس کے سایہ کے سوا کوئی اور سایہ ہی نہ ہوگا، ان سات میں ایک وہ شخص ہوگا کہ جو مسجد سے نکلتا ہے تو واپسی تک اس کا دھیان لگا رہتا ہے۔ ❷

ایک حدیث ہے کہ جو شخص مسجد میں داخل ہوا وہ اللہ تعالی کی پناہ میں ہے، رب العزت اسے نقصان، خسران وغیرہ سے محفوظ رکھتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا جس شخص کو دیکھو کہ مسجد سے محبت کرتا ہے اور اس کی خدمت کرتا ہے اس کے مؤمن ہونے کی شہادت دو۔ ❸

حدیث میں ''تعاهد'' کا لفظ آیا ہے جس کے معنی مسجد کی نگہداشت وخبر گیری کرنا، اس کی محافظت ومرمت کرنا، جھاڑو دینا، نماز پڑھنا، عبادت میں مشغول رہنا، ذکر کرنا، علوم دینی کا درس دینا ہے۔ ❹

---

❶ سنن الترمذي: أبواب الصلاة، باب ما جاء في فضل العشاء والفجر في الجماعة، ج ۱ ص ۴۳۵، رقم الحديث: ۲۲۳/ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب ما جاء في المشي إلى الصلاة في الظلام، ج ۱ ص ۱۵۴، رقم الحديث: ۵۶۱ ❷ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة وفضل المساجد، ج ۱ ص ۱۳۳، رقم الحديث: ۶۶۰/ صحيح مسلم: كتاب الكسوف، باب فضل إخفاء الصدقة، ج ۲ ص ۷۱۵، رقم الحديث: ۱۰۳۱ ❸ سنن الترمذي: أبواب الإيمان، باب ما جاء في حرمة الصلاة، ج ۵ ص ۱۲، رقم الحديث: ۲۶۱۷/ سنن ابن ماجه: كتاب المساجد والجماعات، باب لزوم المساجد وانتظار الصلاة، ج ۱ ص ۲۶۳، رقم الحديث: ۸۰۲ ❹ مجموعة الفتاوى: كتاب المساجد، ج ۱ ص ۱۸۸

مساجد اللہ کے گھر ہیں

مسجدوں کی عظمت کو مختلف پیرایوں میں سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ان کو اللہ تعالی کے گھر سے تعبیر کیا گیا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

اَلْمَسَاجِدُ بُيُوتُ اللهِ، وَقَدْ ضَمِنَ اللّٰهُ لِمَنْ كَانَتِ الْمَسَاجِدُ بَيْتَهُ بِالرَّوْحِ وَالرَّاحَةِ، وَالْجَوَازِ عَلَى الصِّرَاطِ إِلَى الْجَنَّةِ❶

---

❶شعب الإيمان: الصلاة، فضل المشي إلى المساجد، ج۴ ص ۳۸۰، رقم الحديث: ۲۶۸۸ / مسند البزار: حديث أبي الدرداء، ج۱۰ ص۸۵، رقم الحديث: ۴۱۵۲

امام دارِقطنی رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۵ھ) کی رائے یہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے، دیکھئے تفصیلاً: [علل الدار قطني: ج۶ ص ۲۳۰، رقم: ۱۰۹۴ / العلل المتناهية: ج۱ ص ۴۱۱]

علامہ بوصیری رحمہ اللہ (متوفی ۸۴۰ھ) فرماتے ہیں کہ بعض رواۃ کی جہالت کی وجہ سے یہ روایت سنداً ضعیف ہے: هذا إسناد ضعيف لجهالة بعض رُوّاته. [إتحاف الخيرة المهرة: ج۲ ص ۴۹، رقم الحديث: ۱۰۱۴]

"شعب الإيمان: ج۴ ص ۳۸۰، رقم: ۲۶۸۸" کی روایت میں محمد بن واسع اس روایت کو ابن ابی الدرداء سے اور وہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں، جب کہ "مسند البزار: ج۱۰ ص ۸۵، رقم: ۴۱۵۲" کی سند میں محمد بن واسع اس روایت کو ام درداء سے اور وہ حضرت ابو درداء سے، "جامع معمر بن راشد: ج۲ ص ۹۶" میں اس روایت کو حضرت ابو درداء سے روایت نقل کرنے والا "عن صاحب" مجہول ہے۔ "حلية الأولياء: ج۱ ص ۲۱۴" میں بھی حضرت ابوالدرداء سے وروایت نقل کرنے والا "عن صاحب" مجہول ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ محمد بن واسع کا حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے، تو ان کے درمیان کہیں ام درداء کا ذکر ہے، کہیں ابن ابی درداء کا اور کہیں عن صاحب کا، اور کہیں بغیر واسطے کے نقل کر رہے ہیں۔ اسی طرح "إتحاف الخيرة: ج۲ ص ۴۹، رقم: ۱۰۱۴" میں محمد بن واسع سے نقل کرنے والا "عن رجل" مجہول ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

مسجدیں خانہ خدا ہیں، اور یہ جس کا گھر ہے اللہ تعالی نے اس کے لئے مہربانی، آرام اور پلِ صراط سے گزار کر جنت میں پہنچانے کی ضمانت لی ہے۔

یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالی گھر اور چار دیواری میں سکونت کا محتاج ہے، ان تمام چیزوں سے اللہ تعالی پاک ہے، مطلب یہ ہے کہ ان گھروں پر اس کا خاص فیضانِ رحمت ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں مسجدوں کو جنت کا باغ کہا گیا ہے۔

مساجد جنت کے باغ ہیں

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دلنشین طریقہ سے فرمایا تم جب جنت کے باغوں سے گزرو تو کچھ کھا پی لو، صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ جنت کے باغات کون سے ہیں؟ ارشاد ہوا مساجد، پھر پوچھا گیا اس میں چرنے سے کیا مراد ہے؟ ارشاد فرمایا ''سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر'' کا ورد۔ (1)

مساجد دنیا کی بہترین جگہیں ہیں

دربارِ رسالت میں ایک یہودی پہنچا اور اس نے پوچھا کہ دنیا میں سب سے بہتر جگہ

=(بقیہ گذشتہ صفحہ) اسی طرح ''المطالب العالية: ج۳ ص ۵۶۱، رقم: ۳۷۳'' میں بھی محمد بن واسع سے نقل کرنے والا ''عن رجل'' مجہول ہے۔

محمد بن واسع اور حضرت ابودرداء کے درمیان اکثر سندوں میں واسطہ مجہول ہے، اسی طرح بعض سندوں میں محمد بن واسع سے نقل کرنے والا ''عن رجل'' بھی مجہول ہے، لہذا اس بناء پر یہ روایت ضعیف ہے۔

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۲۰ھ) فرماتے ہیں: وجملة القول: إن الحديث ضعيف لجهالة الواسطة بين محمد بن واسع وأبي الدرداء في أكثر الروايات.

[سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة: ج۱۴ ص ۴۹۰، رقم: ۶۷۱۶]

(1) سنن الترمذي: أبواب الدعوات، باب ما جاء في عقد التسبيح، باب، ج۵ ص ۵۳۳، رقم الحديث: ۳۵۰۹

کون سی ہے؟ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر سکوت فرمالیا اور کہا میرا یہ سکوت روح الامین کی آمد تک ہے، آپ ابھی اسی حال میں تھے کہ حضرت جبرئیل امین تشریف لے آئے، حضور فرماتے ہیں کہ میں نے وہ سوال ان پر پیش کر دیا، جبرئیل امین فرمانے لگے میرا علم اس سلسلہ میں آپ سے زیادہ نہیں ہے، ہاں پروردگار عالم سے معلوم کر کے بتا سکتا ہوں، پھر تھوڑی دیر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آکر کہنے لگے اے اللہ کے پیارے رسول! دربار الٰہی میں حاضر ہوا، اور اس قدر قریب ہوا جتنی قربت کبھی نہیں ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ نزدیکی کیسی تھی؟ روح الامین نے جواب دیا میرے اور رب العزت کے درمیان ستر ہزار نوری پردے حائل تھے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے سوال کے جواب میں فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دنیا کی بدترین جگہ بازار ہیں اور اس کی بہترین جگہ مساجد۔ ❶

مسجد کی برکت

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، ان کا بیان ہے کہ ایک دن خلافِ معمول صبح کی نماز میں تاخیر ہوگئی، معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب نکل آئے گا، اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اقامت کہی گئی اور آپ نے نماز پڑھائی، سلام پھیرتے ہی آواز دی تم لوگ اپنی اپنی جگہ ٹھہر جاؤ، راوی کا بیان ہے کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تاخیر کی وجہ بیان کرتا ہوں، بات یہ ہوئی کہ میں رات میں نیند سے بیدار ہوا، جو کچھ نماز میرے لئے مقدر تھی وضو کر کے ادا کی، پھر حالتِ نماز ہی میں غنودگی کی کیفیت طاری ہوگئی اور بوجھل سا ہوگیا کہ معاً اپنے کو پروردگار عالم کے پاس

❶ صحيح ابن حبان: كتاب الصلاة، فرض صلاة المساجد، باب ذكر البيان بأن خير البقاع في الدنيا المساجد، ج۴ ص۴۷۷، رقم الحديث: ۱۶۰۰ / مشكاة المصابيح: كتاب الصلاة، باب المساجد، الفصل الثاني، ج ۱ ص ۲۳۰، رقم الحديث: ۷۴۱

پایا جو اپنی احسن صفت کے ساتھ جلوہ گر تھے، ارشادِ باری ہوا اے محمد! میں نے کہا: لبیک ربّ! حکم ہوا بتاؤ ملأ اعلی کے فرشتے کس باب میں جھگڑتے ہیں؟ اس سوال کو تین بار فرمایا میں نے ہر بار یہی کہا ''لا أدري'' (میں نہیں جانتا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اپنا دستِ قدرت مجھ پر ڈالا تا آنکہ اس کا نمایاں اثر میں نے محسوس کیا، اس کے بعد ہر چیز مجھ پر منکشف ہوگئی، اور میں نے ان کو خوب اچھی طرح سے جان لیا، پھر اللہ تعالی نے فرمایا اے محمد! آپ کہتے ہیں کہ میں نے لبیک کہا، حکم ہوا ملأ اعلی کس بات میں اُلجھ رہے ہیں؟ اب میں نے کہا کفارات میں، (یعنی گناہوں کا کفارہ کون سا عمل بنتا ہے) ارشادِ باری ہوا وہ کیا ہیں؟ میں نے جواب میں کہا:

۱......کھانا کھلانا (مسکینوں محتاجوں کو)

۲......نرمی سے بات چیت کرنا (زیردستوں اور ٹوٹے ہوئے دل والوں سے)

۳...... اور نماز پڑھنا رات میں جب لوگ خوابِ استراحت کے مزے لوٹ رہے ہوں۔

پھر آپ سے اللہ تعالی نے فرمایا مانگو جو چاہتے ہو، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ أَسأَلُکَ فِعلَ الْخَيرَاتِ وَترْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ وَأَنْ تَغْفِرَ لِيْ وَإِذَا أَرَدْتَّ فِتْنَةً فَتوَفَّنِي غَيرَ مَفْتُونٍ وَأَسْأَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَن يُّحِبُّکَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُنِي إِلَى حُبِّکَ.

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سب حق ہے پس اسے یاد کرلو اور پڑھو۔ ❶

❶ سنن الترمذي: أبواب تفسير القرآن، باب: ومن سورة ''ص'' ج۵ ص۳۶۸، رقم الحديث: ۳۲۳۵/ مسند أحمد: مسند الأنصار، حديث معاذ بن جبل رضي الله عنه، ج۳۶، ص۴۲۲، رقم الحديث: ۳۴۸۴

مساجد شعارِ اسلام

مسجد شعارِ اسلام میں سے ہے، حدیث میں ہے کہ تم جب کوئی مسجد دیکھ لو یا اذان سن لو تو پھر قتال نہ کرو، دوسرے یہ کہ مسجد محل الصلوۃ اور مرکز عبادت ہے، جہاں رحمتِ الٰہی کا ہمیشہ ترشح ہوتا رہتا ہے، اور یہ مسجد اسی وجہ سے کعبہ کے مشابہ ہوجاتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو پاک وصاف ہوکر گھر سے فرض نماز کے لئے نکلتا ہے اس کا اجر محرم حاجی کے برابر ہے۔ ❶

نیت کی پاکی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو میری اس مسجد میں پاک اور اچھی نیت سے آتا ہے، وہ اللہ تعالی کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کی مانند ہے، اور جو کسی اور نیت سے آتا ہے اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو دوسرے کی متاع للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہو۔ ❷

ایک دفعہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو مسجد میں جس ارادہ سے آتا ہے وہی اُس کے حصہ میں آتا ہے۔ ❸

صاحب ''أشعة اللمعات '' نے ''إنما الأعمال بالنيات '' والی پہلی حدیث کے ضمن میں مثال دے کر بتایا ہے کہ مسجد میں کتنی مختلف نیتوں سے آدمی آسکتا ہے، اور پھر ہر ایک کا اجر بتایا ہے اور تمام نیتوں کا اجر حدیث ہی سے ثابت کیا ہے، تفصیلاً دیکھنا ہو تو وہاں

---

❶ سنن أبی داود: كتاب الصلاة، باب ما جاء فی فضل المشی إلى الصلاة، ج ۱ ص ۱۵۲، رقم الحديث: ۶۶۸/ حجة الله البالغة: المساجد، ج ۱ ص ۳۲۵

❷ سنن ابن ماجه: باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، ج ۱ ص ۸۲، رقم الحديث: ۲۲۷ ❸ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب فی فضل القعود في المسجد، ج ۱ ص ۱۲۷، رقم الحديث: ۴۷۲

ملاحظہ فرمائیے۔ ❶

قرآن اور احادیث میں مسجدوں کے متعلق جو کچھ آیا ہے امید ہے اس کا خلاصہ اس مختصر مضمون میں آ گیا ہے، دانا و بینا اور عقل والوں کے لئے اس میں بڑی وسعت ہے۔ یہ جو کچھ لکھا گیا وہ یکسر مساجد کے متعلق ہے، مگر مسجد کی عظمت ایک اور طریقہ سے بھی سمجھنے کی کوشش فرمائیے کہ یہ عظیم الشان دربار، دینی اور دنیوی اعتبار سے کتنا بلند ہے۔

مسجد کی قربت

اس گھر کی بڑائی کا یہ حال ہے کہ اس کا فیضِ کرم پڑوس کو بھی نہیں محروم کرتا، رحمت کی چھینٹیں اُڑ کر ان پر بھی پڑتی رہتی ہیں، جس سے ان کا درجہ بھی کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے، ارشاد نبوی ہے:

فَضْلُ الدَّارِ الْقَرِيبَةِ مِنَ الْمَسْجِدِ عَلَى الدَّارِ الشَّاسِعَةِ كَفَضْلِ الْغَازِيْ عَلَى الْقَاعِدِ. ❷

مسجد سے جو گھر قریب ہیں اس کی فضیلت دور والے گھر پر ایسی ہے جیسی غازی کو گھر بیٹھنے والے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

❶أشعة اللمعات: ج ۱ ص ۳۳ تا ۳۷ ❷مسند أحمد: مسند الأنصار، حديث حذيفة بن اليمان، ج۳۸ ص ۳۲۳، رقم الحديث: ۲۳۲۸۷

یہ روایت سند کے اعتبار سے نہایت ضعیف ہے، اس کی سند میں ایک راوی ''عبداللہ بن لہیعہ بن عقبہ حضرمی'' ہے، جو محدثین کے ہاں ضعیف ہے، امام یحیی بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''ضعيف لا يحتج به'' امام یحیی بن سعید رحمہ اللہ کی نگاہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی ''كان لا يراه شيئا'' امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''لا أحمل عن ابن لهيعة شيئا'' امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''ضعيف'' امام ابو زرعہ اور امام ابوحاتم رحمہما اللہ فرماتے ہیں ''أمره مضطرب يكتب حديثه للاعتبار'' امام جوزجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''لا نور على حديثه ولا ينبغي أن يحتج به'' [ميزان الاعتدال: ترجمة: عبد الله بن لهيعة بن عقبة، ج ۲ ص ۴۷۷، ۴۷۸] (بقیہ اگلے صفحہ میں ملاحظہ فرمائیں)

=(بقیہ صفحہ گذشتہ) اس روایت کی سند میں ایک راوی ''علی بن یزید الہانی شامی'' ہے، جس پر محدثین کی کافی جرح ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''منکر الحدیث ''امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''لیس بثقة ''امام ابوزرعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''لیس بقوی ''امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''متروک''[میزان الاعتدال: ترجمة: علي بن يزيد الألهاني الشامي، ج۳ ص ۱۶۱]
نیز اس روایت میں انقطاع ہے ''ابوعبدالملک یعنی علی بن یزید الہانی'' کا سماع حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے، اس کی صراحت ''مسند أحمد: ج۳۸ ص ۳۹۸، رقم: ۲۳۳۸۵ ''میں ہے کہ یہی روایت ابوعبدالملک حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کر رہے ہیں اور اس کی سند میں ان کے درمیان یہ اضافہ ہے ''أن أبا عبد الملك حدثه أنه بلغه عن حذيفة ''ابوعبدالملک کو یہ روایت کس کے واسطے سے پہنچی؟ انہوں نے راوی کے نام کی صراحت نہیں کی، تو راوی مجہول ہے۔
نیز یہ روایت صحیح احادیث کے مخالف ہے۔ جب مسجد نبوی کے اردگرد کچھ مکانات خالی ہوئے تو بنوسلمہ والوں نے ارادہ کیا کہ وہ مسجد نبوی کے قریب ان مکانات میں منتقل ہو جائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: يا بني سلمة دياركم تكتب آثاركم. [صحيح مسلم: كتاب المساجد، باب فضل كثرة الخطا إلى المساجد، ج ۱ ص ۴۶۲، رقم الحديث: ۶۶۵]
یعنی اے بنوسلمہ! تم اپنے گھروں ہی میں ٹھہرے رہو، اس لئے کہ تم دور سے چل کر مسجد آتے ہو تو تمہیں ہر ہر قدم پر اجر وثواب ملتا ہے۔ اسی طرح حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: إن أعظم الناس أجرا في الصلاة أبعدهم إليها ممشى فأبعدهم. [صحيح مسلم: كتاب المساجد، باب فضل كثرة الخطا إلى المساجد، ج ۱ ص ۴۶۰، رقم الحديث: ۶۶۲]
یعنی تمام لوگوں میں نماز کا سب سے زیادہ اجر اس شخص کے لئے ہے جو دور سے پیدل چل کر مسجد آئے۔
حافظ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس روایت کی سند منقطع ہے، دیکھئے: [فتح الباری لابن رجب: ج۶ ص ۳۲]
علامہ ہیثمی رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں: وفيه ابن لهيعة وفيه كلام. [مجمع الزوائد: ج۲ ص ۱۶، رقم: ۱۹۸۵]
علامہ شعیب ارنؤوط اور علامہ ناصر الدین البانی دونوں حضرات فرماتے ہیں: إسناده ضعيف جدا. [التعليق على مسند أحمد: ج۳۸ ص ۳۲۳، ۳۲۴، رقم: ۲۳۲۸۷/ سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة: ج۹ ص ۱۰، رقم: ۴۰۰۵/ ضعيف الجامع الصغير وزيادته: ج ۱ ص ۵۷۸، رقم: ۳۹۶۳]

دیکھا آپ نے کہ پڑوس کا مرتبہ بھی کتنا اونچا ہوگیا، یہ قریب اور آس پاس کے مکانات اپنے دوسرے مکانات سے سبقت لے گئے اور ایسا کیوں نہ ہو، جہاں رحمتِ الٰہی کی بارش ہوتی ہے، جو جلوہ گاہِ خدا ہے اور جس کو دنیا کی جنت کہا گیا ہے، یقیناً اس کا پڑوس بھی اس سے کچھ نہ کچھ نفع اندوز ہوگا ہی۔

تسکینِ خاطر

مگر اس کے ساتھ قدرت کا یہ انصاف بھی ہے کہ جو دور رہتے ہیں ان کو بھی محروم نہیں کیا ہے بلکہ ان کو بھی کسی نہ کسی طرح یہ حصہ عطا کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

أَعْظَمُ النَّاسِ أَجْرًا فِي الصَّلَاةِ أَبْعَدُهُمْ، فَأَبْعَدُهُمْ مَمْشًى وَالَّذِي يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ حَتَّى يُصَلِّيَهَا مَعَ الْإِمَامِ أَعْظَمُ أَجْرًا مِنَ الَّذِي يُصَلِّي ثُمَّ يَنَامُ. (۱)

زیادہ اجر ان کے لئے ہے جو دور دور سے چل کر آتے ہیں اور جو مسجد آکر جماعت سے نماز پڑھتے ہیں وہ تنہا نماز پڑھ کر سونے والے سے بہتر ہیں۔

اس حدیث میں ان کے لئے تسلی و تسکین کا مواد فراہم کیا گیا ہے جو مسجد سے دور رہتے ہیں، اور پڑوس کی محرومی کا تدارک اس ثوابِ عظیم سے کیا گیا ہے جو دور سے چل کر آنے میں ہوتا ہے، اور اس چلنے کے ثواب کی کثرت کا یہ حال ہے کہ کوئی قدم ثواب سے خالی نہیں ہے۔

مسجد میں آنے کا ثواب

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہمارا گھر مسجد سے دوری پر تھا،

(۱) صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب فضل صلاة الفجر في جماعة، ج ۱ ص ۱۳۱، رقم الحديث: ۶۵۱/ صحيح مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل كثرة الخطا إلى المساجد، ج ۱ ص ۴۶۰، رقم الحديث: ۶۶۲

ایک موقع پر میں نے ارادہ کرلیا کہ اپنا گھر بیچ ڈالوں اور چل کر مسجد نبوی کے پڑوس میں (جس حد تک ممکن ہو) بسوں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس ارادہ سے روک دیا اور فرمایا:

إِنَّ لَكُمْ بِكُلِّ خَطْوَةٍ دَرَجَةً. ❶

بے شک تمہارے لئے ہر قدم پر ایک درجہ ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مسجد نبوی کے پڑوس میں کچھ جگہ خالی ہوئی، قبیلہ بنو سلمہ جو مسجد سے دوری پر آباد تھا اس کا ارادہ ہوا کہ پڑوس میں آکر آباد ہو اور پہلی جگہ چھوڑ دے، یہ خبر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے ان سے اس کے متعلق سوال کیا، انہوں نے اثبات میں جواب دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کا یہ ارادہ دیکھا تو ان سے کہا:

يَا بَنِي سَلِمَةَ دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ آثَارُكُمْ. ❷

اے بنی سلمہ! اپنے مکانوں کو لازم پکڑو، تمہارے نشانِ قدم لکھے جائیں گے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ آپ نے ان کو ترغیب دی کہ جہاں تھے وہیں رہیں، دوری سے نہ گھبرائیں، یہ دوری بھی باعثِ ثواب بنتی ہے یعنی وہاں سے چل کر جب مسجد آنا ہوتا ہے تو چلنا زیادہ پڑتا ہے اور اسی اعتبار سے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ یہاں ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی ہے، پھر یہ بھی ایک پُر لطف بات ہے کہ آدمی جب گھر سے باوضو مسجد کے لئے نکلتا ہے تو گویا وہ نماز ہی میں ہوتا ہے، اس طرح اجر میں کچھ اور اضافہ کی توقع ہے:

❶ صحیح مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل كثرة الخطا إلى المساجد، ج ١ ص ٤٦١، رقم الحديث: ٦٦٤ ❷ صحیح مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل كثرة الخطا إلى المساجد، ج ١ ص ٤٦٢، رقم الحديث: ٦٦٥

اَلْأَبْعَدُ فَالْأَبْعَدُ مِنَ الْمَسْجِدِ أَعْظَمُ أَجْرًا. ❶

مسجد سے جو جس قدر دور ہوتا ہے اور وہ آتا ہے اس کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ایک انصاری کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ یہ صاحب میرے علم میں مسجد سے (نمازیوں میں) سب سے دور رہتے تھے، مگر ان کا حال یہ تھا کہ ہر وقت پابندی سے مسجد میں حاضر ہوتے تھے، کبھی بھی ان کی جماعت نہیں چھوٹتی تھی، ایک مرتبہ ان سے کہا گیا کہ کاش آپ سواری کے لئے ایک گدھا خرید لیتے تاکہ آپ کو رات کی تاریکی اور تپتے دن میں مسجد آنے میں آرام رہتا، انہوں نے یہ سن کر فرمایا: مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ مسجد کی بغل میں ہوتا اور چلنے کی مشقت سے بچتا، بلکہ میری تو خواہش یہ ہے کہ آنے جانے میں جو قدم اٹھیں ان کے تمام نشانِ قدم میرے نامہ اعمال میں لکھ دیئے جائیں، آنے کے بھی اور واپسی کے بھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا: آمد و رفت دونوں کے ثواب اللہ تعالی نے تم کو عطا کئے۔ ❷

ایک دفعہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی پاک وصاف ہو کر باوضو کسی مسجد کے لئے چلتا ہے کہ فریضہ ادا کرے تو ایسے شخص کا ایک قدم گناہ کو مٹاتا ہے اور دوسرا درجہ کی بلندی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ ❸

---

❶سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب ما جاء في فضل المشي إلى الصلاة، ج ١ ص ١٥٢، رقم الحديث: ٥٥٦ ❷صحيح مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل كثرة الخطا إلى المساجد، ج ١ ص ٤٦١، رقم الحديث: ٦٦٣/ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب ما جاء في فضل المشي إلى الصلاة، ج ١ ص ١٥٢، رقم الحديث: ٥٥٧

❸صحيح مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل كثرة الخطا إلى المساجد، ج ١ ص ٤٦٢، رقم الحديث: ٦٦٦/ سنن أبى داود: كتاب الصلاة، باب ما جاء فى فضل المشى إلى الصلاة، ج ١ ص ١٥٢، رقم الحديث: ٥٥٩

مسجد کی حاضری

مساجد کی ایک عظمتِ شان یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے جب واپس ہوتے تو سب سے پہلے مسجد ہی میں تشریف لاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے، وہاں لوگوں سے مل جل کر گھر تشریف لے جاتے، آپ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا واپسی سفر پر یہی دستور ہو گیا تھا کہ مسجد میں اترتے، نماز ادا کرتے پھر منزلِ مقصود کی طرف چلتے، اب بھی مسلمانوں کے لئے یہی طریقہ مسنون ہے۔ ❶

اعتکاف جو ایک سنت طریقہ ہے اور بیش قیمت فوائد پر مشتمل ہے اس کے لئے بھی مسجد شرط ہے۔

اجتماع کے مرکزی گھر اور اس کی تعمیر

اب تک جو کچھ لکھا گیا اس سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ قدرتی اجتماعی نظام کے لئے مرکزی گھروں کا ہونا ضروری ہے جس کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہی ہو چکی تھی اور وہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر کھل گیا اور ہر پہلو سے مکمل ہو گیا۔

مرکزی گھروں کی تعمیر

اب یہاں اس بات کی تفصیل کرنی ہے کہ اس گھر کی تعمیر میں کن امور کا لحاظ ضروری ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کے زمانہ میں ان مرکزی مکانوں کا اہتمام ایک مستقل نظام بن گیا، آپ نے ان کے بنانے کا عام حکم دیا، اس طرح کہ کوئی آبادی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ہوں ان گھروں کے وجود سے خالی نہ ہو، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

❶ صحيح مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب الركعتين في المسجد لمن قدم من سفر أول قدومه، ج ١ ص ٤٩٦، رقم الحديث: ٧١٦

أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّورِ. ❶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تمام محلوں میں مسجد بنائی جائے۔

چنانچہ آپ نے بھی ان گھروں کو ہر مسلم آبادی میں قائم کیا اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرام نے بھی، یہ بات گزر چکی ہے کہ مسجد قبا اور مسجد نبوی تو خود آپ نے اپنے ہاتھوں سے بنائی اور دوسرے لوگوں نے بھی اپنے اپنے گاؤں میں مسجدیں بنائی ہوں گی اور آپ کے بعد جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ حکم ہر جگہ بجالایا گیا، کوئی ایسی جگہ تاریخ میں ہماری نظر سے نہیں گزری جسے مسلمانوں نے اپنے زمانہ میں فتح کیا ہو اور اس میں مسجد نہ بنی ہو، فتوح البلدان اٹھا کر دیکھئے ہر آبادی میں آپ کو مسجد نظر آئے گی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان اب بھی کتابوں میں موجود ہے:

وعن عطاء: لما فتح الله تعالى الأمصار على يد عمر رضى الله عنه أمر المسلمين أن يبنوا المساجد. ❷

حضرت عطاء سے روایت ہے کہ اللہ تعالی نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شہروں کو فتح کیا تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ سب مسجدیں بنائیں۔

یہ حکم صرف حکم ہی نہ تھا بلکہ اس پر عمل بھی ہوا اور ہر گوشہ ملک میں مسجدوں کی تعمیر عمل میں آئی جو اجتماع کے مرکزی گھر کہے جاتے ہیں، انہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جنہوں نے یہ حکم دیا تھا بہت سی مسجدیں بنائی گئیں، مؤرخین نے ان کی تعداد چھ ہزار کے قریب لکھی ہے، یہ وہ تعداد ہے جو ان کو فراہم ہوسکی ہے ورنہ امید یہی ہے کہ اس سے زیادہ مسجدیں بنی ہوں گی، اس تعداد میں یہ بھی تفصیل ہے کہ ان میں سے دو ہزار کے قریب جامع مسجدیں تھیں۔ ❸

❶ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب اتخاذ المساجد في الدور، ج ۱ ص ۱۲۴، رقم الحديث: ۴۵۵ ❷ الكشاف: سورة التوبة آیت نمبر ۱۰۷ کے تحت، ج ۲ ص ۳۱۰

❸ جامع التواريخ: ص ۱۳۳

بہر حال یہ موضوع ہماری بحث سے خارج ہے، ہمیں صرف اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ اجتماع کے یہ مرکزی گھر (مسجد) بکثرت بنائے گئے۔

تعمیر مسجد کی ضرورت

کوئی شبہ نہیں کہ ہر نماز ہر پاک جگہ پڑھنے کی اجازت ہے اور امت مرحومہ کے لئے تمام زمین مسجد ہے، شریعت محمدی میں وہ تنگی نہیں ہے جو پہلی شریعتوں میں پائی جاتی تھی بلکہ یہاں حکم ہے:

وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُورًا، وَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ. ❶

تمام زمین مسجد اور پاک بنائی گئی ہے، میری امت کے جس فرد کو جہاں نماز کا وقت آجائے نماز پڑھ لے۔

بندوں کے لئے کوئی حیلہ باقی نہیں چھوڑا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالی کی بندگی اور عبادت سے غافل رہیں، وقت آئے اور گزر جائے مگر بندہ یہ بہانہ کر کے کہ ''مسجد نہ تھی'' اپنی پیشانی خدا کے آگے نہ رکھے، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ جہاں وقت آجائے وہیں وضو کر کے یا شرعی مجبوری میں تیمّم کر کے نماز ادا کرے، مسجد وہاں ہو یا نہ ہو، اس لئے کہ تمام زمین پاک ہے۔

مگر اسلام کا قانونِ عام مقتضی تھا کہ نظم وضبط اور مسلمانوں کی قوتِ اجتماعی برقرار رکھنے کے لئے کوئی ایسا نظام قائم کیا جائے جو بکھری ہوئی بھیڑ اور منتشر افراد کی شیرازہ بندی کر دے اور انتشار وتشتّت کی راہ پر آہنی پھاٹک لگا دے تا کہ نفرت وعداوت اور پھوٹ کی لعنت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے جو کسی قوم کی مٹی پلید کرنے کے لئے کافی ہے۔

❶ صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا، ج ١ ص ٩٥، رقم الحديث: ٤٣٨

چنانچہ شریعتِ مطہرہ نے مسجدوں کے نام سے اس اجتماعی اور دینی نظام کو قائم کیا اوراس کے قائم کرنے کا ہرایک مسلمان کوحکم دیا، اوردن رات کے پانچ وقتوں میں ان میں حاضری ضروری قراردی اوران گھروں کی حیثیت ایسی رکھی کہ کسی کوآنے میں عار نہ ہواور نہ بندگی کی ادائیگی میں شرم اور نہ کسی کے لئے یہ گنجائش باقی رکھی ہے کہ وہ کسی کواس گھر کی حاضری سے روک سکے۔

ان گھروں کا زیادہ تعلق عبادات سے رکھا گیا ہے لغویات کی یہاں مطلق گنجائش نہیں ہے، چنانچہ مسجد کی تعریف ہی یہ کی گئی کہ مسجد اس گھر کو کہتے ہیں جواللہ تعالی کی عبادت کے لئے بنایا گیا ہو۔ ❶

اورفقہاء نے تواس کونماز کے ساتھ مخصوص کردیا ہے۔ ❷

کوئی شبہ نہیں کہ بقول فقہاء مسجد کا بڑا کام نماز کی ادائیگی ہے مگراس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ دین کے دوسرے کام اس میں جائز نہیں ہیں، ہم شروع میں اس طرف اشارہ کرآئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کا بہت سارا کام اسی مسجد سے لیا ہے، لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ سلسلہ مسلمانوں کے لئے فوز وفلاح کا ذریعہ بنایا گیا ہے جس کی تفصیل اپنے موقع پرآئے گی۔

مردمؤمن کوحقِ تعمیر

یہاں عرض کرنا ہے کہ چونکہ اس سلسلہ کا فائدہ مسلمان سے وابستہ ہے اوران کواللہ تعالی کا گھر کہا جاتا ہے اس لئے ان گھروں کی تعمیر کا حق بھی مخصوص طور پران کوہی دیا گیا ہے جواللہ تعالی سے عقیدت رکھتے ہیں اوران کی بھیجی ہوئی شریعت کویقین کے ساتھ مانتے اور قبول کرتے ہیں، اسی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے کہ جولوگ کفروشرک کا برملا اقرار کرتے

❶حاشية الجمل على الجلالين: سورة الجن آیت نمبر ۱۸ کے تحت، ج۸ ص ۱۳۵

❷أشعة اللمعات: كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، ج ۱ ص ۳۲۳

ہیں ان کو مسجدوں کی تعمیر کا حق نہیں ہے، اور اگر یہ کریں بھی تو مقبول نہ ہوں گی بلکہ ان کی تعمیر اور ان سے متعلق امور کی انجام دہی کا حق ان کو ہے جو دل اور جوارح ظاہر و باطن ہر طرح سے اللہ تعالی کو مانتے ہیں اور اللہ تعالی کے سوا امرِ دین میں کسی اور سے نہیں ڈرتے ہیں، پھر یہ کہ وہ احکام الٰہی کو کسی کے خوف سے ترک بھی نہیں کرتے، نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں اور قیامت کے دن پر ان کا ایمان ہے۔ ❶

یوں تو ہر مسلمان کو تعمیر مسجد کا حق ہے کہ وہ عقیدہ کے اعتبار سے پکا مسلمان ہے مگر ان میں جو صالح ہیں ان کو زیادہ حق پہنچتا ہے، باقی کافر و مشرک کو مسجد بنانے کی اجازت دی جائے گی یا نہیں؟ فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ اپنے مذہب کی رو سے اس کو کارِ خیر اور ثواب کا کام سمجھیں تو اجازت دی جائے گی ورنہ نہیں، لیکن جس شکل میں ان کو مسجد بنانے کی اجازت دی گئی ہے اگر مسلمان کسی مصلحتِ اسلامی کے خلاف سمجھیں تو پھر ان کو بھی اجازت نہ ہوگی۔ ❷

علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قرآن کا لفظ تو یہی بتاتا ہے کہ کافروں کو اس کی اجازت نہ دی جائے گی اور نہ ان کو مسجد کا ذمہ دار بنایا جائے گا۔ ❸

تعمیر مسجد کا اجر

اس تفصیل سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تعمیر مسجد کی عزت اسلام کی نظر میں کتنی بلند ہے اور بنانے والا اللہ تعالی کی نگاہ میں کتنا ممتاز ہے، یہی نہیں حدیثوں میں صراحت ہے کہ جو اللہ تعالی کا گھر بناتا ہے اللہ تعالی اس کو اس کا بدلہ مرنے کے بعد جنت میں عطا کرتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

❶ سورہ توبہ آیت نمبر: ۱۷، ۱۸ ❷ بیان القرآن: سورہ توبہ آیت نمبر ۱۸، ۱۹ کے تحت، ج ۲ ص ۱۱۷

❸ أحکام القرآن للجصاص: سورۃ التوبۃ آیت نمبر ۱۷ کے تحت، ج ۴ ص ۲۷۸

مَنْ بَنَى مَسْجِدًا يَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللَّهِ بَنَى اللَّهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ. ❶

جو اللہ تعالی کے لئے مسجد بنائے گا اللہ اس کے لئے جنت میں اسی طرح کا گھر بنائے گا۔

اس سے بڑھ کر کیا خوش نصیبی ہوگی کہ اللہ تعالی کے برگزیدہ رسول اپنی زبانِ وحی ترجمان سے جنت کی بشارت سنائیں اور اللہ تعالی اس کے بدلے میں جنت میں گھر عطا کریں جو دلیل ہے اس کی رضا اور خوشنودی کی، مردِ مؤمن کو اس کی خوشنودی کے علاوہ چاہئے ہی کیا۔

''مثلہ'' (اسی طرح) کا یہ مطلب تو کسی درجہ میں ممکن ہی نہیں ہے کہ جنت کا گھر دنیاوی گھر کی طرح کا ہوگا، جو اینٹ چونا وغیرہ سے بنایا گیا ہوگا اس طرح کا دل میں خطرہ گزرنا بھی بے ادبی اور گستاخی ہے، انسان کی بنائی ہوئی مسجد اور اللہ تعالی کے جنتی گھر میں بحیثیت صنعت اور خوبصورتی وہی فرق عظیم ہوگا جو انسان اور اللہ تعالی کی صنعت میں ہوتا ہے۔

یہ بھی ضروری نہیں کہ ایک مسجد بنانے کا بدلہ ایک ہی گھر سے ملے گا بلکہ متعدد گھر بھی ایک کے معاوضہ میں مل سکتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک نے ہر نیکی کا بدل ''بعشر أمثالها'' (دس گنا) سے بیان کیا ہے جو محض اس کا لطف وکرم ہے، اور ایک ہی ہوگا تو ایسا کہ اس پر ہزاروں دنیاوی گھر نچھاور کئے جا سکتے ہیں، پھر یہ بھی نہیں ہے کہ گھر کے علاوہ اور کچھ نہ ملے گا بلکہ اس کی رحمت سے بڑی امیدیں وابستہ رکھنی چاہئیں، واضح رہنا چاہئے کہ جنت کی بالشت بھر زمین ساری دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

بعض روایتوں میں مثلہ کی جگہ ''أفضل منه''''أوسع منه'' بھی آیا ہے جو مماثلت کی نفی کرتا ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ تعالی کے یہاں آدمی جیسی نیکی کرتا ہے

❶ صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب من بنى مسجدا، ج ١ ص ٩٧، رقم الحديث: ٤٥٠

ویسا ہی بدلہ ملتا ہے، پھر یہ بھی تو ہے کہ مسجد بنانے والوں کو جنت میں جو گھر ملے گا اس گھر کو جنت کے دوسرے گھروں پر وہی بڑائی حاصل ہوگی جو مسجد کو دنیا کے دوسرے گھروں پر حاصل ہوتی ہے۔ ❶

مختصر لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ بدلہ جنس بناء سے بھی ملے گا مع دوسرے الطاف و اکرام کے، باقی کتنے کمرے ہوں گے کیسے کمرے ہوں گے اس کی صحیح حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، البتہ ہم اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ اجر کے متعلق یہ سمجھ کر رائے قائم کرنی چاہیے کہ دینے والا رحمٰن، رحیم، قدیر ہے۔

تعمیر میں بقدرِ وسعت حصہ

مسجد بنانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی ایک ہی شخص پوری مسجد بنوائے تب تو مستحق اجر ہے ورنہ نہیں، بلکہ معمولی مدد بھی قابلِ اجر ہے جس سے جو ہو سکے مدد کرنی چاہیے جس طرح مال دینے والے کو اجر ملتا ہے اسی طرح اس کو بھی ثواب ملتا ہے جو جسم سے مدد کرے، بلکہ جسمانی مدد تو سنت ہے، نبیوں اور صحابہ کرام دونوں نے بدست خود تعمیر مسجد میں حصہ لیا ہے۔ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے واقعہ کو قرآن نے بیان کیا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا واقعہ مسجد قبا اور مسجد نبوی کے ضمن میں آپ ابھی پڑھ چکے ہیں۔

مسجد نبوی کی ہی تعمیر کا واقعہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اینٹ اُٹھا اُٹھا کر لاتے تھے اور بڑی محنت اور جفاکشی سے کام کر رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اس محنت سے کام کرتے دیکھا تو شفقت و محبت سے ان کے سر کی مٹی جھاڑنے لگے۔ ❷

---

❶ فتح الباري: كتاب الصلاة، باب من بنى مسجدا، ج ١ ص ٥٤٤، ٥٤٥، ٥٤٦

❷ صحيح البخاري: كتا ب الجهاد والسير، باب مسح الغبار عن الرأس في سبيل الله، ج ٤ ص ٢١، رقم الحديث: ٢٨١٢

آپ پڑھ آئے ہیں کہ مسجد نبوی کی چھت عہد نبوی میں برگِ کھجور کی تھی، ایک رات بارش ہوئی مسجد نبوی میں اس قدر پانی ٹپکا کہ فرش کیچڑ بن گیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ حال دیکھا تو اٹھے اور اپنے کپڑوں میں کنکری لالا کر بچھانے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو بہت پسند فرمایا اور ان کے اس کام کی تحسین فرمائی۔ ❶

مسجد کے لئے جو زمین دے گا وہ بھی اس بشارت کا مستحق ہوگا، اور جو بنا بنایا مکان مسجد بنا دے وہ بھی اسی زمرہ میں ہے یعنی وہ بھی مسجد بنانے کا مخصوص اجر پائے گا۔ ❷

البتہ جو اپنی پوری اجرت لے کر کام کرے گا اس کو یہ فضیلت حاصل نہ ہوگی کیونکہ بظاہر یہ اخلاص کا فقدان ہے، یوں اگر اس نے واقعی کچھ رعایت کی ہو یا نیت صالح ہو تو توقع کی جاتی ہے فی الجملہ کچھ ثواب مل جائے گا۔ ❸

لوازماتِ مسجد

مسجد کے علاوہ اس کے لوازمات کا عطیہ بھی باعث اجر وثواب ہے جیسے فرش کے لئے جائے نماز، چراغ بتی، یا مثلاً وضوخانہ بنا دینا، مسجد کے لئے قریب کنواں کھدوا دینا، نل لگوا دینا اور اسی طرح کی کوئی اور چیز جس سے مسجد اور اہلِ مسجد کو فائدہ ہو۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بقدر مقدور در بنائے مساجد در محلے کہ احتیاج آں باشد امداد مالی وجانی نمودن ثواب عظیم دارد ہمچنیں در مہیا داشتنِ اسباب، طہارت از بنائے غسل خانہ وترمیم چاہ واجرائے آب ریز ومہیا داشتن فرش وبوریا دروشن کردن چراغ در آنجا تا آں مدت کہ مدرم دراں باشند عبادت است۔ ❹

❶سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب في حصى المسجد، ج ۱ ص ۱۲۵، رقم الحديث: ۴۵۸ ❷فتح الباري: كتاب الصلاة، باب من بنى مسجدا، ج ۱ ص ۵۴۵ ❸فتح الباري: كتاب الصلاة، باب من بنى مسجدا، ج ۱ ص ۵۴۵ ❹ تفسیر عزیزی: سورہ بقرہ، ج۱ص ۵۱۵

جہاں ضرورت ہو حتی المقدور مسجد کے بنانے میں مالی اور جانی مدد کرے اس کا بڑا ثواب ہے، اسی طرح طہارت کا سامان فراہم کرنے کا ثواب ہے، جیسے غسل خانہ بنانا، کنویں کی مرمت کرنا اور نل لگانا یونہی فرش مسجد کا سامان جیسے چٹائی اور چراغ روشن کرنا جس وقت تک آدمی ہوں یہ سب کام عبادت کا ثواب رکھتے ہیں۔

مسجد اور لوازماتِ مسجد میں تمام ضروریات کی چیزیں آگئی ہیں ان تمام کا ثواب بھی کرنے والوں کو ملے گا، اور یہ تمام مسجد سے متعلق چیزیں صدقہ جاریہ کا حکم رکھتی ہیں، جن کا ثواب ان کی بقاء تک ملتا رہے گا۔

تعمیر میں چند امور کا لحاظ

اس طرف بھی شاہ صاحب رحمہ اللہ اشارہ کر گئے کہ مسجد یا لوازماتِ مسجد کے مہیا کرنے کا ثواب وہاں ہوگا جہاں ضرورت ہو، بلا شبہ یہ چیز بھی اہم ہے اس لئے مسجد جب بنانے کا ارادہ کرے تو اس کو دیکھ لینا ہوگا کہ اس کی ضرورت بھی ہے یا نہیں، صرف ثواب کی نیت سے ایسا کر گزرتے ہیں حالانکہ یہ غلط چیز ہے، مقصد حصولِ ثواب ہی ہو تو اس کے بہت راستے ہیں، بے ضرورت تعمیر مسجد سے بدرجہا بہتر ہے کہ دین کے دوسرے کام سرانجام دیئے جائیں جن کی ضرورت زیادہ ہو۔

فرض کر لیا جائے کہ کوئی ایسی مسجد بنائے جس سے دوسری مسجد کو نقصان پہنچنے کا غالب اندیشہ ہو تو یہ کام بجائے خیر کے شر بن جائے گا، ایک مسجد میں جو جماعت بآسانی ہو رہی تھی اس میں اس دوسری مسجد کی وجہ سے تفریق پیدا ہو جائے گی اور محلّہ کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا، جس کو کوئی دیندار پسند نہیں کرتا، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب فتوحات کی کثرت ہوئی تو آپ نے ہر آبادی میں تعمیر مسجد کا حکم نافذ فرمایا مگر ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کر دی کہ کسی ایک شہر میں ایسی دو مسجدیں نہ ہوں کہ ایک دوسرے کے لئے ضرر رساں ہوں:

وعن عطاء: لما فتح الله تعالى الأمصار على يد عمر رضى الله عنه أمر المسلمين أن يبنوا المساجد وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه. ❶

حضرت عطاء سے مروی ہے کہ اللہ تعالی نے جب عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ شہروں کو فتح کیا تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ مسجدیں بنائیں، مگر اس طرح کہ ایک شہر میں دو مسجدیں ایسی نہ ہوں کہ ایک سے دوسری کو نقصان پہنچے۔

ایک محلّہ میں دو مسجدیں

ایک محلّہ میں متعدد مسجدیں بنانا کسی حال میں ضرر سے خالی نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ محلّہ کی آبادی اتنی دور تک پھیلی ہوئی ہو کہ دوسرے کنارے کے لوگ نہ پہنچ سکیں، ورنہ پھر احتیاط اسی میں ہے کہ ایک محلّہ میں ایک سے زائد مسجد نہ ہو، یا چند بھی ہوں تو اس طرح کہ نزدیک نزدیک نہ ہوں جس سے ایک جماعت میں انتشار پیدا ہو جائے۔

ایک مسجد کے ہوتے ہوئے اس کی بغل میں دوسری مسجد اس وقت تک نہیں بنائی جاسکتی جب تک کوئی شرعی مجبوری درپیش نہ آئے، مثلا یہ کہ پہلی مسجد تنگ ہو جائے اور اس کو وسعت دینے کی گنجائش نہ ہو یا ایک مسجد میں اجتماع سے کسی فتنہ کا اندیشہ ہو، بغیر کسی ایسی شرعی مجبوری کے دو مسجدیں بنا کر انتشار وتشتّت پیدا کرنا اس اجتماعی نظام کے سراسر خلاف ہے کہ اس سے شیرازہ دینی بکھر جائے گا، عبادات کا عروۃ الوثقی مضمحل ہو جائے گا اور مسجد کی رونق جاتی رہے گی۔

سلفِ صالحین کی احتیاط

سلف صالحین ایسی مسجدوں میں نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے تھے جن میں مسجد ضرار کی

❶ الکشاف: سورۃ التوبۃ آیت نمبر ۱۰۷ کے تحت، ج ۲ ص ۳۱۰

ذرہ برابر بو آجاتی تھی، اور اسی وجہ سے وہ نماز پڑھنے میں پرانی اور قدیم مسجد کو ترجیح دیتے تھے، مختلف علماء نے ان امور کی طرف جگہ جگہ اشارہ کیا ہے، عموماً اس طرح کی مسجدیں شہرت وعزت اور ریا کاری کے لئے بنائی جاتی ہیں اور جو مسجدیں ان اغراضِ فاسدہ کے لئے وجود میں آئی ہوں وہ بلا شبہ مسجد ضرار کی شکل میں ظاہری طور پر بھی آجاتی ہیں جس سے اجتناب بہر حال ضروری ہے۔ ❶

تعمیر سے پہلے نیت کی اصلاح

یہاں یہ مسئلہ صاف کر لینا چاہئے کہ اگر کوئی محروم القسمت مسجد بنائے مگر اس کی نیت نام ونمود، عزت وشہرت اور ریا کاری ہو تو اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ اس اہم سوال کا جواب پیش کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اصلاحِ نیت اور اخلاصِ عمل پر مختصر سی روشنی پڑ جائے تا کہ اس مسئلہ کی اہمیت اُجاگر ہو جائے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جس کو محدثین امہات الدین میں شمار کرتے ہیں۔ صاحب ''مشکوۃ المصابیح'' نے بلکہ خود امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ''جامع صحیح'' میں پہلی حدیث اسی کو نقل کیا ہے اور کتاب شروع کرنے سے پہلے اصلاحِ نیت کی طرف اشارہ کیا ہے، الفاظِ حدیث یہ ہیں:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا، أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ. ❷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعمال نیتوں ہی سے ہیں، اور آدمی کے لئے وہی ہے جو وہ نیت کرے، لہذا جس کی ہجرت اللہ تعالی اور اس کے رسول کے لئے ہوئی اس کی ہجرت اللہ تعالی اور اس کے رسول کے لئے ہے، اور جس کی ہجرت دنیا کے حصول کے

❶ تفسير المدارك: سورة التوبة آیت نمبر ۱۰۷ کے تحت، ج ۱ ص ۷۰۹

❷ صحيح البخاري: باب بدء الوحي، ج ۱ ص ٦، رقم الحديث: ۱

لئے ہوئی یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے ہوئی تو اس کی ہجرت انہی چیزوں کے لئے ہے جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔

اعمالِ صالحہ میں نیت کا دخل

اس حدیث کے ایک ایک جملہ کو غور سے پڑھنا چاہئے، یہ بات بالکل صاف ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہے کہ اعمال کی قبولیت کا دارومدار نیت پر ہے، اور عمل پر اجر اسی وقت مرتب ہوتا ہے جب نیت پاک و صاف ہو، ہجرت جیسی مہتم بالشان چیز میں نیت کے فساد سے ثواب جاتا رہتا ہے، اور ایک اندھا جو اپنی شرعی مجبوری کی وجہ سے جہاد میں شریک نہیں ہوسکتا اس کو نیت کی خوبی کی وجہ سے اجر ملتا ہے۔

نماز کے عملِ صالح ہونے میں کس مسلمان کو شبہ ہوسکتا ہے لیکن یہی نماز اگر ریا کے جذبہ کے ساتھ پڑھی جائے تو باعثِ ہلاکت ہے، ارشاد ربانی ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَا تِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ.

(الماعون: ۴، ۵، ۶)

ترجمہ: ان نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا دیتے ہیں اور جو اپنی نماز میں ریا کاری کرتے ہیں۔

ویل جہنم کا ایک گہرا طبقہ ہے اور بعض نے ویل کا ترجمہ خرابی اور ہلاکت سے کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ریا کاری کی نماز باعثِ محرومی اور ناکامی ہے، حدیث میں اس کو شرکِ اصغر سے تعبیر کیا گیا ہے، دیکھا آپ نے اس قدر عظیم الشان عبادت اور ذرا سی نیت کی خرابی نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

واقعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالی ظاہر سے زیادہ باطن کو دیکھتا ہے، جسم سے زیادہ اس کی نظر باطن پر ہوتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ

وَأَعْمَالِكُمْ. ❶

اللہ تعالی تمہاری صورتوں کونہیں دیکھتا ہے، اس کی نظر تو یقینی طور پر تمہارے دلوں پر ہوتی ہے۔

ریا کاری کا فساد

نیت کی اس مختصر تفصیل کے بعد غور کیجئے کہ نیت کو اعمال کی قبولیت اور اس کی اصلاح میں کس قدر دخل ہے، تو پھر کس طرح یہ ممکن ہے کہ تعمیر مسجد جیسا اہم کام انجام دیا جائے اور اس میں نیت کے فساد سے بگاڑ پیدا نہ ہو یقیناً اس نیتِ بد کا اثر اس کے اعمال پر پڑ کر رہے گا، اگر نیت ریا کاری اور نام ونمود کی ہے تو اس کو معارضہ میں یہی چیزیں ملیں گی، جس ثواب کی تعمیر مسجد میں بشارت سنائی گئی اس سے یہ محروم رہے گا:

كل مسجد بني مباهاة أو رياء أو سمعة أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمال غير طيب فهو لاحق بمسجد بني الضرار. ❷

جو مسجد فخر ومباہات ریا کاری اور نام ونمود یا کسی اور غرض فاسد کے لئے بنائی جائے جس میں اللہ تعالی کی خوشنودی مقصود نہ ہو یا مسجد ناپاک مال سے بنائی جائے وہ مسجد ضرار کی سی ہے۔

مسجد ضرار

مسجد ضرار وہ مسجد ہے جو قبا کے مقابلہ میں بنائی گئی تھی، بانی منافق اور دشمنِ رسول تھے جن کا مقصد مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اور سازش کا جال بچھانا تھا، مسجد کی شکل میں یہ خفیہ کاروائی کے لئے منافقوں نے ایک گھر بنایا تھا، اللہ تعالی نے آپ کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے اسے جلوا کر خاکستر بنا دیا، قرآن میں ہے:

❶ صحيح مسلم: كتاب البر والصلاة والآداب، باب تحريم ظلم المسلم وخذله واحتقاره وعرضه وماله، ج۴ ص ۱۹۸۹، رقم الحديث: ۲۵۶۴

❷ تفسير المدارك: سورة التوبة آیت نمبر ۱۰۷ کے تحت، ج ۱ ص ۷۰۹

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا. (التوبة: ۱۰۷، ۱۰۸)

ترجمہ: اور کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی کہ اسلام کو ضرر پہنچائیں اور اس میں بیٹھ کر کفر کی باتیں کریں اور ایمانداروں میں تفریق ڈالیں اور اس کے قیام کا سامان کریں جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہے اور قسمیں کھا جائیں گے بجز بھلائی کے ہماری نیت کچھ اور نہیں اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں، آپ (اے نبی) اس میں ہرگز نماز نہ پڑھیں۔

جس مسجد کا یہ حال ہو کسی مسلمان کی بنائی ہوئی مسجد کا اسی جیسا ہو جانا معمولی بات نہیں ہے، غور کیا جائے کہ جو مسجد اس نیتِ فاسد سے بنائی جاتی ہے کہ نام ونمود اور عزت حاصل ہو اللہ کے یہاں نہیں دنیا والوں میں، اس کی مسجد اور خود بانی کا کیا حال ہوگا، ایسی مسجد جب مسجد ضرار کے درجہ میں آنے کے لائق ہو جائے گی تو اس کے بانی کس درجہ میں آجائیں گے؟ بار بار سوچئے اللہ ہر مسلمان کو اس عذاب سے بچائے۔

بطورِ ریا مسلمان کی تعمیر کردہ مسجد

اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس طرح کی مسجد ہر پہلو سے مسجد ضرار کے حکم میں ہو جاتی ہے، بلکہ یہ صرف انتفائے ثواب نیتِ فاسدہ اور فقدان خلوص میں ہے کیونکہ مسجد ضرار اور آج کل کی مسجد جو بطور ریا بنائی جائے دونوں میں فرق ہے، سب کو معلوم ہے کہ مسجد ضرار میں مسجد کی نیت سرے ہی سے نہ تھی بلکہ محض تلبیس اور فریب مقصد تھا، جس کا قرآن نے اعلان کیا مگر مسلمان جو مسجد بناتا ہے اس کی نیت ہر حال میں مسجد کی ہی ہوتی ہے صرف اس کی نیت میں ریا، نام ونمود کی آمیزش ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے ثواب سے محرومی ہوگی۔

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ مسجد ضرار میں چار چیزیں تھیں جن کی وجہ سے یہ

مسجدیت سے نکل گئی، اور یہ کہ اسے منافقین نے اپنی اغراضِ فاسدہ کی تکمیل کا ذریعہ اور مسلمانوں کی ضرررسانی کا حیلہ بنایا تھا جس کو لفظ ضرار بتلا رہا ہے، دوم یہ کہ اس کی آڑ میں کفر کی تقویت مقصود تھی اور اسلام کا ضعف و اضمحلال، جیسا کہ لفظ کفر سے ظاہر ہے، سوم یہ کہ مسلمانوں کی باہمی اخوت و محبت اور ان کی یکجائی پامال کرکے تفرقہ، اختلاف اور عداوت پیدا کرنا ان کی خواہش تھی جس پر لفظ ''تَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ'' شاہد ہے، چہارم یہ کہ منافقین نے اس مسجد ضرار کو دشمنِ خدا اور رسول کی روپوشی اور گھات کے لئے تیار کیا تھا جس کا نام مفسرین نے ابو عامر خزاعی نصرانی بتایا ہے۔ ❶

اس کی طرف اشارہ ہے ''لِمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ''

یہ بات ہر شخص کی سمجھ میں آنے کی ہے کہ مسلمان جو بھی مسجد بناتا ہے اس کا مقصد ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا ہے، اس لئے وہ ظاہری احکام میں مسجد ہے گو عند اللہ مقبول نہ ہو، مسجدیت اور مقبولیت میں تلازم نہیں، نہ ایک جانب سے نہ دونوں جانب سے، واللہ اعلم۔ باقی اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہر مسلمان کو ایسی بات سے پرہیز لازم ہے جس سے اس کو ثواب سے محرومی ہو اور ہمہ دم اس کو حبطِ عمل سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ''.

بانی کے نام کا کتبہ

بعض لوگ جو بدعات کا شکار ہو کر مسجد پر اپنا نام کندہ کراتے ہیں یا بانی اپنے نام کا کتبہ لگاتے ہیں یہ بھی ریا ہے، اور بقول علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ اخلاص سے محروم ہیں۔ ❷

ہمارے دور میں تعلّی ترفّع اور آن وشان کی جو رسم بد جاری ہوگئی ہے اور اخلاص کی جس طرح مٹی پلید ہو رہی ہے وہ قابلِ صد افسوس ہے، ملا جیون رحمہ اللہ نے سچ فرمایا ہے:

ہمارے زمانہ کے وہ متعصب مشائخ اور بھی قابلِ تعجب ہیں جو ہر گلی کوچہ میں مسجد

❶ حاشية الجمل على الجلالين: سورة التوبة آیت نمبر ۱۰۷ کے تحت، ج ۳ ص ۳۱۵

❷ فتح الباري: كتاب الصلاة، باب من بنى مسجدا، ج ۱ ص ۵۴۵

اس لئے بناتے پھرتے ہیں کہ نام ونمود حاصل ہو اور شان وشوکت نمایاں رہے، یہ محض باپ دادا کی غلط پیروی کا نتیجہ ہے، ان کو مسجد ضرار کے واقعہ میں غور وفکر کرنا چاہئے اور انجام سے ڈرنا چاہئے۔ ❶

اللہ تعالیٰ کے ہاں حلال مال کی قبولیت ہے

نیت کی اصلاح کے ساتھ یہ بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ مسجد میں جو مال لگایا جائے وہ پاک اور حلال کمائی کا ہو، اس اجتماعی نظام میں ان تمام مفاسد پر پہرہ بٹھایا گیا جس سے کوئی برا اثر پیدا ہو اور اس نظام کی ہر طرح سے حفاظت کی گئی ہے تاکہ اس کے استحکام میں کہیں سے کوئی رخنہ پیدا نہ ہونے پائے۔

مالِ حرام اپنا ایک خاص اثر رکھتا ہے جو کبھی نہ کبھی فتنہ وفساد کا مرکز بن جاتا ہے جیسے زہر کہ اگر فوری طور پر کچھ نہ بھی ہو تو بھی مطمئن نہ رہنا چاہئے، پھر یہ مال جب کہ مسجد جیسی پاک جگہ میں صرف ہو رہا ہو، یہ دربارِ الٰہی ہے اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، اس میں ناپاک مال کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے:

إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا. ❷

بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ بجز پاک اور حلال کے قبول نہیں کرتا۔

زانیہ کی تعمیر کردہ مسجد

مال حرام سے مسجد ہی نہیں بلکہ اس کا استعمال کہیں بھی جائز نہیں ہے، پھر مسجد میں اگر کوئی لگاتا ہے تو وہ دین پر ظلم کرتا ہے، اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ زانیہ یا مغنیہ عورت اگر زنا اور غناء کی کمائی سے مسجد بنائے تو یہ مسجد ہی نہیں ہوگی۔ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ

❶ التفسیرات الأحمدية: سورة التوبة آیت نمبر ۱۰۷ کے تحت، ص ۴۷۸

❷ صحيح مسلم: كتاب الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، ج ۲ ص ۷۰۴، رقم الحديث: ۱۰۱۵

نے اس مسئلہ کی دلیل میں اسی اوپر والی حدیث کو پیش کیا ہے، اس کی وضاحت ایک دوسرے استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مسلم میں ایک حدیث حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے آئی ہے، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

وَمَهْرُ الْبَغِيِّ خَبِيثٌ. ❶

زانیہ کی کمائی حرام ہے۔

کسی کو خبیث کے معنی جو حرام کیا گیا ہے اس میں شبہ ہوسکتا تھا اس لئے انہوں نے اس کو سید جمال الدین، محدث شیخ عبدالحق شارحِ مشکوۃ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ کے حوالہ سے ثابت کیا ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے:

وَالْمَعْنَى مَهْرُ الزَّانِيَةِ (خَبِيثٌ) أَیْ حَرَامٌ إِجْمَاعًا لِأَنَّهَا تَأْخُذُهُ عِوَضًا عَنِ الزِّنَا الْمُحَرَّمِ، وَوَسِيلَةُ الْحَرَامِ حَرَامٌ، وَسَمَّاهُ مَهْرًا مَجَازًا لِأَنَّهُ فِی مُقَابَلَةِ الْبُضْعِ. ❷

زانیہ کی کمائی خبیث یعنی بالاتفاق حرام ہے، اس لئے کہ وہ اس کو زنا کے معاوضہ میں لیتی ہے جو حرام ہے اور حرام کا وسیلہ بھی حرام ہے، اس کا نام مہر مجازاً رکھا گیا ہے کہ وہ شرمگاہ کے مقابلہ میں ہے۔

ماحصل یہ ہوا کہ مالِ حرام سے مسجد نہیں بنائی جاسکتی وہ حرام مال زنا وغناء سے حاصل کیا گیا ہو یا کسی اور ناجائز وحرام طریقہ سے، فرض کر لیجئے اگر کوئی اس طرح مالِ حرام کی تیار کردہ مسجد ہے اور اس میں کسی نے نماز پڑھ لی تو گو فرض ذمہ سے ساقط ہوجائے گا مگر

❶ صحيح مسلم: كتاب المساقاة، باب تحريم ثمن الكلب...... إلخ، ج۳ ص ۱۱۹۸، رقم الحديث: ۱۵٦۸ ❷ مجموعة الفتاوى: كتاب المساجد، ج ۱ ص ۱۸۵ / مرقاة المفاتيح: كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، ج۵ ص ۱۸۹۴، رقم الحديث: ۲۷٦۳

ثواب میں نقص وضرر پیدا ہوگا اور مسجد کے بنانے والے کو بھی کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

مالِ حرام سے تعمیر کردہ مسجد کا حکم

اب یہ بحث بہرحال ہے کہ اس مسجد کا کیا حکم ہے، اسے مسجدیت سے خارج قرار دیا جائے یا نہیں، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''دأب المساجد في آداب المساجد'' ص۲۳ میں لکھتے ہیں:

دوسرا حکم اس کا مسجد نہ ہونا ہے، اس میں دلیل کی حاجت ہے، صرف مولانا عبدالحی رحمہ اللہ کا قول حجت نہیں، مسجد کا احکام میں مسجد ہونا مسئلہ فقہیہ ہے، سو کتبِ فقہ میں تحقیق مسجدیت کے لئے مال کا حلال ہونا کہیں مذکور نہیں، جیسے کوئی شخص بہ نیت ریا وقف کرے تو گو وہ وقف مقبول نہ ہو بلکہ خوف معصیت وقف صحیح ہو جاتا ہے، اسی طرح گو یہ مسجد مقبول نہ ہو بلکہ خود معصیت ہے لیکن احکام میں مسجد ہو جائے گی، مثلاً اس کی بیع جائز نہیں اس میں حائض وجنب کا داخل ہونا جائز نہیں، اس میں بول وتغوط (پیشاب و پائخانہ) درست نہیں اب صرف یہ بات باقی ہے کہ اس کو کیا کیا جائے، سو اس کا حکم کہیں منقول نظر سے نہیں گزرا لیکن قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بند کر کے محفوظ کر دیا جائے نہ اس میں نماز پڑھیں، نہ اس کی بے حرمتی کریں، البتہ اگر زمین حلال ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے اور صرف ملبہ حرام ہے تو بجائے اس کے دوسرے ملبہ سے اس کی تعمیر کرا دینا جوازِ انتفاع کے لئے کافی ہو جائے گا اور ایسی مسجد مذکور جو مالِ حرام سے بنائی ہوئی ہے ایسی مثال ہے جیسے نعوذ باللہ کوئی شخص ناپاک سیاہی سے قرآن مجید لکھ لے، اس میں نہ تلاوت جائز ہے اور نہ اس کی بے ادبی جائز ہے بلکہ دفن کر دیا جائے، باقی مسئلہ نازک ہے دوسرے علماء سے بھی نظر کرا لی جائے۔

یہ تفصیل مولانا رحمہ اللہ نے زانیہ اور مغنیہ کی مسجد پر لکھی جس کی کمائی حرام ہوتی ہے یہی تفصیل دوسرے مال حرام سے بنائی ہوئی مسجد کی بھی ہوگی۔

کراہیت والے مال سے تعمیر میں اجتناب

مسجد میں مال حرام کے سوا ایسے مال سے بھی اجتناب ضروری ہے جس میں کسی طرح کی شرعی کراہیت پیدا ہو جائے، تاکہ مسجد اوساخ سے منزہ کہی جا سکے اور مسلمانوں کے اجتماع کے مرکزی گھر ہر طور پر ایک اعلیٰ نمونہ بن سکیں۔

علماء نے اسی وجہ سے لکھا ہے کہ مسجد میں ایسے مسلمان بھنگی کی کمائی لگانا درست نہیں ہے جس کی کمائی سوائے پاخانہ اٹھانے کی اجرت کے نہیں۔ ❶

کیونکہ حدیثوں میں اس طرح کی کمائی کو کراہت آمیز کہا گیا ہے، اسی طرح زکوۃ یا زکوۃ کے حکم میں جو مال ہے اس کا لگانا بھی مسجد میں جائز نہیں ہے۔ ❷

کیونکہ اس طرح کے مال میں حکماً ایک طرح کی گندگی ہے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ مسجد کارِثواب ہے مگر تعمیر مسجد میں چند امور کا لحاظ ضروری ہے جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا کیونکہ یہ چیزیں وہ ہیں جو مشکوٰۃِ نبوت سے مستخرج ہیں۔

مسجدوں کی تزئین

تعمیر مسجد کا اجر بیان ہو چکا، اب اس پر روشنی ڈالنی ضروری ہے کہ تعمیری خصائص کیا ہیں، یعنی مسجدیں کیسی بنائی جائیں، کیونکہ ہم دیکھ رہے ہے کہ یہ رسم عام طور پر پھیلتی جا رہی ہے کہ مسجد کی تعمیر کے ساتھ لوگ یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اس میں جھاڑ و فانوس ہوں، رنگ وروپ میں ممتاز ہوں اور گل و بوٹے ضرور ہوں اور زیادہ سے زیادہ ہوں۔

مسلمانوں کی اقتصادی حالت کے پیش نظر بھی اس مسئلہ پر بحث ضروری ہے، ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آئندہ جا کر جو سلسلہ چل رہا ہے وہ بھی رک جائے اور مسلمان بعض ان

---

❶ مجموعة الفتاوى: كتاب المساجد، ج ١ ص ١٧٧

❷ الفتاوى الهندية: كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ج ١ ص ٢٠٧

چیزوں کو ضروری تصور کرلیں جو ہرگز ضروری نہیں ہیں۔

تعمیرِ مسجد میں سادگی

ہم پہلے مسجد نبوی کے سلسلہ میں اشارہ کرآئے ہیں کہ مسجد ایسی سادہ ہونی چاہئے جسے تمام مسلمان بآسانی بناسکیں، پھر آپ وہاں مسجد نبوی کی ہیئت پڑھ چکے ہیں کہ جو مسجد آپ نے بنائی تھی وہ بالکل سادہ تھی، امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

مسجد نبوی عہد رسالت میں کچی اینٹ سے بنائی گئی تھی جس کی چھت پر کھجور کی اور ستون درخت خرما کے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس میں کوئی زیادتی نہ کی اپنے حال پر رہنے دیا، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے زیادتی تو کی لیکن سابق بنیاد پر بنائی اور وہی کچی اینٹ کی دیوار برگ کھجور کی چھت، صرف ستون لکڑی کے لگائے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس میں کافی زیادتی کی، دیوار منقش پتھر اور سیمنٹ سے ستون بھی منقش پتھروں ہی کے اور چھت ساج کی لکڑیوں سے تیار ہوئی۔ (1)

تعمیری خصائص کا جہاں تک تعلق ہے یہ بات صاف ہے کہ دورِ فاروقی تک وہی سادگی رہی جو آپ صلی اللہ علیہ سلم کے زمانہ میں تھی حالانکہ آمدنی کے لحاظ سے فاروق اعظم کا زمانہ ممتاز کہا جاسکتا ہے، فتوحات کی کثرت تھی، روم وفارس کے خزانے لدے چلے آرہے تھے، آپ نے مختلف شعبوں کو ترقی دی اور بہت سے نئے شعبے پیدا کئے، مگر اس طرف آپ نے کوئی توجہ نہیں کی، یہی نہیں بلکہ سختی سے اس تزئین کو روکا، آپ کا فرمان تھا کہ رنگ سازی کرکے فتنہ کا سامان نہ فراہم کیا جائے:

وَأَمَرَ عُمَرُ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ وَقَالَ: أَكِنَّ النَّاسَ مِنَ الْمَطَرِ، وَإِيَّاكَ أَنْ

(1) صحیح البخاري: كتاب الصلاة، باب بنيان المسجد، ج ۱ ص ۶۷، رقم الحديث: ۴۴۶

تُحَمِّرَ أَوْ تُصَفِّرَ فَتَفْتِنَ النَّاسَ. ❶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کے بنانے کا حکم دیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں لوگوں کو بارش سے بچانا چاہتا ہوں، خبردار مسجد سرخ و زرد نہ بنائی جائے جس سے لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔

دورِ عثمانی میں ترقی

البتہ دورِ عثمانی میں تھوڑی سی زیبائش آئی اور وہ بھی مستحکم عمارت کے ضمن میں بات یہ ہوئی کہ اس دور میں نفاست بڑھ گئی، لوگوں نے محل بنوانے شروع کر دیئے جس کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی ضرورت محسوس کی کہ مسجد کی عمارت میں ترقی دی جائے۔

تزئین کی ابتداء

مسجد کی زینت جس نے اعتدال سے بڑھائی اور تزخرف کی حد کو پہنچایا وہ حکومتِ بنی امیہ کا خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان تھا، یہ صحابہ کرام کا بالکل اخیر زمانہ تھا، اس وقت مدینہ کے گورنر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تھے، انہی کی نگرانی میں ۸۸ھ میں مسجد نبوی کی تعمیر جدید شروع ہوئی اور صناع و معمار قیصر روم کے یہاں سے منگوائے گئے، ساز و سامان بھی بہت کچھ وہیں سے آیا، صناع (کاریگر) چونکہ قبطی یا رومی تھے اس لئے انہوں نے موقع موقع سے مسجد کی بے حرمتی بھی کی اور نقش و نگار اور جھاڑ و فانوس کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ رہا، صرف قبلہ والی دیوار میں سینتالیس ہزار اشرفیاں خرچ کی گئی تھیں۔ ❷

تین چار سال میں جا کر یہ کام ختم ہوا، تکمیل عمارت کے بعد ولید بن عبدالملک دیکھنے آئے تو اتفاق سے ان کی ملاقات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے کسی صاحبزادے

❶ صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب بنيان المسجد، ج ١ ص ٩٦

❷ جذب القلوب: ساتواں باب، مسجد نبوی کی توسیع و تعمیر کا بیان، ص ۱۴۵، ۱۴۶

سے ہوگئی، ولید نے ان سے کہا: دیکھئے آپ کے والد کی تعمیر کردہ مسجد اور اس میں کتنا فرق ہے، یہ سن کر صاحبزادے نے جواب دیا ہاں میرے باپ کی تعمیر مسجد تھی اور آپ کی یہ تعمیر کردہ عمارت یہود ونصاری کے کنیسوں جیسی ہے۔ ❶

تزئین شریعت کی نظر میں

ذخیرہ احادیث کو سامنے رکھ کر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی مزخرف عمارت مسجد کے لئے شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا أُمِرْتُ بِتَشْيِيدِ الْمَسَاجِدِ،قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ :لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى. ❷

مسجدوں کو مشیدہ بنانے کا حکم نہیں ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے معنی بیان کئے کہ تم ان مسجدوں کو یہود ونصاری کی طرح زینت دوگے۔

زخرفہ زینت دینے کو کہتے ہیں، اصل میں تزخرف نام ہے سونے کے پانی چڑھانے اور سنوارنے کا، کیونکہ لغت میں زخرف کے معنی سونا اور کسی چیز کو کمالِ حسن دینا ہے۔ ❸

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مسجد کو ایسی زینت نہ دو جو اعتدال سے بڑھی ہوئی ہو جیسے یہود ونصاری اپنی عبادت گاہوں کو آراستہ کرتے اور سنوارتے ہیں، حالانکہ معبد کے ساتھ یہ برتاؤ پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ اس میں عقیدت سے زیادہ ریا کا دخل ہے۔

بات بھی درست ہے کہ ہماری مسجدوں میں یہ تزخرف اور یہ حد سے بڑھی ہوئی گلکاری دوسری ہی قوموں کی عبادت گاہوں سے آئیں اور یہاں آکر اس قدر بڑھ گئی ہیں

❶ جذب القلوب: ساتواں باب، مسجد نبوی کی توسیع وتعمیر کا بیان، ص ۱۴۸ ❷ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب في بناء المسجد، ج ۱ ص ۱۲۳، رقم الحديث: ۴۴۸ ❸ مصباح اللغات: ص ۳۳۴

کہ اب وہ قومیں جن سے یہ چیز لی گئی تھی بہت پیچھے رہ گئیں، آج بھی روئے زمین پر جو مسجدیں مسلمانوں کی رہ گئی ہیں وہ بے نظیر ہیں۔

تفاخر علامتِ قیامت

شریعت میں اسی طرح کی زینت کو ناپسند غالبًا اسی لئے کیا گیا ہے کہ اس مرکز پر پہنچ کر اخلاص وللّٰہیت ختم ہو چکتی ہے اور فخر ومباہات اس کی جگہ لے لیتی ہے، جس کو حدیث میں علاماتِ قیامت میں شمار کیا گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ. ❶

قیامت اس وقت آئے گی جب لوگ مسجدوں میں تفاخر کرنے لگیں گے۔

تجربہ بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ مغز کو چھوڑ کر چھلکے پر وہ قوم جان دیتی ہے جس کے برے وقت آجاتے ہیں اور محروم القسمتی کی گھنگھور گھٹائیں امنڈ امنڈ کر برسنے لگتی ہیں، سچ فرمایا نبی صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے:

مَا سَاءَ عَمَلُ قَوْمٍ قَطُّ إِلَّا زَخْرَفُوا مَسَاجِدَهُمْ. ❷

جب کسی قوم کے اعمال بگڑتے ہیں تو وہ اپنی مسجدوں کو مزین کرتے ہیں۔

یہ پیشین گوئی ہے کہ تزئینِ مساجد قوم کی بد اعمالی کی علامت ہے جس چیز کو مسلمانوں نے سمجھا تھا کہ بڑائی اسی میں ہے وہ شریعت کی نظر میں بدترین نکلی، سرکار دو عالم نے یہ بھی فرمایا ہے:

أَرَاكُمْ سَتُشَرِّفُونَ مَسَاجِدَكُمْ بَعْدِي كَمَا شَرَّفَتِ الْيَهُودُ كَنَائِسَهَا،

---

❶ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب في بناء المساجد، ج ١ ص ١٢٣، رقم الحديث: ٤٤٩/ سنن ابن ماجه: كتاب المساجد والجماعات، باب تشييد المساجد، ج ١ ص ٢٤٤، رقم الحديث: ٧٣٩ ❷ سنن ابن ماجه: كتاب المساجد والجماعات، باب تشييد المساجد، ج ١ ص ٢٤٤، رقم الحديث: ٧٤١

وَكَمَا شَرَّفَتِ النَّصَارَى بِيَعَهَا. ❶

میں دیکھتا ہوں کہ تم قریب ہی زمانہ میں مسجدوں کو بلند و بالا بنانا شروع کردو گے جیسا کہ یہود و نصاری اپنے کنیسے اور گرجے بنواتے ہیں۔

مسجد کی عمارت کی بلندی اور اس کی گلکاری کو دیکھئے اور اس کے بعد اس کی آبادی کا جائزہ لیجئے تو اندازہ ہو کہ یہ جذبہ کس قدر کھوکھلا ہے، ظاہری زینت کا یہ حال اور منشأ اصلی کا ایسا فقدان، اللہ تعالی رحم فرمائیں، اسی حالت کی طرف خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا تھا:

يَتَبَاهَوْنَ بِهَا ثُمَّ لَا يَعْمُرُونَهَا إِلَّا قَلِيلًا. ❷

مسجدوں میں لوگ تفاخر کریں گے مگر پھر اس کی آبادی کا خیال کم ہی لوگوں کو ہوگا۔

تزئین خشوع کے خلاف ہے

ایک پہلو سے اور غور کیجئے کہ مسجدوں کی زینت کتنی بے جا ہے پہلے نقل کیا جاچکا ہے کہ نماز کی روح خضوع وخشوع ہے اور اس کے بغیر نماز بے جان ہے، اس زمانہ میں خشوع کا یونہی فقدان ہے مگر جب نقش ونگار ہوں گے تب تو یہ چیزیں اور بھی نمازی کو لہو ولعب میں مبتلا کردیں گی، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازہ پر خوبصورت پردہ دیکھا تو فرمایا:

أَمِيطِي عَنَّا قِرَامَكِ هَذَا، فَإِنَّهُ لَا تَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ فِي صَلَاتِي. ❸

اپنے اس باریک وخوبصورت پردہ کو ہٹا لو اس کی تصویریں نماز میں میرے سامنے

❶ سنن ابن ماجه: كتاب المساجد والجماعات، باب تشييد المساجد، ج ۱ ص ۲۴۴، رقم الحديث: ۷۴۰ ❷ صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب بنيان المسجد، ج ۱ ص ۹۶ ❸ صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب إن صلى في ثوب مصلّب أو تصاوير هل تفسد صلاته؟ ج ۱ ص ۸۴، رقم الحديث: ۳۷۴

آتی ہیں۔

پردہ تو اپنی جگہ رہا آپ نے منقش چادر بھی اپنے لئے پسند نہیں فرمائی اور وجہ یہ بیان کی کہ یہ چادر مجھ کو نماز میں غافل کرتی ہے۔ ❶

اس حدیث میں جہاں حضورِ قلب پر انقیاد و خشوع کی دعوت ہے وہیں دل میں انتشار پیدا کرنے والی چیزوں کی طرف دیکھنے کی ممانعت بھی ہے، امام نووی رحمہ اللہ نے اسی حدیث کے سلسلہ میں لکھا ہے:

مسجد کی محراب کی تزئین اور اس کی دیواروں کو منقش بنانا ایسی چیزیں ہیں جو نمازیوں کی توجہ اپنی طرف جذب کر لیتی ہیں، لہذا محراب اور در و دیوار کی تزئین نیز نقش ونگار کرنا مکروہ ہے کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی منقش چادر کو دور کرتے ہوئے یہی علت بیان فرمائی تھی۔ ❷

کتنی عجیب بات ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرا ذرا سی باتوں سے اجتناب کیا کہ کہیں دل کا خشوع متاثر نہ ہو جائے، معمولی نقش ونگار اور گلکاری کو اپنی نماز میں مخل سمجھا تاکہ نماز کا پورا حق ادا ہو سکے، مگر آج ان کے ماننے والوں کا یہ عالم ہے کہ اس سے بڑھ کر مخل چیزوں سے بھی پرہیز نہیں کرتے۔

بقدرِ ضرورت اجازت

بلا شبہ زمانہ کے پیش نظر بعض علماء نے خوبصورت و مزین مسجد بنوانے کی اجازت دی ہے، مثلاً امام ابن المنیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ زمانہ جب ترقی کا ایسا آجائے کہ لوگ اپنے

❶ صحيح مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب كراهة الصلاة في ثوب له أعلام، ج ١ ص ٣٩١، رقم الحديث: ٥٥٦

❷ شرح النووي على مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب كراهة الصلاة في ثوب له أعلام، ج٥ ص ٤٤، رقم الحديث: ٥٥٦

رہنے سہنے کے لئے عالیشان محل اور رنگین کوٹھیاں تعمیر کرنے لگیں تو ایسے زمانہ میں استخفاف اور استہانت سے بچنے کے لئے مسجدوں کی بھی تزئین ہونی چاہیئے، حتیٰ کہ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ سلف صالحین کی اتباع میں روکنا تو جائز ہے مگر کسی اور وجہ سے مسجد کی تزئین سے روکنا مناسب نہ ہوگا۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بھی اس کی اجازت دی ہے مگر اس وقت جب یہ تزئین ونفاست تعظیم وتکرار کی نیت سے ہو اور روپے اپنے پاس کے ہوں، وقف یا بیت المال کے نہ ہوں۔

فقہاء کے ہاں تزئین کی تفصیل

لیکن اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ دوسرے بہت سے علماء اس تزئین کے خلاف ہیں اور ان کی دلیل بہت قوی اور حدیث کے نقطہ نظر کے بہت قریب ہے، اس سلسلہ کی حدیثیں ابھی اوپر گزر چکی ہیں۔ امام اعظم رحمہ اللہ جنہوں نے اجازت دی ہے ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ تزئین خلافِ اولیٰ ہے اور ان کے اقوال کی تفصیل کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ذاتی رجحان اسی طرف ہے کہ مسجدیں سادہ بنائی جائیں اور جو روپے نقش ونگار اور گلکاری میں خرچ ہوں اچھا یہ ہے کہ انہیں فقراء ومساکین پر خرچ کیا جائے جو واقعی امداد واعانت کے مستحق ہیں۔ فقہ حنفی میں یہ بھی مصرح ہے کہ محراب قبلہ کی دیوار اور داہنی اور بائیں جانب کی دیواریں سادہ رکھی جائیں ان پر پھول پتیاں نہ بنوائی جائیں کیونکہ ان کی کراہیت میں کسی کو بولنے کی گنجائش نہیں ہے، وجہ ظاہر ہے کہ محراب کی تزئین امام کے خشوع اور یکسوئی کے لئے زہر قاتل ہے جو پوری جماعت کا سردار ہے، قبلہ کی دیوار کی زینت اور گلکاری اس لئے منع ہے کہ صفِ اول کے نمازیوں کے خشوع کے لئے مضر ہے، اور دائیں بائیں کی دیواریں ان لوگوں کے لئے مخل ہوں گی جو ان کے قریب کھڑے ہوں گے، غور کیجئے جو چیزیں نماز کے انہاک اور احسان ہی کو کھو ڈالیں جو نماز کی روح اور قلب کا درجہ رکھتی ہے ان کو شریعت کیونکر پسند کر سکتی ہے، لے دے کر پیچھے والی دیوار اور چھت رہ جاتی ہے جن کے متعلق اجازت سمجھ میں آتی ہے مگر وہ بھی خلافِ اولیٰ ہے۔ یہ ساری تفصیل مسجد کے اندرونی حصہ کی ہے، باقی رہا

مسجد کا بیرونی حصہ جس کا اندر سے کوئی تعلق نہیں اس حصہ کے متعلق فقہ حنفی میں بالکل اجازت نہیں ہے کہ اس کا تعلق باہر سے ہے جس سے اہلِ مسجد کو کوئی لگاؤ نہیں۔

پھر یہ بھی واضح رہے کہ اگر کسی متولی نے مالِ وقف سے اندرونی حصہ ہی میں سہی گل کاری کی یا پھول پتیاں بنوائیں تو اس کو تاوان ادا کرنا ہوگا۔ ❶

یہ جو کچھ تفصیل پیش کی گئی ہے یہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''رد المحتار'' کا خلاصہ ہے، عالمگیری جو فتاوی میں بہت مشہور و مقبول ہے اس میں تو دیواروں کے نقش و نگار کو مطلقاً مکروہ لکھا ہے، اور یہ تصریح ہے کہ نقش و نگار کم ہوں یا زیادہ دونوں صورتوں میں کراہت سے خالی نہیں، ہاں چھت کے معمولی نقش و نگار کو جائز کہا ہے زیادہ پھول پتیوں کو اس میں بھی مکروہ ہی لکھا ہے۔ ❷

تزئین سے اجتناب

اس تمام تفصیل کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ ناگزیر ہو جاتا ہے کہ بے فائدہ پھول پتیوں سے اجتناب ضروری ہے، جو فضول خرچی اور اسراف میں داخل ہے اور جس کی قرآن نے قباحت بیان کی ہے۔

اولی یہ ہے کہ مسجد کی دیوار مضبوط، بقدرِ ضرورت خوبصورت اور سادہ ہو، ان پر کچھ لکھا ہوا بھی نہ ہو، صاحب بحرالرائق لکھتے ہیں:

وَالْأَوْلَى أَنْ تَكُونَ حِيطَانُ الْمَسْجِدِ أَبْيَضَ غَيْرَ مَنْقُوشَةٍ وَلا مَكْتُوبٍ عَلَيْهَا وَيُكْرَهُ أَنْ تَكُونَ مَنْقُوشَةً بِصُوَرٍ أَوْ كِتَابَةٍ. ❸

---

❶ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ج ۱ ص ۶۵۸، ۶۵۹

❷ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس فى آداب المسجد، ج۵ ص ۳۱۹

❸ البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل: اختص المسجد بأحكام تخالف أحكام مطلق الوقف، ج۵ ص ۲۷۱

اچھا یہ ہے کہ مسجد کی دیواریں سفید اور نقش ونگار سے پاک ہوں ان پر لکھا ہوا بھی کچھ نہ ہو، صور وکتابت سے منقش کرنا مکروہ ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کو عرب وعجم میں جو مقبولیت حاصل ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے، ان کی رائے بھی سننے کے لائق ہے:

تعمیر مسجد میں احتیاط سے کام لیں کہ اس کی دیواروں اور چھتوں پر سونے کا پانی نہ چڑھائیں اور نہ پھول پتیوں سے آراستہ بنائیں، اور نہ نیلے رنگ وغیرہ سے رنگین کریں، کیونکہ اس طرح کی چیزیں مسجد کو تماشا گاہ کے درجہ میں کر دیتی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی تجدیدات عمارت کے وقت تاکید کر دی تھی کہ مسجد ایسی ہو جو لوگوں کو بارش وغیرہ سے حفاظت کرے، خبردار سرخ وزرد رنگوں سے رنگین مت بنانا کہ لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔ ❶

موجودہ دور میں تزئین

اس زمانہ میں جبکہ مسلمان مالی اعتبار سے تباہی وبربادی کے کنارے پہنچ چکے ہیں، فقر وفاقہ نے ان کے گھروں میں ڈیرہ ڈال رکھا ہے، فقراء ومساکین کی بہتات ہے، یتیموں اور بیواؤں کا کوئی پرسانِ حال نہیں، غریب بچوں کی مذہبی تعلیم مشکل ہو رہی ہے، دینی اور علمی ادارے نزع کے عالم میں ہیں اور فقر وفاقہ کی تقریباً ہر جگہ شکایت ہے، مسجدوں میں بے فائدہ پھول پتیوں پر روپے صرف کرنا قرینِ عقل نہیں ہے۔

بلاشبہ پہلے مسلمانوں نے مسجدوں پر بہت خرچ کیا مگر وہ ہمارے لئے کوئی شرعی دلیل نہیں بن سکتی ہے، پھر یہ کہ وہ مالی اعتبار سے ہم سے بہت بڑھے ہوئے تھے، زر وجواہر کے ان کے پاس ڈھیر تھے، مسلمانوں میں فقر وفاقہ اور افلاس کی یہ عام وبا نہ تھی۔

پھر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ عملی طور پر بھی زینت کے رواج کے ساتھ مسجد

❶ تفسیر عزیزی: سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۱۴ کے تحت، ج ۱ ص ۵۲۱

ویران ہوتی گئی، مسجد کی گلکاری بڑھی مگر دل کی گلکاری ختم ہوگئی اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بچے کھچے نمازیوں کے سینوں میں بھی خشوع وخضوع کا سرچشمہ خشک ہورہا ہے۔

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض حصص مسجد کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کردیا جائے۔

اذان کے لئے مینار

ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں تجدید مسجد نبوی کے وقت اذان کے لئے مینار کی ایجاد عمل میں آئی، اس سے پہلے مینار نہ تھا، علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے بحرالرائق کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ مینار عہد نبوی میں نہ تھا، ان کے الفاظ یہ ہیں:

وَلَمْ تكُنْ فِي زَمَنِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِئْذَنَةٌ. ❶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مئذنہ نہیں تھا۔

یہ مینار جو اذان کے لئے بنتا ہے گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھا، مگر یہ ایسی چیز ہے جس کا مطلوب ہونا سمجھ میں آتا ہے، حدیث سے بھی اس ضرورت کی تائید ہوتی ہے، حضرت عروہ بن زبیر بنی نجار کی ایک خاتون سے روایت کرتے ہیں:

كَانَ بَيْتِي مِنْ أَطْوَلِ بَيْتٍ حَوْلَ الْمَسْجِدِ وَكَانَ بِلَالٌ يُؤَذِّنُ عَلَيْهِ الْفَجْرَ فَيَأْتِي بِسَحَرٍ فَيَجْلِسُ عَلَى الْبَيْتِ يَنْظُرُ إِلَى الْفَجْرِ، فَإِذَا رَآهُ تَمَطَّى. ❷

میرا گھر مسجد نبوی کے آس پاس کے گھروں میں سب سے اونچا تھا، جس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ فجر کی اذان دیتے تھے، صبح سویرے آکر گھر پر بیٹھ جاتے اور فجر دیکھتے رہتے، جونہی اس کو دیکھتے اذان کے لئے چلتے۔

''رد المحتار'' میں لکھا ہے کہ یہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ماں ہیں جن کا

❶ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب الأذان، ج۳ ص۳۸۷ ❷ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب الأذان فوق المنارة، ج ۱ ص ۱۴۳، رقم الحديث: ۵۱۹

بیان ہے کہ میرے گھر پر چڑھ کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے تھے، مسجد کی چھت تیار ہوئی تو اس پر سے اذان دی جاتی تھی، اذان کی جگہ بلند کر دی گئی تھی۔ ❶

اس تفصیل سے مقصد یہ بتانا ہے کہ اس کی ضرورت کا احساس پہلے سے تھا، گو باضابطہ اس کی ایجاد بعد میں ہوئی، شامی کے بیان کے مطابق مینار برائے اذان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے تیار ہوا۔ ❷

منبر برائے خطبہ

منبرِ مسجد جس پر امام جمعہ کا خطبہ دیتا ہے اس کی ایجاد عہد نبوی ہی میں ہوئی، اول اول یہ چیز نہ تھی، غربی جانب سے قریب اور محراب سے متصل ایک لکڑی تھی، پہلے آپ اسی کے سہارے خطبہ دیتے تھے، پھر ایک خاتون نے درخواست کی کہ اجازت ہو تو اپنے غلام سے منبر بنوا کر حاضر خدمت کروں؟ آپ نے اجازت دی، اور پھر اس کا تقاضہ بھی فرمایا، چنانچہ اسی عورت نے منبر بنوا کر پیش کیا، اور اس کو منبر کی جگہ نصب کیا گیا۔

اس وقت یہ عجیب واقعہ پیش آیا تھا کہ وہ لکڑی جس کے سہارے آپ پہلے خطبہ دیتے تھے زار وقطار رونے لگی اور داغِ فرقت پر تلملا اُٹھی، آپ نے اسے اپنے سینہ مبارک سے لگایا تو اس کو سکون آیا، منبر شریف کے تین زینے تھے، ہر زینہ کا عرض ایک بالشت تھا اور پورے منبر کا طول دو ذراع اور عرض ایک ذراع تھا۔ ❸

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصا مبارک اور کمان کے سہارے بھی خطبہ دیا ہے، البتہ تلواروں اور نیزے کے سہارے خطبہ دینا آپ سے ثابت نہیں ہے، کوئی دے تو شرعی قباحت نہیں معلوم ہوتی۔ ❹

---

❶ رد المحتار: کتاب الصلاۃ، باب الأذان، ج ١ ص ٣٨٧ ❷ رد المحتار: کتاب الصلاۃ، باب الأذان، ج ١ ص ٣٨٧ ❸ شرح سفر السعادات: فصل در خطبہ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم، ص ٢٠٩
❹ شرح سفر السعادات: فصل در خطبہ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم، ص ٢٠٩

منڈیر یا کنگرہ

مسجد کی چھت پر جو جالی دار منڈیریں ہمارے زمانہ میں بنتی ہیں وہ عہد نبوی میں نہ تھیں، بلکہ عہد خلفائے راشدین میں بھی نہ تھیں، یہ ان کے بہت بعد ولید بن عبدالملک بن مروان کے عہد میں پیدا ہوئی ہیں، ''وفاء الوفاء'' میں ہے:

فأول من أحدث المحراب والشرفات عمر بن عبد العزيز. ❶

پہلے جس شخص نے محراب ومنڈیر کی ایجاد کی وہ عمر بن عبدالعزیز ہیں۔

یہ بزرگ اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے عامل تھے، اور مسجد نبوی انہی کی نگرانی میں عمدہ عمارت میں تبدیل ہوئی تھی۔

مسجد البیت

قرآن پاک کی بعض آیات سے علماء نے گھر میں مسجد بنانا ثابت کیا ہے اور احادیث تو اس سلسلہ میں بکثرت آئی ہیں، اس کو اصطلاح میں مسجد البیت کہتے ہیں، یہ دراصل گھر کی وہ مخصوص جگہ ہے جس کو نوافل وغیرہ کے لئے متعین کیا جائے، مکی زندگی میں انہی جگہوں کو کہیں کہیں حدیث میں مسجد کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، نوافل پڑھنے کا حدیث میں کافی اشارہ موجود ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا قَضَى أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ فِي مَسْجِدِهِ، فَلْيَجْعَلْ لِبَيْتِهِ نَصِيبًا مِنْ صَلَاتِهِ. ❷

تم میں سے کوئی جب اپنی مسجد میں نماز ادا کر چکے تو اس کو اپنے گھر کے لئے بھی کچھ حصہ بنانا چاہئے۔

---

❶ وفاء الوفاء: الباب الرابع فيما يتعلق بأمور مسجدها الأعظم النبوي، الفصل السابع عشر، أول من أحدث المحراب والشرقات، ج ۲ ص ۹۸

❷ صحيح مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب صلاة النافلة في بيته وجوازها فى المسجد، ج ۱ ص ۵۳۹، رقم الحديث: ۷۷۸

محدثین نے اس سلسلہ میں نوافل کو گھر کے لئے لکھا ہے، فرض پر یہ حکم کبھی بھی محمول نہیں ہوسکتا، اور یہی مطلب ہے اس حدیث کا جس میں آپ نے فرمایا کہ گھر کو قبر نہ بنالو۔ ❶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد البیت بنانے کا حکم بھی دیا ہے اور ساتھ ہی اس کے پاک وصاف رکھنے کا بھی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّورِ، وَأَنْ تُنَظَّفَ وَتُطَيَّبَ. ❷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں مسجد بنانے کا حکم دیا اور اس کے پاکیزہ اور معطر رکھنے کا۔

لفظ ''دور'' کے معنی

''دور'' جمع ہے ''دار'' کی جس کے مشہور معنی گھر کے ہیں، مگر لغت میں محلّہ کو بھی کہتے ہیں، قرآن میں دار بمعنی محل (جگہ) آیا ہے، اسی وجہ سے اس حدیث میں دور سے محلّہ اور گھر دونوں مراد ہیں، حضرت سفیان رحمہ اللہ کہتے ہیں:

بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّورِ يَعْنِي الْقَبَائِلَ. ❸

احکام میں مسجد اور مسجد البیت کے بہت فرق ہے، مسجد البیت کی وہ تعظیم نہیں ہے جو مسجد کی ہے۔

❶ فتح الباري: كتاب الأدب، باب ما يجوز من الغضب والشدة لأمر الله، ج ١٠ ص ٥١٨ ❷ سنن الترمذي: أبواب السفر، باب ما ذكر في تطييب المساجد، ج ٢ ص ٤٨٩، رقم الحديث: ٥٩٤ ❸ سنن الترمذي: أبواب السفر، باب ما ذكر في تطييب المساجد، ج ٢ ص ٤٨٩، رقم الحديث: ٥٩٦

مواضعِ مسجد

تعمیر مسجد کے ساتھ یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ مسجد کہاں اور کیسی بنائی جائے، قرآن اور حدیث نبوی کی روشنی میں فقہاء نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے:

عہد نبوی کی دو مسجدیں بہت ممتاز ہیں، ایک قبا اور دوسری مسجد نبوی، ان دونوں مسجدوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے بنیاد وتعمیر کا شرف حاصل کیا ہے، اور دونوں ہی کے متعلق قرآن پاک کا اعلان ہے "اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی" کہ ان کی بنیاد تقوی پر ہے، مسجد حرام کی داغ بیل خود رب العزت کی بتائی ہوئی زمین پر ڈالی گئی، یہ بھی آپ پڑھ آئے ہیں کہ مسجد نبوی کے لئے قیمت دے کر زمین لی گئی تھی، یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ مسجد کے لئے حلال اور پاک چیز ہی قبول کی جا سکتی ہے، ان سب کو ملا کر پڑھئے تو خود بخود یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ زمین جس پر مسجد بنانی ہو ایسی ہو جو احکام شرع کی روشنی میں جائز طریقہ سے حاصل کی گئی ہو، اور اس میں کوئی نقص باقی نہ رکھا گیا ہو۔

زمین کا عطیہ جائز طریقہ سے

فقہائے کرام نے وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر کوئی مسجد ایسی جگہ بنائے جس میں دوسرے کا حق ہو اور اس کی رضا مندی حاصل نہیں کی گئی ہے تو اس حق والے کو اختیار ہے کہ مسجد کو وہاں سے باطل قرار دیدے اور اپنا حق لے لے، مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک زمین ہے جس میں کسی کو حق شفعہ حاصل ہے، یہ جوار کی وجہ سے ہے، یا رشتہ داری کی وجہ سے، تو اب اس پر مسجد نہیں بنائی جا سکتی۔ (۱)

اسی طرح فرض کر لیجئے ایک شخص بیمار ہے، اس کی خواہش ہوئی کہ اپنا گھر یا زمین مسجد میں تبدیل کر دے اس نے مرتے ہوئے اس کی وصیت بھی کر دی، مگر اس کے جن

(۱) فتح القدیر: کتاب الوقف، فصل إذا بنی مسجدا لم یزل ملکه عنه، ج ٦ ص ۲۳۳

وارثوں کو حق شرعی پہنچتا تھا ان کو نہیں دیا اس کی یہ وصیت ایسی صورت میں مسجد کے لئے بھی جاری نہ ہوگی، زیادہ سے زیادہ ایک تہائی میں جاری ہوگی، وارثان اپنا حق نکال لیں گے خود مردنے والا اگر تمام حقوق نکال کر تہائی کی وصیت کرتا تو کوئی اشکال پیدا نہ ہوتا، اور وہ حصہ مسجد ہو جاتا۔ ❶

زمین کا حصول جائز ہو

اسی طرح اگر زمین مسجد کے لئے خریدی جائے تو جائز طریقہ سے، بیع فاسد سے خریدی ہوئی زمین پر مسجد بنانے کی اجازت نہ ہوگی:

إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا. ❷

ناجائز طریقہ سے حاصل کی ہوئی زمین پر مسجد بنانا درست نہیں ہے، اس ناجائز حصول کی شکل جو بھی ہو مثلاً کسی کا گھر زبردستی کچھ لوگ مل کر مسجد بنا دیں، تو ایسی مسجد میں نماز جائز نہ ہوگی، نہ جمعہ کی اور نہ وقتی۔

وقف کرنے کے بعد مسجد کی حیثیت

انہی تفصیلات کے پیش نظر واقف کے لئے لازم ہے کہ مسجد کو اس کے راستہ سمیت علیحدہ کر دے اور نماز کی عام اجازت دے دے، اور یہ اعلان کر دے کہ میں نے اس جائز حصہ کو اللہ تعالی کے لئے وقف کر دیا، عملی طور پر اس میں با جماعت نماز پڑھی جانے لگے، اذان پکاری جائے اور واقف اپنے دوسرے قسم کے اختیارات اٹھا لے، اس قدر کر چکنے کے بعد اس کو یہ اجازت نہیں ہے کہ مسجد کے کسی حصہ سے کسی طرح کا ذاتی فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرے، اب اس کے بعد نہ اس مسجد کے نیچے کوئی مکان بنا سکتا ہے اور نہ اس کے

❶ الفتاوى الهندية: كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، ج ٢ ص ٤٥٦

❷ صحيح مسلم: كتاب الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب، ج ٢ ص ٧٠٣، رقم الحديث: ١٠١٥

اوپر، مسجد کا پورا حصہ تحت الثری سے لے کر آسمان تک ہمیشہ کے لئے واقف کے ذاتی قبضہ وتصرف سے نکل گیا، خدانخواستہ اگر کسی سماوی آفت یا کسی اور وجہ سے مسجد ویران بھی ہو جائے کوئی نماز پڑھنے والا باقی نہ رہے اور مسجد کی عمارت برباد ہوجائے تو بھی یہ حصہ مسجد ہی کے حکم میں باقی رہے گا، اسے کوئی فروخت کرسکتا ہے نہ کوئی وراثت میں لے سکتا ہے اور نہ واقف رجوع کرسکتا ہے اور نہ کوئی انسان اسے اپنے ذاتی تصرف یا کسی ایسے کام میں لاسکتا ہے جو مسجدیت کے خلاف ہو، واقف تک کو وقف کے بعد اتنی اجازت نہیں ہے کہ اس کی دیوار کے سہارے کوئی کام لے۔ ❶

جزوی مسائل

مسجد کی اسی اہمیت کے پیش نظر فقہاء نے صراحت کردی ہے کہ کوئی ایسی مسجد بنائے کہ دومنزلہ عمارت میں ایک منزل مسجد بنا دے اور دوسری منزل اپنے تصرف میں رکھے تو یہ مسجد قرار نہ پائے گی، مسجد اسی وقت ہوگی جب وہ اس کے دونوں حصے نیچے سے اوپر تک مسجد بنائے۔ ❷

کسی نے اپنی افتادہ زمین ہمیشہ کے لئے نماز باجماعت پڑھنے کے لئے دے دی اور کوئی قید سال مہینے کی نہیں لگائی تو اس دینے والے کے مرنے کے بعد یہ زمین اس کام کے لئے ہوجائے گی، وارث کو اس میں حصہ نہ ملے گا، ہاں مقید ہو تو وارث کو مل جائے گی۔ یہ زمین جب کہ اس نے اپنی صحت کے زمانہ میں دی ہو (یا مرض الموت سے پہلے) ❸

کوئی راستہ اس قدر کشادہ ہو کہ اگر وہاں مسجد بنائی جائے تو اس سے راستہ کا کچھ

---

❶ فتح القدير: كتاب الوقف، فصل: وإذا بنى مسجدا...... إلخ، ج٦ ص ٢١٦، ٢١٨ / رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب: في أحكام المسجد، ج٦ ص ٥٤٦، ٥٤٧ ❷ فتح القدير: كتاب الوقف، فصل: وإذا بنى مسجد...... إلخ، ج٦ ص ٢١٨
❸ فتح القدير: كتاب الوقف، فصل: وإذا بنى مسجد...... إلخ، ج٦ ص ٢١٨

نقصان نہ ہو ایسی صورت میں اہل محلّہ نے جب مسجد راستہ پر بنالی تو یہ جائز ہے، دو ایک کی مخالفت کا کوئی اثر نہ ہوگا، ہاں مسجد بننے سے چلنے والوں کو ضرر ہو تو بلا شبہ مسجد بنانا درست نہیں ہے۔ ❶

ایسی عام نہر جو کسی خاص جماعت کے تصرف میں ہے، اس جماعت کی رائے سے اس کو مسجد بنا سکتے ہیں، بشرطیکہ کسی کو اعتراض نہ ہو، اسی طرح بوقت ضرورت کشادہ راستہ سے ایک حصہ مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے جبکہ راہگیروں کو اس سے نقصان نہ ہو، لیکن مسجد کا کوئی حصہ کسی حال میں راستہ میں لینا جائز نہیں۔ ❷

مسجد جائز جگہ میں ہر مسلم آبادی، بازار، گزرگاہ اور جہاں واقعی ضرورت ہو بنائی جاسکتی ہے۔ ❸

ہاں ایسی جگہ مسجد نہ بنائی جائے گی جہاں اس سے کوئی فائدہ نہ ہو جیسے ویران میدان وغیرہ میں جہاں کوئی پہنچ بھی نہیں پاتا، کوئی بنا بھی دے تو وہ مسجد نہ ہوگی۔ ❹

تیار مسجد کو وسعت دینا

مسجد جب تنگ ہو جائے تو اسے وسعت دی جاسکتی ہے، بغل میں مسجد ہی کی زمین ہے تب تو کوئی بات نہیں ہے، اور کسی دوسرے کی ہو تو قیمت دے کر لیں گے، اگر وہ قیمتاً بھی نہ دے تو اس کو مجبور کریں گے ورنہ بدرجہ مجبوری اس کی بھی اجازت ہے کہ قیمت دے کر بغیر

❶ الفتاوی الھندیة: کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به، الفصل الأول فیما یصیر به مسجدا وفی أحکامه وأحکامِ ما فیه، ج۲ ص۴۲۷

❷ الفتاوی الھندیة: کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به، الفصل الأول فیما یصیر به مسجدا وفی أحکامه وأحکامِ ما فیه، ج۲ ص۴۲۷

❸ فتح القدیر: کتاب الوقف، فصل: وإذا بنی مسجدا...... إلخ، ج۶ ص۲۱۹ ❹ الفتاوی الھندیة: کتاب الکراھیة، الباب الخامس فی آداب المسجد...... إلخ، ج۵ ص۳۹۵

رضامندی لے لی جائے، مگر یہ آخری شکل ہے حتی الوسع راضی کر کے لینا اچھا ہے۔ ❶

ایک مسجد ہے جو اہل محلہ پر تنگ ہوگئی، اسے وسعت دینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، مسجد کا ایک پڑوسی کہتا ہے کہ یہ ہمیں دے دی جائے کہ گھر بنالیں اور اس کے عوض میں اپنا مکان دیتا ہوں جو اس سے کشادہ ہے اس کو مسجد بنالیا جائے، امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ صورت جائز نہیں ہے اور اہل محلہ کو اس کا اختیار بھی نہیں ہے۔ ❷

تنگ مسجد کی بغل میں دکان یا زمین ہے وہ اسی مسجد پر وقف ہے تو اس کو مسجد کی کشادگی میں لے سکتے ہیں، اہل مسجد صحنِ مسجد کو مسجد میں لے سکتے ہے، اہل مسجد کے لئے یہ جائز ہے کہ ایک دروازہ چھوڑ کر دوسرا دروازہ بنالیں، قیم مسجد کو یہ اختیار نہیں ہے کہ مسجد یا فناء مسجد میں دکان بنائے، کیونکہ فنائے مسجد بھی احترام میں مسجد ہی کے حکم میں ہے اور یہ مسجد کے تابع ہے، لہٰذا ایسی بات نہ ہونے دیں گے جس سے تعظیم وتکریم میں کچھ فرق آئے۔ ❸

مسجد بن کر تیار ہوچکی تو پھر کوئی اس کے اوپر یا نیچے دکان بنوانا چاہے تو جائز نہیں ہے جس غرض سے بھی ہو، البتہ نماز کے لئے کچھ بنانا ہو تو یہ جائز ہے۔ ❹

تجدیدِ مسجد

ضرورت کے وقت تیار مسجد میں تصرف کرنا جائز ہے جبکہ مسجد اور نماز ہی کے لئے یہ

❶ الفتاوی الهندية: كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما يتعلق به، الفصل الأول فيما يصير به مسجدا...... إلخ، ج۲ ص۴۲۷ ❷ الفتاوی الهندية: كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما يتعلق به، الفصل الأول فيما يصير به مسجدا...... إلخ، ج۲ ص۴۲۷ ❸ فتح القدير: كتاب الوقف، فصل: وإذا بنى مسجدا...... إلخ، ج۶ ص۲۱۸، ۲۱۹ / الفتاوی الهندية: كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما يتعلق به، الفصل الأول فيما يصير به مسجدا...... إلخ، ج۲ ص۴۲۷

❹ فتح القدير: كتاب الوقف، فصل: وإذا بنى مسجدا...... إلخ، ج۶ ص۲۱۸

تصرف ہو جیسے پرانی عمارت توڑ کرنئی عمارت بنانا، مگراس کے لئے قاضی کی اجازت شرط ہےاور یہ بھی کہ اِسے اپنے اخراجات سے کرے، مسجد کے خزانے یا وقف سے ایسا کرنا جائز نہیں ہے، اور یہ اجازت ان شرطوں کے ساتھ اہل محلّہ ہی کو ہے دوسروں کونہیں، ہاں جب خطرہ ہوتو غیرمحلّہ والے بھی کر سکتے ہیں۔ ❶

اہل محلّہ کواس کی بھی اجازت ہے کہ مسجد کوسامان دیں، جیسے چٹائی، دری، جانماز، روشنی اور پانی وغیرہ کا نظم، چاہے پینے کا ہو چاہے وضو کا ہومگراپنے پاس سے،اور خود بانی مسجد کرے تو دوسرے کوحق نہ ہوگا۔ ❷

ناگہانی آفت یا مصیبت

فقہاء نے اس کی بھی صراحت کردی ہے کہ دفعتًا اگرکسی آفت کا نزول ہوجائے یا کوئی بات ایسی پیدا ہوجائے جس سے مسجد کی ضرورت باقی نہ رہے تو اس وقت تیارشدہ مسجد کوکیا کریں گے۔

جیسے آشوب زمانہ یا انقلابِ دور نے ایسی حالت پیدا کردی کہ مسلم آبادی وہاں سے ختم ہوگئی، یا وہ حالات سے مجبور ہوکر چلے گئے یا سب کے سب لقمہ اجل ہوگئے، جس کی وجہ سے مسجد ویران ہوگئی، یا مسجد کی دیواریں گرگئیں کوئی نہیں جو اس کی مرمت کرے یا اس میں نماز پڑھے، مسجد میں رہے گی اس میں کوئی دوسرا تصرف کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے، نہ یہ مسجد فروخت کی جاسکے گی، نہ نیلام ہوگی، نہ اسے بیچ کراس کی قیمت سے دوسری مسجد بنائی

❶ رد المحتار: کتاب الوقف، مطلب: فی أحکام المسجد، ج۶ ص۵۴۸/ الفتاوی الھندیة: کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به، الفصل الأول فیما یصیر به مسجدا...... إلخ، ج۲ ص۴۲۷ ❷ رد المحتار: کتاب الوقف، مطلب: فی أحکام المسجد، ج۶ ص۵۴۸/ الفتاوی الھندیة: کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به، الفصل الأول فیما یصیر به مسجدا...... إلخ، ج۲ ص۴۲۸

جائے گی، اور نہ اس کا سامان اور مال واسباب دوسری طرف منتقل کیا جا سکے گا، اگر کوئی یہ سب کرنا چاہے تو یہ جائز نہیں ہے، البتہ جب کسی ایسی مسجد کا سامان اور اسباب ضائع ہو رہا ہے یا کسی ظالم وغاصب کے ظلم وغصب کا غالب خطرہ ہے تو ایسی حالت میں اسباب کا دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز ہے، باقی یہ مسجد اپنی بنیاد پڑنے کے دن سے ابدالآباد تک مسجد ہی رہے گی، اور تحت الثریٰ سے لے کر آسمان تک یہ حصہ مسجد ہی کے حکم میں ہوگا۔ ❶

سامان جس کی ضرورت باقی نہ ہو

اسی طرح جب مسجد کو فرش (چٹائی) وغیرہ کی ضرورت باقی نہ رہی تو یہ دینے والے کو واپس مل جائے گا، اگر وہ زندہ ہے ورنہ اس کے ورثہ کو ملے گا، اور بعض علماء کا خیال ہے اسے فروخت کر کے اس کی قیمت دوسرے شعبہ مسجد میں صرف کی جائے گی، البتہ جب کسی شعبہ میں ضرورت باقی نہ رہے تو اسے دوسری مسجد کی طرف منتقل کر دیا جائے گا۔ ❷

اگر معطی (دینے والے) کی خواہش ہو کہ پرانی چٹائی وغیرہ صدقہ کر دیں اور اس کی جگہ مسجد کو نئی دیں تو اس کو یہ حق ہے، یہی چیز محلّہ والے چاہیں تو اس وقت دیکھا جائے گا کہ چٹائی قابل قیمت ہے یا نہیں، اگر اس کی قیمت مل سکتی ہے تو اہل مسجد کو صدقہ کا حق نہیں ہے ورنہ ہے۔ ❸

---

❶ رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب: في أحكام المسجد، ج٦ ص٥٤٨/ الفتاوى الهندية: كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد وما يتعلق به، الفصل الأول فيما يصير به مسجدا...... إلخ، ج٢ ص٤٢٨ ❷ الفتاوى الهندية: كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد وما يتعلق به، الفصل الأول فيما يصير به مسجدا...... إلخ، ج٢ ص٤٢٨/ البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل: فى أحكام المسجد، ج٥ ص٤٢٣

❸ الفتاوى الهندية: كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد وما يتعلق به، الفصل الأول فيما يصير به مسجدا...... إلخ، ج٢ ص٤٢٧

جو گھاس موسم ربیع میں مسجد سے نکالی جائے اگر وہ بکنے کے لائق ہے تو بیچ دی جائے ورنہ نکالنے والا اپنے مصرف میں لا سکتا ہے۔ ❶

صاحب ''رد المحتار'' نے لکھا ہے بعض جگہوں میں گھاس فرش کی جگہ استعمال کی جاتی ہے۔ ❷

مردہ اٹھانے والی چارپائی مسجد کی ملکیت تھی، وہ بوسیدہ ہو کر یا کسی اور وجہ سے ناقابل استعمال ہوگئی تو اسے اہل محلہ قاضی کی اجازت سے فروخت کر سکتے ہیں، ایسے ہی دیباج مکہ مکرمہ پرانا ہو جائے تو ذاتی طور پر اسے کوئی نہیں لے سکتا ہے، بلکہ سلطان وقت اسے بیچے گا اور اس کی قیمت اسی پر صرف کرے گا۔ ❸

مسجد جو گر رہی ہے اس کے سامان کے ضائع ہونے یا ظالم و جابر کے تصرف میں جانے کا خطرہ ہو تو بیچ کر اس کی قیمت جمع کی جاسکتی ہے۔ ❹

دربارِ الٰہی کے آداب

اب تک خانہ خدا سے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا اس سے یہ امر بالکل منقح ہو گیا ہوگا کہ اس دربار کی کچھ اور ہی خصوصیت ہے اور اس کا امتیازی نشان بہت اونچا ہے، تو جس مقدس گھر کی شان و شوکت اور وقعت و عزت کا عنداللہ یہ حال ہو، یقینی طور پر اس کے آداب بھی اسی اعتبار سے بلند ہوں گے اور ان کا بجالانا بھی اسی قدر ضروری ہوگا۔

❶ الفتاوی الھندیة: کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به، الفصل الأول فیما یصیر به مسجدا...... إلخ، ج ٢ ص ٤٢٧ ❷ رد المحتار: کتاب الوقف، مطلب: فی أحکام المسجد، ج ٦ ص ٥٥١ ❸ الفتاوی الھندیة: کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به، الفصل الأول فیما یصیر به مسجدا...... إلخ، ج ٢ ص ٤٢٨، ٤٢٩ ❹ رد المحتار: کتاب الوقف، مطلب: فی نقل أنقاض المسجد ونحوه، ج ٦ ص ٥٥٢، ٥٥٣

دنیا کے معمولی درباروں کا حال آپ کو معلوم ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق اس کے کچھ خاص آداب ہوتے ہیں جن کی بجا آوری ہر اس شخص پر لازم ہوتی ہے جو وہاں آئے، بادشاہ وقت اور اس کے احکام کے اجلاس کے قوانین منضبط ہوتے ہیں، اور ان کی خلاف ورزی کی حالت میں سزائیں متعین ہوتی ہیں خواہ وہ جرمانہ کی سزا ہو یا قید و بند کی۔

دنیاوی حکام کے اجلاسوں کے آداب جنہیں ہم رات دن اپنی اپنی زندگی میں برتتے ہیں، ان کو سامنے رکھ کر ہمیں غور کرنا چاہئے کہ اس دربار کی عزت ووقعت کا کیا حال ہوگا جو انسانوں کا نہیں بلکہ ان کے خالق و مالک کا گھر کہلاتا ہے، جو احکم الحاکمین کے روبرو ہونے کا مقام ہے اور جو اسی کے آگے سجدہ کرنے کے لئے مخصوص ہے۔

قرآن پاک میں اس گھر کا تذکرہ جس عنوان سے کیا گیا ہے وہ آپ اپنی مثال ہے، اس کی رفعت اور علو مرتبہ کی بڑی مدح سرائی کی گئی ہے، اس کی صفائی و پاکی کی بار بار تاکید بیان کی گئی اور اس کے آداب کی طرف نمایاں اشارے کئے گئے ہیں، اور رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نہایت تفصیل کے ساتھ ایک ایک چیز کو بتایا ہے اور ساتھ ہی ان احکام کی جو مسجد کے باب میں آئے خلاف ورزی پر وعیدیں سنائی گئی ہیں۔

آنے کے آداب

وہ آداب جو مسجد سے متعلق ہیں مختلف شعبوں میں منقسم ہیں اور پھر ہر ہر شعبہ کے لئے متعدد جزئی احکام ہیں، مثلاً آداب کی تقسیم میں مسجد آنے کے آداب، مسجد کی صفائی و پاکی کے آداب، مسجد میں بیٹھنے اور ذکر و شغل کے آداب وغیرہ وغیرہ، ان میں سے ہر ایک پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی، ضرورت ہے مذہب کے دلدادہ مسلمان ان کو فکر و نظر کے ساتھ پڑھیں، ان کی حکمتوں کو سمجھیں اور پھر ان مسلمانوں کو بتائیں جن کو دنیا نے اپنے دام فریب میں مبتلا کر رکھا ہے۔

نیت پاک اور بخیر ہو

ہر چیز کی بنیادی اینٹ نیت ہے، ''**إنما الأعمال بالنیات**'' کی حدیث جس پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے جس کو شرح وبسط کے ساتھ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ مسجد کا ارادہ کرتے ہوئے نیت پاک اور دل صاف ہو، قلب دنیاوی گندگیوں سے پاک اور منزہ ہو۔ نام ونمود، ریا وسمعہ کا چور دل میں چھپا نہ ہو، بلکہ دل محبتِ مولیٰ سے سرشار اور خشیت الٰہی سے معمور ہو اور ایسا معمور جو لرزہ براندام کر رہا ہو، اس لئے کہ یہاں پونجی کے لٹ جانے کا خوف ہے اور اس سے بڑھ کر اندھے غار میں گر جانے کا اندیشہ۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا اور نیت صالحہ کو بتایا:

وَذٰلِکَ أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ. ❶

یہ ثواب کی زیادتی اس وقت ہے جب اچھی طرح وضو کرے پھر مسجد کے لئے نکلے اور فقط نماز ہی کی نیت سے نکل رہا ہو۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری اس مسجد میں کسی خیر کی نیت سے آئے اس کی مثال مجاہد فی سبیل اللہ کی ہے، ورنہ وہ اس شخص جیسا ہے جو دوسرے کی متاع للچائی ہوئی نگاہوں سے تاکا کرتا ہے۔ ❷

اس حدیث سے مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ ایسے شخص کو کوئی ثواب میسر نہیں ہوگا بلکہ الٹا دکھ ہوگا۔

---

❶ صحیح البخاري: کتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، ج ۱ ص ۱۳۱، رقم الحدیث: ٦٤٧ ❷ سنن ابن ماجه: باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، ج ۱ ص ۸۲، رقم الحدیث: ۲۲۷

مسجد میں باوضو آنے کی کوشش کرے

گھر سے جب چلنے لگے تو پہلے وضو کرلیا جائے کیونکہ سنت طریقہ یہی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں جماعت کی نماز میں ثواب کی زیادتی کا ذکر فرمایا ہے وہاں یہ مصرح ہے کہ ثواب کی زیادتی اس وجہ سے ہے کہ وضو کیا اور اس کے بعد خالص نیت سے مسجد روانہ ہوا، اورانہی آداب کے ساتھ چلنے پر درجہ کی بلندی اور گناہ کی معافی کی بشارت ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

صَلاةُ الرَّجُلِ فِی الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلَی صَلَاتِهِ فِی بَیْتِهِ وَفِی سُوقِهِ خَمْسًا وَّعِشْرِینَ ضِعْفًا، وَذٰلِکَ أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَی الْمَسْجِدِ، لَا یُخْرِجُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ، لَمْ یَخْطُ خَطْوَةً إِلَّا رُفِعَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ، وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِیئَةٌ. ❶

مرد کی باجماعت نماز اس کی اس نماز سے جو گھر اور بازار میں پڑھی جائے پچیس گنا بڑھی ہوئی ہے، اور وہ زیادتی اس وجہ سے ہے کہ اس نے وضو اس کے حقوق کے ساتھ ادا کیا اور محض نماز ہی کی نیت سے نکلا، اس سلسلہ میں جو قدم اُٹھائے گا اس کے بدلہ میں ایک درجہ بلند ہوگا اور اس کا ایک گناہ معاف ہوگا۔

ضرورت بھی ہے کہ دربارِ خداوندی کے لئے پوری تیاری کے ساتھ چلیں، کپڑے بھی صاف ہوں، بدن اور جسم بھی پاک ہو، اعضائے وضو جو وہاں جا کر نمایاں طور پر مصروفِ مناجات اور اظہارِ تذلل میں پیش پیش ہوں گے صاف ستھرے اور پاکیزہ ہوں۔

دعا پڑھتے ہوئے مسجد آئے

روانہ ہوتے ہوئے زبان پر یہ دعا ہو، جو دل کی گہرائیوں سے نکل رہی ہو:

❶ صحیح البخاري: كتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، ج ١ ص ١٣١، رقم الحديث: ٦٤٧

اَللّٰهُمَّ إِنِّی أَسْأَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِینَ عَلَیْکَ، وَأَسْأَلُکَ بِحَقِّ مَمْشَایَ هَذَا، فَإِنِّی لَمْ أَخْرُجْ أَشَرًا وَلَا بَطَرًا وَلَا رِیَاءً وَلَا سُمْعَةً، وَخَرَجْتُ اِتِّقَاءَ سُخْطِکَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِکَ، فَأَسْأَلُکَ أَنْ تُعِیذَنِی مِنَ النَّارِ، وَأَنْ تَغْفِرَ لِی ذُنُوبِی، إِنَّهُ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ. ❶

اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اس حق کی وجہ سے جو مانگنے والوں کا آپ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے، اور آپ سے سوال کرتا ہوں اپنے اس چلنے کے حق کی وجہ سے کیونکہ میں غرور اور اترانے اور دکھانے اور سنانے (شہرت) کی خاطر نہیں نکلا بلکہ میں آپ کی ناراضگی سے بچنے کے لئے اور آپ کی رضا جوئی کے لئے نکلا ہوں، تو میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے دوزخ سے بچا دیں اور میرے گناہوں کو بخش دیں کیونکہ گناہوں کو آپ کے علاوہ کوئی نہیں بخشتا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز پڑھنے کے لئے نکلتا ہے اور یہ (اوپر والی) دعا پڑھتا ہے، اللہ تعالی اس کی حفاظت کے لئے ستر ہزار فرشتے مقرر فرماتا ہے جو اس کے لئے فراغت نماز تک دعا کرتے ہیں۔

ان چند جملوں کی دعا پڑھنے کا کتنا بڑا اجر رکھا گیا ہے، محنت معمولی اور مزدوری اتنی بڑی، اس پر بھی ہمارے دل اثر پذیر نہ ہوں تو حیرت کی بات ہے، میں نے اس مسئلہ پر جتنا غور کیا کہ نظام مساجد سے متعلق کیا دینی اور دنیوی فائدے ہیں، سچ کہتا ہوں معلوم ہوا یہ اتھاہ سمندر ہے جس کی تہ تک پہنچنا آسان نہیں، کوئی قدم اور کوئی بولی اس سلسلہ کی فائدے سے خالی نہیں۔ ❷

---

❶ زاد المعاد: فصل فی هدیه صلی الله علیه وسلم فی الأذکار والأدعیة، الذکر عند الخروج من البیت، ج۲ ص۳۳۶ ❷ زاد المعاد: فصل فی هدیه صلی الله علیه وسلم فی الأذکار والأدعیة، الذکر عند الخروج من البیت، ج۲ ص۳۳۶

اچھی ہیئت میں مسجد آئے

روانہ ہوتے ہوئے ایک نظر اپنی ظاہری ہیئت پر بھی ڈال لی جائے، اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہم ایک عظیم المرتبت دربار کو جارہے ہیں، اتنا عظیم المرتبت کہ اُسے دنیا کی جنت سے تعبیر کیا جائے تو مبالغہ نہیں، حدیث اوپر گزر چکی ہے جس میں ان درباروں کو جنت کا باغ کہا گیا ہے، اس لئے جہاں ہر طرح کی نجاست حقیقی اور حکمی سے پاک ہوکر جانا ضروری ہے، ادب یہ بھی ہے کہ ظاہری ہیئت عمدہ سے عمدہ ہو، ایسی عمدہ جو شریعت کی نظر میں خراج تحسین حاصل کرسکے۔

حتی المقدور کپڑے پاک وصاف ہونے کے ساتھ صاف ستھرے ہوں کرتے کی آستین پوری ہو، اگر قدرت نے وسعت عطا کی ہے تو خوشبو مل لیں تاکہ پسینہ وغیرہ کی بو بالکلیہ جاتی رہے اور فرشتوں کو کوئی اذیت نہ پہنچنے پائے، ارشادِ ربانی ہے:

يٰبَنِيٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ. (الأعراف: ۳۱)

اے آدم کی اولاد! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباسِ زینت پہن لیا کرو۔

اس آیت سے مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ مسجد کی حاضری میں ہیئت حتی الوسع اچھی ہونی چاہئے۔

باوقار انداز میں اطمینان کے ساتھ آئیں

مسجد آتے ہوئے یہ خیال رہے کہ ہم ایک بڑی عبادت کے لئے بڑے گھر کی طرف جارہے ہیں، اس لئے رفتار میں پورا وقار، اعتدال اور سکینت نمایاں ہو، ایسی رفتار ہرگز نہ اختیار کی جائے جس سے دیکھنے والا ہلکا پن محسوس کرے اور عام نظروں میں مضحکہ خیزی کی حد تک پہنچ جائے، ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ نماز کا ارادہ کرنا بھی نماز ہی کے حکم میں ہے، لہذا راستہ چلتے ہوئے لہو ولعب ہنسی مذاق اور ناجائز چیزوں پر نظر سے پرہیز کیا

جائے اور یہاں بھی حتی الوسع نماز کے خلاف اُمور سے پورا اجتناب کیا جائے، نگاہ نیچی، دل میں محبت وخشیت اور امید وبیم کی کیفیت طاری ہو، چہرہ پر تواضع اور تذلل کے آثار ہوں مگر یہ سب کسی اور کے لئے ہرگز نہ ہو، محض رب العالمین کے لئے ہو، اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان آیا ہے:

إِذَا سَمِعْتُمُ الْإِقَامَةَ فَامْشُوا إِلَى الصَّلَاةِ وَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ وَالْوَقَارِ، وَلَا تُسْرِعُوا. ❶

تم جب اقامت سنو تو نماز کے لئے اس طرح چلو کہ تم پر سکینت ووقار طاری ہو، اور دوڑ ومت۔

وَأْتُوهَا وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا، وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا كَانَ يَعْمِدُ إِلَى الصَّلَاةِ فَهُوَ فِي صَلَاةٍ. ❷

نماز کے لئے اس طرح آؤ کہ تم پر وقار واطمینان ہو، جو پالو پڑھ لو اور جو چھوٹ جائے اُسے پورا کرلو، جب تم میں کا کوئی نماز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ حکماً نماز ہی میں ہوتا ہے۔

مسجد میں پیدل چل کر آنا افضل ہے

مسجد پیدل چل کر آنا چاہئے، بغیر عذر شرعی سواری سے آنا اچھا نہیں تا کہ ہر قدم کا اجر نامہ اعمال میں لکھا جائے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور بھی یہی معلوم ہوتا ہے، پیدل مسجد آنا باعث کفارہ گناہ ہے جیسا کہ ایک لمبی حدیث میں پورا واقعہ گزر چکا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالی کی رؤیت غنودگی کی حالت میں میسر آئی، رب العزت نے مجھ سے ملأ اعلی

❶ صحيح البخاري: كتاب الأذان، باب لا يسعى إلى الصلاة وليأت بالسكينة والوقار، ج ١ ص ١٢٩، رقم الحديث: ٦٣٦ ❷ صحيح مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب إتيان الصلاة بوقار وسكينة، ج ١ ص ٤٢١، رقم: ٦٠٢

کے بارے میں سوال کیا، میں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی آخر کار اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت مجھ پر رکھا جس کا اثر میں نے محسوس کیا، اس کے بعد رب العزت کی طرف سے پھر وہی سوال ہوا، اب میں نے کہا کہ فرشتے کفاراتِ گناہ میں جھگڑ رہے ہیں، یعنی کون سے ایسے عمل ہیں جو گناہوں کی معافی کا ذریعہ بنتے ہیں، میں نے تفصیلی جواب دیا، اسی حدیث میں پہلا جملہ یہ ہے:

مَشْیُ الْأَقْدَامِ إِلَی الْجَمَاعَاتِ. ❶

جماعت کے لئے پیدل چل کر آنا (باعثِ کفارہ گناہ ہے)۔

دخولِ مسجد کے وقت دایاں قدم رکھیں

راستہ اس طرح طے کریں کہ جب مسجد کے دروازے پر پہنچ جائیں ذرا قلب وجگر تھام لیں کہ اب ایک بڑے دربار میں داخلہ ہو رہا ہے، علمائے سلف اور صوفیائے کرام کے حالات میں میری نظر سے ایسے واقعات گزرے ہیں جس کا تصور بھی آج کل مشکل ہی سے ہوسکتا ہے، بعض بزرگانِ دین کا مسجد کے دروازہ پر پہنچ کر رنگ بدل جاتا تھا اوران کی عجیب کیفیت ہوتی تھی۔

بہرحال داخل ہوتے ہوئے مسجد میں پہلا دایاں پیر رکھیں، پھر بایاں اور فارغ ہو کر جب نکلنے لگیں تو اس کے خلاف کریں، یعنی پہلے بایاں پیر نکالیں پھر دایاں، مگر جوتا وغیرہ پہلے داہنے ہی پیر میں پہنیں کہ طریقہ مسنونہ یہی ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ أَنَّهُ کَانَ یَقُولُ: مِنَ السُّنَّةِ إِذَا دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ أَنْ تَبْدَأَ بِرِجْلِکَ الْیُمْنَی، وَإِذَا خَرَجْتَ أَنْ تَبْدَأَ بِرِجْلِکَ الْیُسْرَی. ❷

❶ سنن الترمذي: أبواب تفسير القرآن، باب: ومن سورة ص، ج۵ ص ۳۶۸، رقم الحديث: ۳۲۳۵ ❷ المستدرک علی الصحیحین: کتاب الإمامة وصلاة الجماعة، ج ا ص ۳۳۸، رقم الحدیث: ۷۹۱، قال الحاکم والذهبي: علی شرط مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سنت ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو تو پہلے دایاں پاؤں رکھو اور جب مسجد سے نکلو تو بائیں پاؤں باہر رکھو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسی پر عمل رہا اور ادب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نسبتاً دائیں کو بائیں پر فضیلت ہے۔

بوقتِ دخول دُعا پڑھیں

دایاں پاؤں رکھتے ہوئے یہ دعا پڑھی جائے:

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِکَ.

اے اللہ! مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

اور جب نکلیں تو بایاں پاؤں پہلے نکالیں اور یہ دعا پڑھتے ہوئے:

اَللّٰھُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُکَ بِفَضْلِکَ.

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل وبخشش کی درخواست کرتا ہوں۔

مسلم شریف میں حضرت ابو اُسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا دَخَلَ أَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ، فَلْیَقُلْ: اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِی أَبْوَابَ رَحْمَتِکَ. ❶

تم میں سے جو بھی مسجد میں داخل ہو اس کو کہنا چاہئے ''اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِی أَبْوَابَ رَحْمَتِکَ'' (اے اللہ! تو میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے)۔

وَإِذَا خَرَجَ، فَلْیَقُلْ: اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ. ❷

اور جب مسجد سے نکلے تو یہ پڑھنا چاہئے ''اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ''

❶ صحیح مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب ما یقول إذا دخل المسجد، ج ۱ ص ۴۹۴، رقم الحدیث: ۷۱۳ ❷ صحیح مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب ما یقول إذا دخل المسجد، ج ۱ ص ۴۹۴، رقم الحدیث: ۷۱۳

(اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں)۔

مسجد پہنچ کر سلام کریں

مسجد میں پہنچ کر دیکھے کہ لوگ جمع ہیں تو سلام کرے اور اگر کوئی موجود نہ ہو تو اس طرح سلام کرے:

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً. (النور: ٦١)

ترجمہ: تم جب گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کرو جو کہ دعا کے طور پر ہے اور اللہ کی طرف سے مقرر ہے، برکت والی پاکیزہ ہے۔

مفسرین اور احکام قرآن بیان کرنے والوں نے اس آیت کے ضمن میں اس کو ثابت کیا ہے جو میں نے اوپر لکھا اور فقہائے کرام نے بھی اس کی صراحت کی ہے، تفصیل کے لئے ''أحكام القرآن للجصاص'' کا مطالعہ کریں۔ ❶

تحیۃ المسجد ادا کریں

موقع ہو تو پہلے مسجد آکر دو رکعت نماز تحیۃ المسجد پڑھیں، وقتی نماز کا وقت ہو یا کوئی اور وقت ہو، البتہ اوقاتِ مکروہ میں سے کوئی وقت نہ ہو جیسے آفتاب کے طلوع وغروب کا وقت یا زوال کا، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَّجْلِسَ. ❷

---

❶ أحكام القرآن للجصاص: سورة النور آيت نمبر ٦٢ کے تحت، ج٥ ص ٢٠٠

❷ صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين قبل أن يجلس، ج ١ ص ٩٦، رقم الحديث: ۴۴۴/ صحيح مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب تحية المسجد بركعتين، ج ١ ص ۴٩٥، رقم الحديث: ٧١۴

تم میں سے کوئی مسجد میں جب داخل ہو تو اس کو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنی چاہئے۔

مگر یہ تحیۃ المسجد کی نماز وقتی نمازوں میں صرف ظہر، عشاء اور عصر میں پڑھی جائے گی بقیہ دو نمازوں فجر و مغرب میں تو اس سے پرہیز کیا جائے گا، اس لئے کہ ان وقتوں میں کوئی نفل نماز پہلے جائز نہیں ہے، مغرب سے پہلے تو گنجائش ہی نہیں، باقی فجر تو اس وقت پہلے صرف دو رکعت سنت ہیں۔

مسجد پہنچ کر کوئی بیٹھ جائے اور اس کے بعد تحیۃ المسجد پڑھنا جائز ہے، مگر اولویت کے خلاف ہے۔

فرض و سنت کوئی پہنچتے ہی شروع کردے تو کیا اس کے ذمہ سے تحیۃ المسجد کی نماز ساقط ہو جائے گی؟ جواب یہ ہے کہ ہاں یہ شکل بھی جائز ہے، حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

چوں در مسجد داخل شود اگر ادائے فرض و سنت است فبہا والا دو رکعت تحیۃ المسجد ادا نماید...... اگر فرض و سنت و نفل دیگر را ادا نمودہ تحیۃ المسجد از و ساقط گشت۔ ❶

مسجد میں داخل ہوتے اگر فوراً ادائے فرض و سنت ہے تب تو خیر ورنہ پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرے، اور بجائے تحیۃ المسجد فرض، سنت اور دوسری نماز پڑھ لی تو اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔

اگر کوئی اوقاتِ مکروہہ میں یا صبح و مغرب میں تحیۃ المسجد کی تلافی کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ قبلہ رو بیٹھ کر ایک ساعت ذکر و تسبیح و تہلیل میں گزارے۔ ❷

یوں تو علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے دن بھر میں ایک

---

❶ تفسیر عزیزی: سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۱۴ کے تحت، ج ا ص ۵۲۲

❷ تفسیر عزیزی: سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۱۴ کے تحت، ج ا ص ۵۲۲

مرتبہ بھی تحیۃ المسجد پڑھ لی تو کافی ہے۔ ❶

مگر اوپر جو حدیث نقل کی گئی اس کے لب ولہجہ کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر وقت موقع ہو تو تحیۃ المسجد کی نماز پڑھنی چاہئے۔

تحیۃ المسجد سلام پر مقدم ہے

''شرح سفر السعادت'' میں حضرت شیخ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ پہلے تحیۃ المسجد کی نماز ادا کرے، پھر حاضرین کو سلام کرے، تحیۃ المسجد مسجد کو سلام کرنے کے حکم میں ہے جو حق اللہ ہے اور اس موقع پر حق اللہ کو حق العباد پر تقدم حاصل ہے۔ ❷

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اسی کو لکھا ہے، فرماتے ہیں:

وَمِنْ هَدْيِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الدَّاخِلَ إِلَى الْمَسْجِدِ يَبْتَدِءُ بِرَكْعَتَيْنِ تَحِيَّةَ الْمَسْجِدِ، ثُمَّ يَجِيءُ فَيُسَلِّمُ عَلَى الْقَوْمِ فَتَكُونُ تَحِيَّةُ الْمَسْجِدِ قَبْلَ تَحِيَّةِ أَهْلِهِ. ❸

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے یہ ہے کہ مسجد میں جو داخل ہو وہ پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرے پھر وہ قوم کو آ کر سلام کرے، پس معلوم ہوا کہ تحیۃ المسجد سلام سے پہلے ہے۔

انہوں نے ثابت کیا ہے کہ صحابہ کرام کا دستور آپ کے ساتھ ایسا ہی تھا۔

دربارِ الٰہی میں دنیا کے کام

مسجد میں اطمینان کے ساتھ بیٹھیں

مسجد میں جہاں جگہ مل جائے بیٹھ جائے، نہ نمازیوں کی گردن پھلاندی جائے نہ جگہ

---

❶ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ج ١ ص ٦٥٦

❷ شرح سفر السعادت: فصل در خطبہ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم در روز جمعہ، ص ۲۰۷

❸ زاد المعاد: فصل في هديه صلى الله عليه وسلم في السلام والاستئذان وتشميت العاطس، آداب السلام، ج ٢ ص ٣٧٧

کے لئے شور وہنگامہ کیا جائے، نہ صف میں گھس کر جہاں جگہ نہ ہو مصلی کو تکلیف دینے کی کوشش کی جائے، نہ نماز پڑھنے والوں کے آگے سے گزرنے کی جرأت کی جائے، نہ انگلی وغیرہ چٹخائی جائے کہ ان کی ممانعت آئی ہے، ہر ایسی حرکت سے جو خلافِ ادب اور شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہے اجتناب کیا جائے، موقع ہو تو ذکر وشغل اور نوافل میں وقت گزارے ورنہ خاموش باادب بیٹھا رہے۔

یہ مسجد میں آنے کے وہ آداب ہیں جن کا عمل میں لانا از حد ضروری ہے پھر یہ کہ میں نے وہی آداب بیان کئے ہیں جو رات دن پیش آتے ہیں اور ان کا برتنا ہر ایک پر لازم ہے، بقیہ وہ آداب جن کو شریعت نے اس سلسلہ میں بیان کیا ہے اور وہ یہاں ضبط تحریر میں نہیں آسکے ہیں ان پر بھی عمل کرنا چاہئے۔

دنیاوی باتوں سے اجتناب کریں

آداب مسجد سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ اس میں دنیا کی باتیں کرنے سے احتراز کیا جائے، وہ باتیں جائز ہوں خواہ ناجائز، اس زمانہ میں اس گناہ میں عام وخواص دونوں ہی کم وبیش مبتلا ہیں، اس لئے ذرا تفصیل سے بیان کرنا مناسب ہے۔

یہ اس قدر اہم مسئلہ ہے کہ قرآن پاک نے اپنے معجزانہ پیرایہ میں اسے بیان کیا، ارشاد ربانی ہے:

اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا. (الجن: ۱۸)

ترجمہ: بلاشبہ مسجدیں اللہ تعالی کی ہیں پس اللہ تعالی کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔

مفسرین نے اس آیت کے ضمن میں مسجد میں دنیا کی گفتگو کا مسئلہ کھول کر لکھا ہے اور اس کو واضح کیا کہ یہ گھر اللہ تعالی کی یاد اس کی تسبیح وتقدس اور عبادت کے لئے مخصوص ہے، صاحب جمل لکھتے ہیں:

المعنى أفردوا المساجد بذكر الله ولا تجعلوا لغير الله فيها نصيبا. ❶

معنی یہ ہے کہ مسجدوں کو اللہ تعالی کی یاد کے لئے مخصوص کرلو اور غیر کے لئے اس میں کوئی حصہ نہ بناؤ۔

اس سے واضح تر عبارت یہ ہے:

ألا إنها على ظاهرها مما يستدل به على أنه لا يجوز في المسجد التكلم بكلام الدنيا. ❷

اس آیت کے ظاہر سے استدلال کیا گیا ہے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا جائز نہیں ہے۔

قرآن پاک میں ایک دوسری جگہ اللہ تعالی فرماتا ہے:

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ. (النور: ۳۶)

ترجمہ: ان گھروں میں جن کی نسبت اللہ تعالی نے حکم دیا کہ ان کی تعظیم کی جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔

اس آیت میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مسجدوں میں صرف ذکر اللہ ہی کی قسم کی چیزیں ہونی چاہئیں کیونکہ یہاں بیوت سے مساجد مراد ہیں، اور یہ بات ظاہر ہے کہ ان کی قدر و منزلت بھی اسی میں ہے کہ دنیاوی باتوں سے پرہیز کیا جائے، وہاں پہنچ کر دھیان سب سے کٹ کر اللہ تعالی پر ہو، اس آیت کے ضمن میں امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى أَنَّهٗ يَجِبُ تَنْزِيْهُهَا مِنَ الْعُقُوْدِ فِيْهَا لِأُمُوْرِ الدُّنْيَا مِثْلُ الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ وَعَمَلِ الصِّنَاعَاتِ وَلَغْوِ الْحَدِيْثِ الَّذِى لَا فَائِدَةَ فِيْهِ وَالسَّفَهِ

❶ حاشية الجمل على الجلالين: سورة الجن آیت نمبر ۱۸ کے تحت، ج ۸ ص ۱۳۵

❷ التفسيرات الأحمدية: سورة الجن آیت نمبر ۱۸ کے تحت، ص ۷۲۴

وَمَا جَرَى مَجْرَى ذَلِكَ. ❶

یہ آیت بتاتی ہے کہ مسجدوں کو دنیاوی کاموں سے پاک وصاف رکھنا واجب ہے، جیسے خرید وفروخت، دست کاری اور ایسی باتیں کرنا جو بے فائدہ ہیں اور اسی طرح نادانی وغیرہ کی باتیں کرنا۔

رحمتِ عالم کی پیشین گوئی اور امت کو ہدایت

میں نے یہ اس لئے نقل کیا تا کہ اصل مسئلہ کھل کر اہلِ علم کے سامنے آجائے اور ان کو کوئی اشکال پیدا نہ ہو سکے، ورنہ سب کو معلوم ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کا کیا احترام تھا اور آپ کے خلفاء واصحاب نے اس احترام کو کیسے نبھایا، حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں ایسی باتوں کا عوام مسلمانوں کو وہم وگمان بھی نہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پیشین گوئی کے طور پر فرمایا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ دنیا کی باتیں مسجدوں میں ہونے لگیں گی، پھر آپ نے تاکیداً فرمایا تھا کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے، ارشاد فرمایا تھا:

فَلَا تُجَالِسُوهُمْ، فَلَيْسَ لِلَّهِ فِيهِمْ حَاجَةٌ. ❷

ان لوگوں میں (جو مسجدوں میں دنیا کی باتیں کریں) مت بیٹھنا کیونکہ ان کی اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں۔

گویا دنیا کی باتیں خانہ خدا میں اس قدر مبغوض ہیں کہ اس بڑے خطرہ کی آپ نے اپنی امت کو سینکڑوں سال پہلے اطلاع دی اور پھر تاکید فرمادی کہ اس گناہ کے کام سے بچنا اور ہرگز اس کی جرأت نہ کرنا۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل

---

❶ أحكام القرآن للجصاص: سورة النور آیت نمبر ۳۵ کے تحت، ج۵ ص۱۸۸، ۱۸۹ ❷ شعب الإيمان: الصلاة، فصل: المشي إلى المساجد، ج۴ ص۳۸۷، رقم الحديث: ۲۷۰۱

کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے کہ اسلام بجز نام کے اور قرآن سوائے نشان کے اور کچھ باقی نہیں رہے گا، ان کی مسجدیں بنی تو ہوں گی لیکن ذکر اللہ سے ویران ہوں گی۔ ❶

ان روایتوں کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ کیا عجب جس زمانہ کی یہ پیشین گوئی کی تھی وہ ہمارا یہی زمانہ ہو، اس لئے اربابِ علم ودانش خوب غور کرلیں اور عوام مسلمان اپنے اعمال پر گہری نظر ڈالیں۔

کون نہیں جانتا کہ مسجد دربار الٰہی اور جلوہ گاہ رحمت ہے، پھر ایسے مقدس اور پرجلال دربار میں دنیا کی باتیں جتنی نامناسب، نازیبا، عقل وخرد سے بعید اور مذموم ہوسکتی ہیں ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

جہاں مساجد کے فضائل بیان کئے گئے ہیں وہاں جو حدیثیں گزر چکی ہیں ان میں اس محترم ومقدس گھر کی وقعت کا ذکر ہے، خاص طور پر یہ جملے قابل غور ہیں:

أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللهِ مَسَاجِدُهَا، وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللهِ أَسْوَاقُهَا. ❷

جن کا ماحصل یہ ہے کہ روئے زمین پر وہ جگہ جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے پیاری اور سب سے بہتر ہے وہ وہی گھر ہے جس کو ہم مسجد کے مختصر لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں بازار کو سب سے بری جگہ قرار دیا گیا ہے، آخر بات کیا ہے، یہی نا کہ بازار دنیاوی دھندوں کے اڈے ہوتے ہیں، جہاں دنیا اپنی بساط بچھائے رونق افروز رہتی ہے، اور شوروغل ہوہڑپ اور ہنگامہ اس کا لازمہ ہے۔

❶ تنبيه الغافلين: باب حرمة المساجد، ج ١ ص ٣٠٦

❷ صحيح مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب أحب البلاد إلى الله مساجدها، ج ١ ص ٤٦٤، رقم الحديث: ٦٧١/ المستدرك على الصحيحين: كتاب البيوع، ج ٢ ص ٩، رقم الحديث: ٢١٤٩، قال الحاكم والذهبي: صحيح

غور کیجئے جب اسی مبغوض ترین جگہ کے لوازم اس محترم ومقدس دربار میں کئے جائیں گے جو عنداللہ محبوب ترین ہے، تو یہ کتنا بڑا ظلم ہوگا؟ اللہ تعالی ہم سب کو دین کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مسجد میں سیاسی تقریریں

ہمارے زمانے میں سیاسی تقریروں کا رواج مسجد میں عام ہوتا جارہا ہے اور وہ بھی آدابِ مسجد کا لحاظ نہ کرتے ہوئے، یہ چیز بھی پسندیدہ نہیں ہے، ایسی غیر ذمہ داری کی باتیں جو کہیں بھی کہنی جائز نہیں ہیں ان کا مسجد میں کہنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے، حدیث میں ہے کہ مسجدوں کو بچوں، جھگڑوں، بلند آوازی، اجرائے حدود اور تلوار کھینچنے سے بچاؤ۔ ❶

اور آج کل مسجدوں میں جو سیاسی جلسے ہوتے ہیں ان میں تقریباً یہ تمام چیزیں کم وبیش پائی جاتی ہیں اور ان سے بڑھ کر ایذائے مسلم ہے جس سے اجتناب ضروری ہے:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ. ❷

دینی باتیں اگر مسجد میں کہی جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ بڑی حد تک یہ اغراض ومقاصد مسجد میں داخل ہیں، یا ایسی سیاسی باتیں جن کا دین سے لگاؤ ہو مسلمانوں سے کہی جاسکتی ہیں کہ عہد نبوی میں مسجد نبوی ان باتوں کا مرکز رہ چکی ہے، مگر آداب اور احترام واکرام بہر حال ضروری ہے۔

مسجد میں بلند آوازی

ابھی ابن ماجہ والی حدیث میں یہ بات گزری کہ مسجد میں بلند آواز نہ ہونے پائے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اس باب میں جیسا رہا وہ مشعل راہ بنایا جاسکتا ہے کہ وہ دربارِ

❶ سنن ابن ماجه: كتاب المساجد والجماعات، باب ما يكره في المساجد، ج ١ ص ٢٤٧، رقم الحديث: ٧٥٠ ❷ صحيح البخاري: كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، ج ١ ص ١١، رقم الحديث: ١٠

نبوی کے حلقہ بگوش تھے، حضرت سائب بن یزید بیان کرتے ہیں میں ایک دن مسجد میں سویا ہوا تھا کنکری مار کر کسی نے جگا دیا، دیکھا تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے دو شخصوں کی طرف اشارہ کیا وہ مسجد میں شور وغل کر رہے تھے، فرمایا ان کو پکڑ لاؤ، میں نے حسب الحکم ان دونوں کو ان کی خدمت میں لے جا کر حاضر کر دیا، آپ نے ان سے پوچھا کہاں رہتے ہو؟ ان لوگوں نے طائف کا نام لیا، یہ سن کر آپ نے فرمایا اگر تم مدینہ منورہ کے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا، تم مسجد رسول میں شور وغل کرتے ہو، جاؤ آج صرف اس وجہ سے معاف کیا جاتا ہے کہ باہر کے رہنے والے ہو۔ ❶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں بہت سخت تھے، مسجد کی معمولی بے حرمتی بھی برداشت نہیں کرتے تھے، چنانچہ لڑکوں کو بھی مسجد میں کھیلتے دیکھتے تو درہ سے خبر لیتے اور عشاء کے بعد بھی مسجد کی پوری خبر گیری رکھتے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اہتمام

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انہی وجوہ کی بنا پر مسجد کے ایک کنارے ایک چبوترہ بنوا دیا تھا جس کا نام حدیث میں بطحا آتا ہے، اور اس کے بنوانے کے بعد اعلان کر دیا کہ جس کو شعر پڑھنا ہو یا اور کوئی ایسی بات کرنی ہو مسجد سے نکل کر وہاں چلا جائے، مسجد میں اس طرح کی کوئی بات نہ ہونے پائے۔ ❷

اس باب میں اختلاف ہے کہ بلند آواز مطلقاً حرام ہے یا مقید طور پر، اکثریت کی رائے تفصیلی ہے کہ اگر دینی ودنیوی ضرورت ہو جس میں مسلمانوں کا مفاد ہے تو جائز ورنہ ناجائز، جواز کی دلیل میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی جاتی ہے

---

❶ صحیح البخاری: کتاب الصلاۃ، باب رفع الصوت في المساجد، ج ۱ ص ۱۰۱، رقم الحدیث: ۴۷۰ ❷ موطا مالک: کتاب قصر الصلاۃ في السفر، باب جامع الصلاۃ، ج ۱ ص ۱۷۵، رقم الحدیث: ۲۰۲

جس میں مذکور ہے کہ انہوں نے ابن ابی حدرد سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا اور یہ مطالبہ مسجد میں ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بلند آوازی کو سنا اور آپ نے اپنے حجرہ مبارکہ کا پردہ اٹھا کر صرف یہ اشارہ فرمایا کہ نصف معاف کردو، اور ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ادا کردو، باقی ان دونوں کی بلند آوازی پر کوئی تنبیہہ نہ فرمائی۔ ❶

گم شدہ چیز کی تلاش کا اعلان

گم شدہ چیز کی تلاش بھی مسجد میں جائز نہیں ہے کہ یہ بھی مسجد کے احترام کے خلاف ہے کیونکہ اس میں شور و ہنگامہ ناگزیر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لا رَدَّهَا اللهُ عَلَيْکَ فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا. ❷

جو کسی شخص کو سنے کہ وہ مسجد میں گم شدہ چیز کی تلاش کرتا ہے تو چاہئے کہ کہے اللہ تعالیٰ اس کو تجھ پر نہ لوٹائے، کیونکہ مسجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی ہے۔

اس حدیث میں صرف گم شدہ چیز کی تلاش سے روکا ہی نہیں گیا ہے بلکہ اس میں اس پر زجر و توبیخ بھی موجود ہے، اور ساتھ ہی اس کی علت بھی بیان کردی گئی ہے، اس زمانہ میں خصوصیت سے اس حدیث پر عمل کرنا چاہئے، اور اس حدیث کا مفہوم عام مسلمانوں کو ذہن نشین ہونا چاہئے، ہاں اس وقت کوئی حرج سمجھ میں نہیں آتا کہ جب چیز مسجد میں گم ہوجائے تو آدابِ مسجد کا لحاظ کرتے ہوئے تلاش کی جائے، باقی جو چیز مسجد سے باہر کہیں اور کھوگئی ہے اس کی جستجو ان مساجد کے ذریعہ کسی طرح مناسب نہیں ہے، ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کو مسجد میں گم شدہ چیز تلاش کرتے دیکھو تو کہو:

---

❶ فتح الباري: کتاب الصلاة، باب التقاضی والملازمة فی المسجد، ج ا ص ۵۵۲، رقم الحديث: ۴۵۷ ❷ صحيح مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن نشد الضالة في المسجد، ج ا ص ۲۹۷، رقم الحديث: ۵۶۸

لَا وَجَدْتَ، إِنَّمَا بُنِيَتِ الْمَسَاجِدُ لِمَا بُنِيَتْ لَهُ. ❶

وہ تجھ کو نہ ملے، مسجد جس کام کے لئے بنائی گئی ہے اسی کے لئے ہے۔

صنعت وحرفت

اس حدیث کے ضمن میں امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مسجد میں دستکاری صنعت وحرفت اور اسی طرح کا کوئی دوسرا کام درست نہیں، ان کاموں کا تعلق انسان کی ذات سے ہے، اس وقت البتہ اجازت ہے کہ یہ چیز عام مسلمانوں کے مفاد کی ہو جیسے آلاتِ جہاد کی مرمت وغیرہ۔ ❷

غزل خوانی

احترام مسجد ہی سے یہ بھی ہے کہ اس میں اشعار غزل کی طرح کے نہ پڑھے جائیں، بوقتِ ضرورت حمد ونعت کی اجازت ہے یا ایسے اشعار جن کا تعلق اسلام کی حقانیت وصداقت سے ہو جائز ہے، مگر یہ سب بھی اسی وقت جب اس سے مسجد کے بنیادی کام میں حرج نہ ہو، حدیث میں ہے:

نَهَى عَنْ تَنَاشُدِ الْأَشْعَارِ فِي الْمَسْجِدِ، وَعَنِ الْبَيْعِ وَالْاِشْتِرَاءِ فِيهِ. ❸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اشعار پڑھنے اور خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے۔

معلوم ہوا کہ مسجد میں بیع وشراء کی بھی اجازت نہیں ہے، وجہ کھلی ہوئی ہے کہ یہ ساری

---

❶ صحيح مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن نشد الضالة في المسجد، ج ١ ص ٢٩٧، رقم الحديث: ٥٦٩

❷ شرح النووي على مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن نشد الضالة في المسجد، ج٥ ص ٥٥، رقم الحديث: ٥٦٩ ❸ سنن الترمذي: أبواب الصلاة، باب ما جاء في كراهية البيع والشراء، ج٢ ص ١٣٩، رقم الحديث: ٣٢٢

چیزیں مسجد کے مقصود اصلی سے خارج ہیں بلکہ ان میں بعض اوقات مسجد کی توہین اور بے ادبی کا اندیشہ ہے۔

بچوں اور دیوانوں وغیرہ سے اجتناب

مسجد میں ناسمجھ اور بے عقل کے آنے کی بھی اجازت نہیں، چاہے وہ بچہ ہو جس کو کوئی شعور نہ ہو یا کوئی پاگل مخبوط الحواس ہو کہ دونوں ہی احترام مسجد کو نہیں سمجھتے ہیں، ممکن ہے کوئی ایسی بات کر بیٹھیں جو آدابِ مسجد کے خلاف ہو۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ان کے داخل ہونے میں تلویثِ مسجد کا گمان غالب ہو تو حرام ہے ورنہ مکروہ تنزیہی، پھر چونکہ ان کو عقل نہیں ہے اس لئے ان کو روکنے کا حکم دیا گیا ہے جو عقل والے ہیں، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

جَنِّبُوا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ وَمَجَانِينَكُمْ وَشِرَاءَكُمْ وَبَيْعَكُمْ وَخُصُومَاتِكُمْ وَرَفْعَ أَصْوَاتِكُمْ وَإِقَامَةَ حُدُودِكُمْ وَسَلَّ سُيُوفِكُمْ. ❶

اپنی مسجدوں کی حفاظت کرو اپنے بچوں سے، پاگلوں سے، خرید وفروخت سے، جھگڑوں سے، شور وغل سے، اقامتِ حدود سے اور تلوار کے کھینچنے سے۔

حدود کا اجراء

مذکورہ حدیث سے حدود کا اجراء بھی مسجد میں ناجائز ثابت ہوا، اس کی ممانعت بھی ظاہر ہے کہ تلویثِ مسجد کا خطرہ ہے اور شور وہنگامہ کا یقین اور یہ دونوں آدابِ مسجد کے خلاف ہیں۔ ابن ماجہ شریف میں مستقل باب ہے "**باب النهي عن إقامة الحدود في المسجد**" اور اس باب میں دو حدیثیں اس مفہوم کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی گئی ہیں، الفاظ یہ ہیں:

❶ سنن ابن ماجه: كتاب المساجد والجماعات، باب ما يكره في المساجد، ج ١ ص ٢٤٧، رقم الحديث: ٧٥٠

لَا تُقَامُ الْحُدُودُ فِي الْمَسَاجِدِ. ❶

مسجد میں حدود قائم نہ کئے جائیں۔

نَهَى عَنْ جَلْدِ الْحَدِّ فِي الْمَسَاجِدِ. ❷

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں حد کے کوڑے لگانے سے منع فرمایا ہے۔

خصومت اور جنگ

مسجد میں خصومت اور جھگڑا وغیرہ بھی ممنوع ہے، یہ دونوں چیزیں ویسے بھی ناجائز ہیں مگر مسجد میں ان کی قباحت بڑھ جاتی ہے۔

مسجد میں کھلا ہتھیار تک لے کر چلنے کی اجازت نہیں کیونکہ لوگوں کو گزند پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے، اسی طرح ہتھیار وغیرہ مسجد میں تیز کرنا بھی ادب کے خلاف ہے، مسجد کو راستہ بھی نہ بنانا چاہیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

خِصَالٌ لَا تَنْبَغِي فِي الْمَسْجِدِ: لَا يُتَّخَذُ طَرِيقًا، وَلَا يُشْهَرُ فِيهِ سِلَاحٌ، وَلَا يُنْبَضُ فِيهِ بِقَوْسٍ، وَلَا يُنْشَرُ فِيهِ نَبْلٌ، وَلَا يُمَرُّ فِيهِ بِلَحْمٍ نِيٍّ، وَلَا يُضْرَبُ فِيهِ حَدٌّ، وَلَا يُقْتَصُّ فِيهِ مِنْ أَحَدٍ، وَلَا يُتَّخَذُ سُوقًا. ❸

چند چیزیں مسجدوں میں کرنے کی نہیں ہیں، اس کو نہ راستہ بنایا جائے، نہ ان میں ہتھیار تیز کئے جائیں، نہ کمان پکڑی جائے، نہ تیر پھیلائے جائیں، نہ کچا گوشت لے کر گزرا جائے، نہ حد ماری جائے، نہ قصاص لیا جائے اور نہ اسے بازار بنایا جائے۔

---

❶ سنن ابن ماجه: كتاب المساجد والجماعات، باب ما يكره في المساجد، ج ۲ ص ۸۶۷، رقم الحديث: ۲۵۹۹ ❷ سنن ابن ماجه: كتاب المساجد والجماعات، باب ما يكره في المساجد، ج ۲ ص ۸۶۷، رقم الحديث: ۲۶۰۰

❸ سنن ابن ماجه: كتاب المساجد والجماعات، باب ما يكره في المساجد، ج ۱ ص ۲۴۷، رقم الحديث: ۷۴۸

نماز جنازہ

مسجد کا احترام اس کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ اس میں جنازہ کی نماز پڑھی جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ جو شخص مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھے گا اس کو کچھ نہ ملے گا، آپ خود بھی جنازہ کی نماز مسجد میں نہیں پڑھتے تھے:

وَأَنَّ سُنَّتَهُ وَهَدْيَهُ الصَّلَاةُ عَلَى الْجِنَازَةِ خَارِجَ الْمَسْجِدِ إِلَّا لِعُذْرٍ، وَكِلَا الْأَمْرَيْنِ جَائِزٌ، وَالْأَفْضَلُ الصَّلَاةُ عَلَيْهَا خَارِجَ الْمَسْجِدِ. ❶

آپ کی سنت اور آپ کا دستور مسجد سے باہر نماز جنازہ پڑھنے کا تھا مگر کسی عذر کے وقت، اور جائز دونوں ہی ہیں مگر افضل جنازہ کی نماز مسجد سے باہر ہی ہے۔

اسی وجہ سے اہل علم نے مسجد کے اندر جنازہ کی نماز کو مکروہ تنزیہی لکھا ہے۔ ❷

نمازی کے آگے سے گزرنا

اس کی بھی سخت ممانعت ہے کہ کوئی نمازی کے آگے سے گزرے، آپ نے فرمایا کہ اگر نمازی کے آگے سے گزرنے کا گناہ معلوم ہو جائے تو چالیس برس تک کھڑا رہنا پسند ہو مگر گزرنے کی جرأت کبھی نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازی کو مدافعت کی وسعت بھر اجازت دی ہے، اور حدیث میں نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو شیطان سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے اس کی شناعت کا معمولی سا اندازہ ہو سکتا ہے، علماء نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی نمازی نے اپنے آگے سے گزرنے والے کی غیر مہلک چیز سے مدافعت کی اور وہ ہلاک ہو گیا تو بالاتفاق اس پر قصاص نہیں آئے گا، یہ الگ بات ہے کہ نمازی کو بھی احتیاط

---

❶ زاد المعاد: فصول في هديه صلى الله عليه وسلم في العبادات، فصل في هديه صلى الله عليه وسلم بتجهيز الميت، ج ۱ ص ۴۸۳ ❷ شرح سفر السعادات: فصل در عادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم در احوال میت و ادائے حقوق ...... الخ ص ۲۵۷

کرنا ضروری ہے۔ ❶

عورتوں کا مسجد آنا

بلا شبہ ابتدائے اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجد آنے جانے کی اجازت دی تھی، اور یہ عہد نبوی میں باجماعت مسجد میں نماز بھی پڑھتی تھیں، عیدین کے موقع پر ان کو عیدگاہ کی طرف نکلنے کا حکم بھی ہوا تھا، اور وہ بھی اس عمومیت سے کہ پاک وناپاک کسی کو رکاوٹ نہ تھی، مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے اظہارِ شوکت شاید مقصود تھا تاکہ مسلمانوں کی تعداد کا مظاہرہ ہو مگر وہ علت اب باقی نہیں ہے، پھر آپ ساری حدیثوں کو سامنے رکھ کر غور کریں کہ عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت کس عنوان سے تھی جگہ جگہ محسوس ہوگا کہ آپ نے ترغیب اس کی بھی دی ہے کہ ان کا نہ نکلنا ہی بہتر ہے، پھر یہ بھی آپ حدیثوں میں پائیں گے کہ عورتوں کو اجازت عشاء اور فجر میں تھی جو تاریکی کے وقت ہیں، اجازت کے ساتھ یہ بھی اعلان تھا:

صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي حُجْرَتِهَا وَصَلَاتُهَا فِي مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي بَيْتِهَا. ❷

عورت کی نماز اندر گھر میں اس کی دالان کی نماز سے بہتر ہے، اور اس کے مخدع (گھر کے بند کمرے میں) نماز افضل ہے گھر کے اندر نماز سے۔

اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کی وہی نماز بہتر ہے جو زیادہ سے زیادہ پردہ میں ہو، یہ دوسری بات ہے کہ عورتیں افضل کو ترک کر دیں اور غیر افضل پر عمل کریں جو گو بہتر نہیں ہے، مگر چونکہ مسجد خانہ خدا ہے اور وہ اس دربارِ الٰہی میں عبادت کی نیت سے آرہی ہیں

❶ شرح النووي على مسلم: كتاب الصلاة، باب سترة المصلي والندب إلى الصلاة إلى سترة والنهي عن المرور، ج۴ ص ۲۲۲، ۲۲۳ ❷ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب التشديد في ذلك، ج ۱ ص ۱۵۶، رقم الحديث: ۵۷۰

اس لئے ان کو روکا کیونکر جائے، اسی وجہ سے فرمایا گیا:

لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمُ الْمَسَاجِدَ، وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَهُنَّ. ❶

اپنی عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو، البتہ ان کا اندرونِ گھر میں ہی نماز پڑھنا ان کے لئے بہتر ہے۔

اس سے بڑھ کر اور کیا کہا جاتا، مسئلہ تو بالکل کھل گیا کہ گو ان کو روکا نہیں جا سکتا مگر ان کے حق میں خیر یہی ہے کہ گھر میں نماز پڑھیں، عقلی طور پر بھی یہ بات سمجھی جا سکتی ہے سب کو معلوم ہے کہ مہینے میں چند دن عورتوں پر ایسے گزرتے ہیں جن میں ان کو نماز کی اجازت نہیں، لہٰذا ان دنوں میں یہ مسجد کی حاضری سے معذور ہیں اور یہ دن ان کے لئے راز کے دن ہوتے ہیں، کوئی شریف عورت اس راز کے افشاء کو پسند نہیں کرتی مزید یہ بھی تو ہے کہ ان کو گو مسجد کی اجازت دی ہے لیکن ساتھ ہی یہ شرط بھی لگا دی گئی ہے کہ بے زینت ہو کر نکلیں:

إِذَا شَهِدَتْ إِحْدَاكُنَّ الْمَسْجِدَ فَلَا تَمَسَّ طِيبًا. ❷

تم عورتوں میں جب کوئی مسجد میں حاضری دے تو خوشبو کو نہ چھوئے۔

فَلَا تَطَيَّبُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ. ❸

اس رات میں خوشبو نہ لگائے۔

وَلَكِنْ لِيَخْرُجْنَ وَهُنَّ تَفِلَاتٌ. ❹

❶ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب ما جاء في خروج النساء إلى المسجد، ج ا ص ١٥٥، رقم الحديث: ٥٦٧ ❷ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد إذا لم يترتب عليه فتنة، ج ا ص ٣٢٨، رقم الحديث: ٤٤٣

❸ صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد إذا لم يترتب عليه فتنة، ج ا ص ٣٢٨، رقم الحديث: ٤٤٣ ❹ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب ما جاء في خروج النساء إلى المساجد، ج ا ص ١٥٥، رقم الحديث: ٥٦٥

اور لیکن وہ عورتیں نکلیں تو بے زینت ہو کر نکلیں۔

ان قیود و شرائط کے ساتھ اجازت ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نکلنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے اور یہی چیز تھی کہ آپ کے فوراً بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس فتنہ کو محسوس فرمایا اور ان کو کہنا پڑا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر عورتوں کی اس جدت کو دیکھتے تو ان کو مسجد آنے سے روک دیتے:

لَوْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ. ❶

جو چیز عورتوں میں پیدا ہوگئی ہے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تو یقیناً بنی اسرائیل کی عورتوں کی طرح آپ ان کو مسجد سے روک دیتے۔

یہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے ہیں، ان کا یہ کہنا دلیل ہے کہ عہد نبوی کے فوراً بعد انقلابِ عظیم عورتوں میں پیدا ہونے لگا اور عہد صحابہ میں ان کی روک تھام ضروری سمجھی گئی، فقہاء اسی طرح کی حدیثوں کے پیش نظر کہتے ہیں کہ عورتوں اور خصوصاً جوان عورتوں کو مسجد نہ جانا چاہئے، باقی اجازت والی حدیث تو اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ یہ اجازت تو ہے ضرور مگر حکیمانہ انداز میں:

إِذَا اسْتَأْذَنَتْ أَحَدَكُمُ امْرَأَتُهُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعُهَا. ❷

تم میں سے کسی کی عورت مسجد جانے کی اجازت طلب کرے تو اس کو منع نہ کرو۔

حدیث میں جہاں بھی ان کو مسجد کی حاضری کے لئے عموماً اجازت دی ہے تو اس طرح کہ جب وہ تقاضا کریں تو ان کو روکا نہ جائے، چونکہ یہ حق ایک شرعی حق بنا جاتا ہے اس

❶ صحیح مسلم: کتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد...... إلخ، ج ۱ ص ۳۲۸، رقم الحدیث: ۴۴۵ ❷ صحیح مسلم: کتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد...... إلخ، ج ۱ ص ۳۲۸، رقم الحدیث: ۴۴۲

لئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبردستی ان کو روکنا نہیں چاہا مگر اپنے حکیمانہ انداز میں ان کو مشورہ یہی دیا ہے کہ نہ نکلیں تو اچھا ہے، بلکہ اس کی ترغیب بھی دی ہے، علماء نے بھی متعدد قیدیں لگادی ہیں اور جن کا لگانا ضروری بھی ہے، علامہ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عورتوں کو مسجد سے روکا نہ جائے گا بشرطیکہ وہ ان قیود وشرائط کی پوری پوری پابندی کریں جو احادیث ہی سے ماخوذ ہیں، مثلاً کپڑوں میں خوشبو نہ لگائیں، بن سنور کر نہ نکلیں ایسی پازیب جس سے آواز پیدا ہو نہ پہنیں، مردوں سے اختلاط نہ ہونے پائے، جوان یا ایسی نہ ہوں جس سے کسی طرح کے فتنہ کا اندیشہ ہو اور ہر طرح کے مفسدہ سے بے خوف ہوں۔ ❶

اس سلسلہ میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی رائے بھی قابل ذکر ہے، فرماتے ہیں:

جماعت کے لئے عورتوں کا مسجد آنا اس زمانہ میں مکروہ ہے، کیونکہ فساد وفتنہ کا خطرہ ہے، عہد نبوی میں نکلنے کی اجازت شریعت کی تعلیم کے حصوں کی غرض سے تھی جو غرض اب باقی نہیں ہے، اس لئے احکام شریعت آج کل عام طور پر شائع ہیں اور عورتوں کا پردہ بہر حال اولیٰ ہی ہے ❷

مسجد میں تنازعات کا فیصلہ

اس سلسلہ میں ان چیزوں کا بھی تذکرہ کرنا ہے جن کا مسجد میں کرنا جائز ہے۔ ان میں سے ایک تنازع بین المسلمین کا فیصلہ ہے، شریعت نے مسجد میں مسلمانوں کے باہمی نزاع کے فیصلہ کرنے کی اجازت دی ہے، اسی طرح اس کی بھی اجازت ہے کہ کوئی مسئلہ

❶ شرح النووي على مسلم: كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد...... إلخ، ج۴ ص ۱۶۱، رقم الحديث: ۴۴۵

❷ أشعة اللمعات: كتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها، ج ۱ ص ۴۶۲

پوچھے تو اس کا جواب دیا جائے، صرف شرط یہ ہے کہ اس سے نمازیوں کا نقصان نہ ہو اور احترام مسجد کا پورا پورا لحاظ رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں مسجد میں فیصلہ فرمایا ہے، استفتاء کا آپ نے جواب بھی دیا ہے حتی کہ دینی یا وہ دنیوی امور جن کا تعلق مفاد عامہ سے ہے ان کے لئے مسجد میں مجلس شوریٰ بلائی ہے اور اپنی مجلس میں برابر احکام بیان کئے ہیں، انہی امور کو سامنے رکھ کر فقہاء نے لکھا ہے:

القضاء عبادة فيجوز إقامتها فى المسجد كالصلاة. ❶

قضا عبادت ہے لہذا یہ مسجد میں جائز ہے جیسے نماز۔

مسلم شریف کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ مسجد ذکر اللہ، نماز اور تلاوت قرآن پاک کے لئے ہے، طبرانی نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن جمعہ کا خطبہ فرما رہے تھے کہ ایک شخص لوگوں کی گردن پھلاندتا آیا اور کہنے لگا حضرت! مجھ پر حد جاری فرمائیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان سے بیٹھنے کا حکم فرمایا وہ بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا تیری کیا حد ہے؟ اس نے کہا پرائی عورت سے روسیاہی کی ہے، آپ نے یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا لے چلو اور کوڑے لگاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس سلسلہ میں خلفائے راشدین کا بھی یہی عمل رہا۔ بخاری میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر رسول کے پاس لعان کرایا، اور بقول امام ابوبکر رازی رحمہ اللہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی مسجد میں مقدمات کے فیصلے کئے ہیں، ان بزرگوں کے علاوہ امام ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ نے اپنے زمانہ میں مسجد میں نزاع کا تصفیہ کیا ہے۔ امام سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف سے بھی ثابت ہے کہ انہوں نے مسجد میں مقدمہ کا فیصلہ کیا ہے۔ حضرت شریح رحمہ اللہ بھی مسجد میں فیصلہ کیا کرتے تھے۔ امام شعبی رحمہ اللہ کا عمل بھی یہی تھا، یہ تمام واقعات مشہور ہیں مگر کہیں انکار مذکور نہیں ہے، نہ کسی صحابی

❶ الهداية: كتاب أدب القاضي، شروط صحة ولاية القاضي، ج۳ ص ۱۰۳

سے اور نہ کسی تابعی سے۔ ❶

اس میں شک نہیں کہ مقدمات میں یمین غموس اور کذب بیانی کی بھی نوبت آتی ہے مگر اس کی وجہ سے کوئی شرعی قباحت پیدا نہیں ہوتی، عہد نبوی میں لعان مسجد میں ثابت ہے، اور اس میں فریقین میں سے ایک کا کاذب وحانث ہونا ضروری ہے، ہاں فریقین میں کوئی ایسا شخص ہو جس کے لئے مسجد میں داخل ہونا جائز نہ ہو مثلاً حائضہ عورت تو اس کا مقدمہ مسجد سے باہر سنا جائے گا۔ ❷

مجاہدینِ اسلام کی مشق

مسجد میں یہ جائز ہے کہ مجاہدین اسلام شمشیر زنی اور نیزہ کی مشق کریں کہ یہ چیزیں اسلام کی خدمت میں داخل ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مسجد میں حبشی مسلمان نیزہ کی مشق کر رہے تھے، میں نے یہ مشق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں کے سہارے دیکھی ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی اس کی تائید کی ہے اور اس لہو (کھیل) کو محمود کہا ہے۔ ❸

دعوت دینا اور قبول کرنا

اُمور مباحہ میں مسجد میں دعوت دینا اور اس کا قبول کرنا بھی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانے آئے، آپ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ جلوہ افروز تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں قریب آ کر کھڑا ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا کیا ابوطلحہ نے تم کو بھیجا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی پوچھا کھانے کے لئے؟ میں نے جواب دیا جی حضرت، اس

❶ فتح القدير: كتاب أدب القاضي، ج٧ ص ٢٦٩، ٢٧٠

❷ فتح القدير: كتاب أدب القاضي، ج٧ ص ٢٧٠ ❸ فيض الباري: كتاب مناقب الأنصار، باب أصحاب الحراب في المسجد، ج٢ ص ١٧

کے بعد آپ نے صحابہ سے کہا اور روانہ ہوئے، میں بھی ساتھ ہو گیا۔ یہ دلیل ہے کہ مسجد میں یہ کام جائز ہے۔ ❶

کھانا تناول کرنا

بوقتِ ضرورت مسجد میں کھانا بھی جائز ہے، مسافر و معتکف کو تو کھلی ہوئی اجازت ہے باقی دوسروں کے لئے بعض ائمہ مکروہ تنزیہی کے قائل ہیں، مگر سنن ابن ماجہ ''**باب الأكل في المسجد**'' میں یہ حدیث موجود ہے:

كُنَّا نَأْكُلُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ الْخُبْزَ وَاللَّحْمَ. ❷

ہم لوگ عہد نبوی میں مسجد میں گوشت اور روٹی کھاتے تھے۔

جو جواز کے حق میں ہیں اِن کے پاس ایک اور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، آپ کی خدمت میں گوشت روٹی حاضر کی گئی، آپ نے تناول فرمائی، راوی کہتے ہیں کھانے میں آپ کے ساتھ میں بھی تھا، کھانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور دوسرے لوگوں نے کنکریوں سے ہاتھ صاف کئے اور پھر نماز پڑھی۔ ❸

البتہ مسجد میں کھانے کے لئے یہ شرط ہے کہ مسجد آلودہ نہ ہونے پائے۔

مسجد میں لیٹنا اور سونا

اسی طرح معتکف اور مسافر مسجد میں سو بھی سکتا ہے، بقیہ لوگوں کے لئے ائمہ کی آراء مختلف ہیں، بعضوں نے مکروہ کہا ہے اور بعض لوگوں نے بوقتِ ضرورت بلا کراہت

❶ سنن الترمذي: أبواب المناقب، باب في آيات نبوة النبي صلى الله عليه وسلم، باب، ج۵ ص۵۹۵، رقم الحديث: ۳۶۳۰ ❷ سنن ابن ماجه: كتاب الأطعمة، باب الأكل في المسجد، ج۲ ص۱۰۹۷، رقم الحديث: ۳۳۰۰ ❸ سنن ابن ماجه: كتاب الأطعمة، باب الشواء، ج۲ ص۱۱۰۰، رقم الحديث: ۳۳۱۱

جائز کہا ہے، ہاں پرہیز وُسعت بھر اولی ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ غیر معتکف اور مسافر کو جب ایسی مجبوری پیش آئے تو اعتکاف کی نیت کرے اور تھوڑی دیر نوافل و ذکر اللہ میں بھی مشغول رہے۔ ❶

حدیث سے مسجد میں سونے کی تائید ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا جوانی میں مسجد میں سونا ثابت ہے۔ ❷

گو یہ درست ہے کہ یہ مہاجرین میں سے تھے اور مہاجرین کچھ دنوں تنگ حال رہے، ممکن ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایثار و خدمت اسلام کی وجہ سے کوئی کشادہ مکان نہ بنایا ہو، حدیث میں یہ صراحت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس وقت غیر شادہ شدہ تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک باب ''باب نوم المرأة في المسجد'' بھی قائم کیا ہے جس سے ان کا مقصد عورت کا مسجد میں سونا ثابت کرنا ہے اور اس باب کے تحت میں ایک قدرے لمبی حدیث نقل کی ہے جس میں ایک عورت کا قصہ ہے، اس کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

فَكَانَ لَهَا خِبَاءٌ فِي الْمَسْجِدِ أَوْ حِفْشٌ. ❸

اس عورت کے لئے مسجد میں ایک خیمہ یا خیمہ نما گھر تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی حدیث میں مذکور ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ کے یہاں تشریف لائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ غائب تھے، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ خفا ہو کر چلے گئے ہیں، آپ نے تلاش کروایا تو معلوم ہوا

❶ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس، ج۵ ص ۳۲۱/ رد المحتار: كتاب الصلاة، مطلب: في الغرس في المسجد، ج ۱ ص ۶۶۱ ❷ صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب نوم الرجال في المسجد، ج ۱ ص ۶۹، رقم الحديث: ۴۴۰ ❸ صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب نوم المرأة في المسجد، ج ۱ ص ۶۵، رقم الحديث: ۴۳۹

کہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں، آپ خود مسجد میں تشریف لائے، دیکھا چادر پہلو سے ہٹی ہوئی ہے، اور پہلو گردآلود ہو رہا ہے، یہ دیکھ کر آپ نے شفقت سے گرد جھاڑی اور فرمایا:

قُمْ أَبَا تُرَابٍ، قُمْ أَبَا تُرَابٍ. ❶

اے ابوتراب اٹھو، اٹھو۔

''تراب'' عربی میں مٹی کو کہتے ہیں، اور ''أب'' باپ کو۔

مفادِ عامہ سے متعلق اشیاء مسجد میں لانا

ایسی چیز جو کسی خاص کی ملکیت نہ ہو بلکہ اس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہو، مسجد میں رکھی جا سکتی ہے، اور وہاں بیٹھ کر مسلمانوں میں تقسیم بھی کی جا سکتی ہے، مال غنیمت، زکوۃ، فطرہ اور اسی طرح کی چیزوں کا مسجد میں جمع کرنا جائز ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ عبادات میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بحرین سے جب مالِ غنیمت آیا تو اس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُنْثُرُوْهُ فِي الْمَسْجِدِ. ❷

مسجد میں ڈال دو۔

پھر آپ نے نماز پڑھ کر اسے تقسیم کر ڈالا۔

ایک دن آپ عصائے مبارک لئے ہوئے باہر تشریف لائے، مسجد کے اندر ایک انگور کا خراب خوشہ لٹکتا ہوا نظر آیا جسے غریبوں کے لئے لٹکایا گیا تھا، آپ نے عصائے

❶ صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب نوم الرجال في المسجد، ج ۱ ص ۹۶، رقم الحديث: ۴۴۱/ صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضي الله عنه، ج ۴ ص ۱۸۷۴، رقم الحديث: ۲۴۰۹ ❷ صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب القسمة وتعليق القنو في المسجد، ج ۱ ص ۹۱، رقم الحديث: ۴۲۱

مبارک سے خوشہ کو مارتے ہوئے فرمایا صدقہ دینا ہو تو عمدہ انگور صدقہ دیا کرو۔ ❶

اسی حدیث کے ضمن میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مسجد میں پینے کا پانی گرمی کے موسم میں رکھا جا سکتا ہے۔ ❷

مسجد میں قید کرنا

عہد نبوی میں مسجد سے جیل خانہ کا بھی کام لیا گیا ہے، بعد میں جا کر اس کے لئے علیحدہ شعبہ قائم کیا گیا، اور بڑھتی ہوئی ضرورت اس کی متقاضی بھی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا یہ واقعہ حدیث میں مذکور ہے کہ ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ گرفتار ہو کر آئے تو ان کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا، آپ مسجد میں تشریف لائے تو فرمایا ثمامہ کو چھوڑ دو، چنانچہ وہ چھوڑ دیئے گئے، وہ مسجد سے نکل کر قریب ہی ایک باغ میں گئے وہاں غسل کیا اور مشرف باسلام ہوئے۔ ❸

اسلام میں جیل خانہ

مسجد سے یہ کام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد تک لیا گیا، فاروق اعظم کے دورِ خلافت میں جیل کے لئے چار ہزار دراہم میں ایک مکان خریدا گیا، اور بعض کہتے ہیں باضابطہ اس کی بنیاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں پڑی۔ ❹

مشرکین کا دخولِ مسجد

ثمامہ ابن اثال رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ مسجد میں کافر کا داخل ہونا

---

❶ سنن أبي داود: كتاب الزكاة، باب ما لا يجوز من الثمرة في الصدقة، ج٢ ص ١١١، رقم الحديث: ١٦٠٨ ❷ فتح الباري: كتاب الصلاة، باب القسمة، ج ١ ص ٥١٧ ❸ صحيح البخاري: كتاب المغازي، باب وفد بني حنيفة وحديث ثمامة بن أثال، ج٥ ص ١٧٠، رقم الحديث: ٤٣٧٢/ فتح الباري: كتاب المغازي: باب وفد بني حنيفة، ج٨ ص ٨٨ ❹ فتح القدير: كتاب أدب القاضي، فصل في الحبس، ج٧ ص ٢٧٧

جائز ہے، اگر مشرک کافر کا داخلہ مسجد میں ناجائز ہوتا تو یہ واقعہ کیونکر ہوتا، بلکہ یہ بھی ایک تاریخی بات ہے کہ آپ کے عہد مبارک میں یہود ونصاریٰ عام طور سے مسجد ہی میں آتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آپ نے وفد ثقیف کو مسجد ہی میں اتارا، اوران کے لئے خیمہ نصب کیا تا کہ وہ قرآن پاک سن سکیں، اور مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ سکیں، اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

وَمِنْهَا: جَوَازُ إِنْزَالِ الْمُشْرِكِ فِي الْمَسْجِدِ. ❶

اس واقعہ سے مسجد میں کافر ومشرک کا اتارنا جائز ثابت ہوا۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس سے بھی واضح لکھا ہے، فرماتے ہیں:

امام اعظم رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ہر ایک مسجد میں کافر ومشرک کا دخول جائز ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ سعادت میں مہمانوں کو گو وہ کافر ہوتے مسجد ہی میں اتارتے جیسا کہ وفد ثقیف اور دوسرے وفود کو آپ نے مسجد میں ٹھہرایا، تواتر سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کی ملاقات کو یہود ونصاریٰ اور مشرکین مسجد میں آتے اور پروانہ حاصل کئے بغیر بیٹھتے، اور ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو حالتِ کفر میں مسجد کے ستون سے بندھوایا گیا تھا جس کا کوئی نسخ وارد نہیں ہے۔ ❷

مسجد کے دروازے بند کرنا

مسجد کے سامان اور اسباب کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو مسجد کا دروازہ بند کرنا جائز ہے، فقہاء اور محدثین دونوں اس کے قائل ہیں مگر نماز کے وقتوں میں دروازہ کھلا رکھا جائے گا تا کہ جماعت کے لئے لوگ بہ آسانی آسکیں، جماعت کے علاوہ وقتوں میں بھی

❶ زاد المعاد: فصل في قدوم وفود العرب وغيرهم، فصل ما في قصة قدوم وفد ثقيف من الأحكام، ج۳ ص ۵۲۵ ❷ تفسیر عزیزی: سورہ بقرہ آیت نمبر۱۱۴ کے تحت، ج ۱ ص ۵۲۳، ۵۲۴

دروازہ اس طرح بند کیا جائے کہ خادم ہمیشہ وہاں موجود رہے تا کہ کوئی بعد میں نماز کے لئے آئے تو وہ کھول دے اوراس طرح نمازی کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہو، جہاں اور شعبہ پر صرف کیا جاتا ہے، دروازہ کے کھولنے پر ایک خادم رکھنا چاہئے۔

چوری کے خوف سے دروازہ بند کرنا برا نہیں ہے، اور نہ یہ آیت ''وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ ...... إلخ '' کے تحت میں داخل ہے، کیونکہ وہاں نماز سے روکنا ہے اور یہ نماز سے روکنے کے لئے نہیں ہے۔

شانِ نزول میں اہل روم جو بیت المقدس کے مُخرّب ہیں ان کا نام لیا گیا ہے یا مشرکینِ مکہ کا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صلح حدیبیہ کے سال بیت اللہ کی زیارت سے روکا تھا، اگر چہ بابِ احکام میں عام ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اگر مسجد کو بالکلیہ نماز وذکر اللہ سے نہ روکے تو وہ اس آیت کے تحت میں داخل نہ ہوگا، آیت کی ترکیب بھی اسی کو چاہتی ہے کیونکہ منع فعل متعدی ہے جس کے دو مفعول ہیں، ''مساجد اللّٰہ'' اور ''أن یذکر'' جس کے معنی یہ ہوں گے کہ ذکر اللہ مسجد میں روک دیا جائے اور یہ اس وقت ہوگا جب دروازہ بند کر دیا جائے اور لوگوں کو ذکر اللہ کے لئے دخول کی اجازت نہ دی جائے، اور یہ مسلّم حقیقت ہے کہ کوئی مسلمان مسجد کا دروازہ اس نیت سے بند نہیں کرتا، اپنا ذاتی خیال ہے کہ اگر ایک مسلک کے لوگ دوسرے مسلک والے کو فتنہ وفساد کی وجہ سے مسجد میں نہ آنے دیں اور خود ایک مسلک کے لوگ جماعت سے نماز پڑھیں تو یہ فعل بھی اس آیت کے تحت میں نہ آئے گا، اس لئے کہ ابھی آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ مسجد کو جھگڑے اور فتنہ وفساد سے بچانا چاہئے۔

مسجد میں دینی تعلیم دینا

جہاں مسجد سے بہت سے کام لینا جائز ہیں وہاں مسجد میں دینی تعلیم بھی جائز ہے بلکہ یہ وہ سلسلہ ہے جو عہد رسالت سے مسجدوں میں قائم ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

بنفس نفیس مسجد میں علمی مجلس قائم کی ہے، صفہ جہاں عہد نبوی میں دین کی تعلیم ہوتی تھی، یہ مسجد نبوی میں تھا۔

مدارسِ اسلامیہ کا سلسلہ اول اول مسجدوں سے شروع ہوا، اور یہ چوتھی صدی ہجری تک باقی رہا، کتبِ احادیث وتراجم میں متعدد مدرسوں کے نشان ملتے ہیں جو مسجدوں میں قائم تھے جہاں مدرسین بلا معاوضہ درس وتدریس کا سلسلہ جاری کئے ہوئے تھے، مولانا حکیم عبدالحی صاحب ''یادایام'' میں لکھتے ہیں:

ہمارے پیرومرشد روحی فداہ نے خاک پاک مدینہ میں جو پہلی عمارت بنائی تھی اور جس کو مسجد نبوی کہتے ہیں وہ ہمارا پہلا مدرسہ تھا، اس کے بعد جتنی مسجدیں دنیا میں تیار ہوئیں انہی کو آپ مدارس سے تعبیر کرسکتے ہیں، تعلیم کا پرانا طریقہ یہ تھا کہ استاد مسجد میں آکر بیٹھ جاتا اور اس کے گرد وپیش شاگردوں کا حلقہ بن جاتا، اساتذہ خالصًا لوجہ اللہ تعلیم دیتے اور ان کے شاگرد چٹائیوں پر سو کر تحصیل علم کرتے تھے، بڑے بڑے شہزادوں کو بھی اگر علم کا ذوق ہوتا تھا تو وہ بھی مسجدوں میں جاکر اور اساتذہ کے سامنے زانوے ادب تہ کرکے بیٹھتے تھے، یہی طریقہ چوتھی صدی ہجری تک علی العموم جاری رہا، اس کے بعد سب سے پہلے نیشاپور میں مدرسہ کے لئے شاندار عمارت بنائی گئی اور اساتذہ کی تنخواہیں اور طلبہ کے وظائف مقرر ہوئے۔ ❶

اس کے بعد مولانا مرحوم نے ہندوستان کی چند مسجدوں کا تذکرہ کیا ہے جن سے مدرسہ کا کام لیا جاتا تھا، ان میں جونپور میں اٹالہ کی مسجد، لاہور میں وزیر خان کی مسجد، نئ دلی میں ماہم بیگم کی مسجد، پرانی دہلی میں مسجد فتح پوری اور سورت میں مرجان شامی کی مسجد کا خصوصیت سے نام لیا ہے۔ ❷

مئو ضلع اعظم گڑھ میں کٹرہ کی مسجد سے بھی برابر مدرسہ کا کام لیا جاتا رہا اور اب تک

❶ یادایام: ص۳۴ ❷ یادایام: ص۳۵، ۳۶، ۳۷

وہاں یہ سلسلہ قائم ہے، جو مدرسہ اب مفتاح العلوم کے نام سے مشہور ہے اور الحمد للہ کہ اس خاکسار کو بھی اسی سے شرفِ تلمذ کی نسبت حاصل ہے، سیدی علامہ ندوی رحمہ اللہ نے ’’حیات شبلی‘‘ میں اس مسجد اور مدرسہ کا تذکرہ کیا۔

دربارِ الٰہی کی صفائی

انسان طبعًا نفاست پسند واقع ہوا ہے، ہر شخص اپنی وسعت بھر چاہتا ہے کہ وہ خود بھی پاکیزہ رہے، اس کا گھر بھی صاف ستھرا رہے اور اس کی ہر چیز سے نفاست ٹپکے، پھر جو جس مرتبہ کا ہے اس کی صفائی بھی اسی انداز کی ہوتی ہے۔

ان چیزوں کو سامنے رکھ کر یہ مسئلہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ مسجد جو دربار الٰہی اور خانہ خدا ہے اس کی صفائی کس قدر ضروری ہے، کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جو عند اللہ محترم ہے اور جہاں مسلمان اپنے مولی کی عبادت کے لئے اچھی سے اچھی ہیئت میں جمع ہوتے ہیں اور حاضری کے وقت ان اعضاء کو عموماً دھو کر آتے جن پر گرد وغبار کے اڑ کر پڑنے کا اندیشہ ہے۔

صفائی کا ثبوت قرآنِ کریم سے

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ یہ صفائی بھی ہر چیز کی طرح اعتدال پر ہو اور افراط وتفریط سے پاک ہو، نہ اس قدر اسے بڑھایا جائے کہ حد تزخرف کو پہنچ جائے اور نہ ایسی بے توجہی برتی جائے کہ گرد وغبار جم جائے، اس اعتدال پر رہ کر اس کی پاکیزگی اور نفاست کا خیال از حد ضروری ہے:

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ. (البقرۃ: ۱۲۵)

ترجمہ: ہم نے ابراہیم واسماعیل سے عہد لیا کہ وہ دونوں میرے گھر کو طواف کرنے

والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لئے پاک وصاف رکھیں۔

یہ آیت شانِ نزول میں گو خاص ہے مگر بابِ احکام میں عام ہے اور مفسرین نے اسی وجہ سے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ مسجدوں کو ہر طرح پاک وصاف رکھنا ضروری ہے، ظاہری، باطنی، اعتقادی، معنوی ہر اعتبار سے پاکی کامل ہو، نہ انجاس واصنام ہوں اور نہ عصیان وطغیان، پھر غور کیجئے خانہ خدا کی طہارت اور صفائی کا حکم کن جلیل القدر نبیوں کو ہو رہا ہے جو بیت اللہ اور مسجدوں کی عظمت شان کا بہت بڑا مظاہرہ ہے۔ حضرت مریم کی والدہ ماجدہ نے نذر مانی تھی کہ اگر میرے لڑکا ہوا تو اسے مسجد (بیت المقدس) کی خدمت کے لئے آزاد کر دوں گی، اور یہ ایسی بات ہے جس کا قرآن نے تذکرہ کیا ہے:

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَافِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ. (آل عمران: ۳۵)

ترجمہ: جب کہ عمران کی بیوی نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میں نے نذر مانی ہے آپ کے لئے اس بچہ کی جو میرے شکم میں ہے کہ وہ آزاد کیا جائے گا، سو آپ مجھ سے قبول کر لیجئے، بے شک آپ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلی آیت سے مسجد کی بناء اور صفائی کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اور واقعی یہ بات مسجد کی صفائی اور خدمت کے لئے بڑی اہم ہے، قرآن کی ان دو آیتوں میں مسجد کی صفائی کا بیان باوجود اختصار کے بہت کافی ہے۔ ❶

صفائی کا ثبوت احادیث سے

مسجد کی صفائی کے فضائل حدیثوں میں بے شمار ہیں، یہاں اس سلسلہ کی صرف چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں جو اس مسئلہ کے ثبوت کے لئے کافی ووافی ہیں، ایک دفعہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

❶ صحیح البخاری: کتاب الحج، باب فضل مکۃ وبنیانہا، ج ۲ ص ۱۴۵، ۱۴۶

عُرِضَتْ عَلَيَّ أُجُورُ أُمَّتِي حَتَّى الْقَذَاةُ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ. ❶

عربی دان جانتے ہیں کہ ''قذاۃ'' کے لفظ میں کس قدر فصاحت وبلاغت ہے، ''قذاۃ'' اس تنکے کو کہتے ہیں جو آنکھ میں پڑ جائے، تنکے کے پڑنے سے جو تکلیف ہوتی ہے وہ سب جانتے ہیں اور اسے نکالنے کی جس قدر جلد سعی پیہم کی جاتی ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں، گویا اس لفظ کو لاکر اس طرف اشارہ کیا گیا کہ کوڑا کرکٹ مسجد کے لئے ایسی ہی اذیت کا باعث ہے جیسے تنکا آنکھوں کے لئے، اس لئے اِسے جلد سے صاف کیا جائے، دوسرے یہ کہ معمولی گندگی بھی مسجد میں نہ ہونی چاہئے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مسجد

حضرت انس رضی اللہ عنہ خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ کی نظر بلغم پر پڑ گئی جو مسجد میں سمتِ قبلہ کی طرف کسی نے ڈال دیا تھا، یہ دیکھ کر آپ کو بڑی اذیت ہوئی اور اس اذیت وناگواری کا اثر چہرہ مبارک پر آگیا، پھر خود اٹھے اور اپنے دستِ مبارک سے اسے صاف فرمایا، اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرکے فرمایا لوگو! تم میں کوئی جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو گویا وہ اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے اور اس کے اور قبلہ کے درمیان رب العزت اپنی رحمت ورضا کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے، اس لئے کوئی اپنے سامنے نہ تھوکے، نماز میں تھوکنے کی ایسی ہی مجبوری لاحق ہو تو بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے ڈال سکتا ہے، پھر آپ نے مَل کر کے اسے بتایا اپنی چادر مبارک کے ایک کنارے کو لیا اس پر تھوکا اور مل دیا، پھر فرمایا ایسا ہی کرے۔ ❷

---

❶ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب في كنس المسجد، ج ١ ص ١٢٦، رقم الحديث: ٤٦١/ سنن الترمذي: أبواب فضائل القرآن، باب ما جاء فيمن قرأ حرفا من القرآن، باب، ج٥ ص ١٧٨، رقم الحديث: ٢٩١٦ ❷ صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب حك البزاق باليد من المسجد، ج ١ ص ٩٠، رقم الحديث: ٤٠٥

مسجد میں تھوکنا گناہ ہے

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

اَلْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا. ❶

تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کا دفن کرنا ہے۔

یعنی مسجد میں تھوکنا گناہ ہے، کسی سے نادانستہ ایسی غلطی ہو ہی جائے تو اس کو چاہئے کہ اس کو دفن کر دے، امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مسجد میں کہیں بھی تھوکا نہیں جا سکتا بلکہ تھوکنا گناہ ہے اور قبلہ کی دیوار کا احترام نسبتاً بڑھا ہوا ہے، اس لئے ادھر تھوکنا اور بھی برا ہے، یہ قبلہ مسجد میں ہو یا کسی اور جگہ دونوں قابلِ احترام ہیں، جس جگہ آدمی نماز پڑھتا ہے وہاں نماز میں قبلہ کی طرف تھوکنے کی ممانعت ہے۔ (إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ) نماز پڑھتے ہوئے منہ میں تھوک آ ہی جائے تو کپڑے کے کنارہ پر تھوک کر مل دے کہ اس صورت میں تلویث مسجد نہیں ہے، مسجد سے باہر اگر کوئی نماز پڑھتا ہو اور پاؤں کے نیچے یا بائیں جانب مجبوری کی حالت میں تھوک دے تو مضائقہ نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ مسجد میں تھوکنے کی جرأت نہ کی جائے، نگلنا پڑے تو یہ کرے مگر تھوکنا مناسب نہیں۔ ❷

مسجد سے گندگی دور کرنا

مسجد میں تھوک دیکھا جائے تو اس پر مٹی ڈال دی جائے، اگر فرش کچا ہے تو کھرچ کر پھینک دیا جائے، اور فرش پختہ ہے تو اس کو صاف کرے، دھوکر یا کپڑے سے اٹھا کر کیونکہ فرش پر ملنے سے اور گندگی پھیل جائے گی، صاف کرنے میں اس کا خیال رہے کہ کوئی

---

❶ صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب كفارة البزاق في المسجد، ج ١ ص ٩١، رقم الحديث: ٤١٥/ صحيح مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن البصاق في المسجد في الصلاة، ج ١ ص ٣٩٠، رقم الحديث: ٥٥٢

❷ فتح الباري: كتاب الصلاة، باب كفارة البزاق في المسجد، ج ١ ص ٥١٢

اثر گندگی کا باقی نہ رہنے پائے اور ہو سکے تو خوشبو لے کر مل دے۔ ❶

امام قفال رحمہ اللہ نے اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ دفن کرنے کا جس کو حکم ہے وہ منہ اور سر سے اترنے والا تھوک ہے، باقی جو بلغم سینہ سے آتا ہے وہ نجس ہے اسے کسی حال میں مسجد میں دفن نہ کیا جائے گا۔ ❷

دفن کے معنی عام لئے جائیں یعنی اس کو صاف کر دینا اس طرح کہ ظاہری طور پر اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے تاکہ اشکال سرے سے ختم ہو جائے، کیونکہ گھن جس سے آتی ہو اُسے مسجد میں دفن کرنا کسی طرح اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ابوعبید بن جراح کے متعلق آیا ہے کہ انہوں نے ایک رات مسجد میں تھوک دیا اور صاف کرنا بھول گئے، گھر واپس پہنچ چکے تو ان کو یاد آیا فوراً روشنی لے کر مسجد تشریف لائے اور اسے تلاش کر کے صاف کیا۔ ❸

صاحب فتح الباری نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَوَجدتُّ فِیْ مَسَاوِیْ أَعْمَالِ أُمَّتِی النُّخَاعَةَ تكُونُ فِی الْمَسْجِدِ لَا تُدْفَنُ. ❹

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد کے گندہ کرنے کا گناہ نامہ اعمال میں ثبت ہو جاتا ہے اور قیامت کے دن حساب کتاب میں وہ چیز بھی سامنے لائی جاتی ہے، پس ہر مسلمان کو چاہئے کہ مسجد میں کوئی ایسا تنکا بھی نہ ڈالے جس سے گندگی معلوم ہو اور اگر کوئی ایسی چیز دیکھ لے تو فوراً صاف کر دے، امام کی تو خصوصیت سے یہ ذمہ داری ہے کہ مسجد کی صفائی کی دیکھ بھال کرے اور اس کی نگرانی کرے کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

❶ فتح الباري: كتاب الصلاة، باب كفارة البزاق في المسجد، ج ١ ص ٥١٣

❷ فتح الباري: كتاب الصلاة، باب كفارة البزاق في المسجد، ج ١ ص ٥١٣

❸ فتح الباري: كتاب الصلاة، باب كفارة البزاق في المسجد، ج ١ ص ٥١٢

❹ فتح الباري: كتاب الصلاة، باب كفارة البزاق في المسجد، ج ١ ص ٥١٢

اس کام کو انجام دیا ہے۔ ❶

مسجد کو گندہ کرنے کی سزا

حضرت سائب بن خلّاد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے قوم کی امامت کی، اتفاق کی بات اس نے جانبِ قبلہ تھوک دیا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچشم خود دیکھ لیا، آپ کو یہ دیکھ کر بڑی تکلیف ہوئی، آپ نے سختی سے فرمایا کہ اس کو اب امامت نہ کرنے دینا، چنانچہ لوگوں نے اس کو دوبارہ امامت نہ کرنے دی، اس کو جب آپ کا واقعہ معلوم ہوا تو وہ دربار نبوی میں حاضر ہوا اور جو کچھ سنا تھا بیان کیا، آپ نے اس کی باتیں سن لیں اور اس کے بعد فرمایا ہاں یہ درست ہے میں نے ہی روکا ہے اس لئے کہ تم نے مسجد میں تھوک کر اللہ تعالی اور اس کے رسول کو اذیت دی۔ ❷

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسجد کی بے ادبی کوئی معمولی جرم نہیں ہے، یہ وہ جرم عظیم ہے جو اللہ تعالی اور اس کے رسول پاک کے لئے باعثِ اذیت ہوتا ہے اور اس جرم میں کسی عہدہ دار کو اس کے عہدہ سے معزول کر دیا جائے تو بجا ہے، بلکہ وہ اسی کے لائق ہے کہ اس کو جرم کا بدلہ ملنا چاہئے۔

مسجد کی صفائی کرنے کا مقام نگاہِ نبوی میں

ایک طرف گندہ کرنے کی سخت سزا جو اوپر مذکور ہوئی اور دوسری طرف اس کی صفائی کا یہ ثواب کہ قیامت میں اس کو اس کا گرانقدر معاوضہ عطا ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سیاہ فام شخص مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا، اس کا انتقال ہوگیا جس کی اطلاع آپ کو نہ دی گئی، آپ نے جب اس کو دوسرے دن نہیں دیکھا تو

❶ فتح الباري: كتاب الصلاة، باب كفارة البزاق في المسجد، ج ۱ ص ۵۱۳

❷ سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب في كراهية البزاق في المسجد، ج ۱ ص ۱۳۰، رقم الحديث: ۴۸۱

لوگوں سے دریافت کیا، آپ کو بتایا گیا کہ اس کا انتقال ہوگیا، اس کی اچانک موت کی خبر سن کر آپ نے فرمایا تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی، پھر فرمایا اس کی قبر بتاؤ، چنانچہ آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کے لئے دُعائے مغفرت فرمائی، راوی کو اس کے متعلق شک ہے کہ وہ عورت تھی یا مرد تھا، مگر روایتوں کی تفتیش سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت تھی اور اس کی کنیت ام محجن تھی۔ ❶

لوگوں نے یہ سمجھا ہوگا کہ ایک معمولی آدمی کے لئے آپ کو کیوں تکلیف دی جائے مگر آپ کی نظر میں اس کی اس حیثیت سے بڑی وقعت تھی کہ اس کو خادم مسجد ہونے کا شرف حاصل تھا۔

مسجد کی خدمت ایمان کی علامت ہے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهُ بِالْإِيمَانِ. ❷

تم جب کسی کو مسجد کی خدمت کرتے دیکھو تو اس کے ایماندار ہونے کی گواہی دو۔

تعاہد کے بہت سے معنوں میں ایک معنی جھاڑو دینا بھی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عموماً دوشنبہ اور پنج شنبہ کو مسجد قباء جاتے تھے، ایک دن مسجد میں دیکھا جھاڑو نہیں دی گئی ہے، خود آپ نے کھجور کی شاخ لے کر مسجد کو صاف فرمایا، اور لوگوں کو تاکید فرمائی کہ مسجد کو مکڑیوں کے جالے وغیرہ سے پاک وصاف رکھو۔ ❸

مسجد کی صفائی کا معاوضہ

اخیر میں اس حدیث کو ملاحظہ فرمائیں اور اندازہ لگائیں کہ خادم مسجد کا اجر کتنا ہے:

❶فتح الباري: كتاب الصلاة، باب كنس المسجد والتقاط الخرق والقذى والعيدان، ج ۱ ص ۵۵۳ ❷سنن الترمذي: أبواب الإيمان، باب ما جاء في حرمة الصلاة، ج۵ ص ۱۲، رقم الحديث: ۲۶۱۷ ❸وفاء الوفاء: الفصل الثاني في مسجد قباء وفضله، ج۳ ص ۲۰

مَنْ أَخْرَجَ أَذًى مِنَ الْمَسْجِدِ بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ.

جوشخص مسجد سے گندگی نکالے گا اللہ تعالی اِس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔ ❶

اس حدیث کو پڑھ کر ہر مسلمان کے دل میں مسجد کی خدمت اور اس کی صفائی کا جذبہ پیدا ہونا چاہئے کہ اس معمولی خدمت کا اجرا تنا بڑا ہے۔

اس تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ مسجد کو جو دربارِ الٰہی ہے ہر طرح کی گندگی، خس وخاشاک تھوک، بلغم، گھناؤنی چیز اور شریعت میں جو بھی نجس اور تکلیف دہ ہے اس سے پاک وصاف رکھنا ضروری ہے، اور جو اس خدمت کو انجام دے گا اللہ تعالی کے یہاں سے اس کو بڑا اجر ملے گا، پھر یہ بھی واضح ہوجائے کہ یہ خدمت باعثِ ذلت نہیں باعث عزت ورضائے الٰہی ہے، اور یہ وہ عظیم الشان خدمت ہے جسے خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے انجام دیا ہے اور آپ کے جلیل القدر صحابہ کرام نے۔

❶سنن ابن ماجه: كتاب المساجد والجماعات، باب تطهير المساجد وتطييبها، ج ا ص ۲۴۹، رقم الحديث: ۷۵۷

یہ روایت سنداً ضعیف ہے اور اس میں انقطاع بھی ہے۔ اس میں راوی محمد بن صالح مدنی ازرق ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ اس کے متعلق فرماتے ہیں: يروي المناكير عن المشاهير...... لا يجوز الاحتجاج بخبره إذا انفرد. امام ابن حبان اور امام ذہبی رحمہما اللہ نے ان کے ترجمے میں اس روایت کو بھی روایت نقل کیا ہے۔[المجروحين لابن حبان: ج ۲ ص ۲۶۰، رقم: ۹۳۹/ ميزان الاعتدال: ترجمة: محمد بن صالح المدني، ج۳ ص ۵۸۱]

نیز اس میں مسلم بن ابی مریم کا سماع حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے، امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسلم بن ابی مریم جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں یہ متصل نہیں ہے، ان کے درمیان راوی علی بن عبدالرحمٰن معاوی ہے۔[جامع التحصيل: ص ۲۷۹، رقم: ۷۶۲]

مسجد آتے وقت بدن اور کپڑوں کی صفائی

طہارت ونظافت اور مسجد کی صفائی کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا اس سے یہ مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ بدبودار بدن یا کپڑوں کے ساتھ مسجد میں داخل ہونا جس کی بدبو اذیت دیتی ہو جائز نہیں ہے، وسعت بھر اس فعل سے اجتناب ضروری ہے، اور جب کوئی مسجد آئے تو اس کا بدن اور لباس صاف ہونا چاہئے۔

جمعہ کے دن غسل کی تاکید آئی ہے، اس کی ایک بڑی وجہ بدبو سے بچنا بھی ہے، کیونکہ اجتماع میں ایسا ہوتا ہے کہ پسینہ آجاتا ہے، اس کی بدبو پھیلنے لگتی ہے جو فرشتوں اور نمازیوں کے لئے اذیت کا باعث بن جاتی ہے، اور یہ چیز دربارِ الٰہی کے آداب کے خلاف ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عراقی حضرات کے سوال کرنے پر بیان کیا تھا:

جمعہ کے دن غسل کا حکم اس وجہ سے ہوا کہ لوگ مزدوری کرتے تھے، ان کا کپڑا استعمال ہوتا تھا اور ان کو اپنی پشتوں پر بھی باربرداری کرنی پڑتی تھی، اور مسجد کا حال یہ تھا کہ ان کی مسجدیں تنگ تھیں جن کی چھتیں نیچی ہوتی تھیں، جنہیں جھونپڑی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، موسم گرما میں ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، لوگ اپنے انہی کپڑوں میں شرابور ہو رہے تھے اور ان سے تکلیف دہ بو پھوٹ رہی تھی، آپ نے جب یہ چیز دیکھی تو فرمایا لوگو! جب یہ دن آئے تو غسل کر کے آیا کرو اور جو میسر ہو اس کے مطابق اچھا تیل یا خوشبو مَل کر آؤ۔ ❶

مسجد آتے وقت منہ کی صفائی

بدن کپڑوں کے ساتھ منہ بھی صاف ہونا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ بولنے اور منہ کھولنے کے ساتھ مسجد کے کچھ حصوں میں بدبو پھیل جائے اور نمازیوں کے لئے اذیت کا باعث بن

❶ سنن أبي داود: كتاب الطهارة، باب في الرخصة في ترك الغسل يوم الجمعة، ج ۱ ص ۹۷، رقم الحديث: ۳۵۳

جائے، مسجد آنے سے پہلے اچھی طرح منہ صاف کر لیا جائے کہ کوئی ایسی چیز نہ کھائی پی جائے جس سے بدبو پیدا ہوتی ہے۔

حدیث میں مسواک کی تاکید اور اس کی فضیلت جو بیان کی گئی ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالی کے سامنے اس کے دربار میں حاضری پاکیزگی اور نفاست کے ساتھ ہو تاکہ مناجات اور سرگوشی میں پورا پورا ادب ملحوظ رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں منہ کی صفائی کا بڑا اہتمام فرمایا، خود تو یہ حال تھا کہ کوئی وضو بغیر مسواک کے نہیں ہوتا تھا، یوں بھی آپ بکثرت مسواک کرتے، آپ نے اپنی امت کو بھی اس کی بڑی ترغیب فرمائی ہے، ایک دفعہ فرمایا کہ اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو میں یہ حکم دیتا کہ ہر نماز کے وقت مسواک کریں۔ ❶

ایک دوسری حدیث میں ہے مسواک سے منہ کی صفائی ہے اور اللہ تعالی کی خوشنودی ہے۔ ❷

اسی صفائی کا نتیجہ ہے کہ آپ نے ایسی چیز کھا کر مسجد جانے سے روکا ہے جس کی بو جلد ختم نہیں ہوتی، جیسے کچا پیاز، لہسن اور اسی طرح کی دوسری چیزیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا أَوْ لِيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا. ❸

جو بھی لہسن، پیاز کھائے اس کو چاہئے کہ ہماری مسجد سے علیحدہ رہے۔

دوسری روایت اس سے واضح ہے جس میں علت بھی بیان کی گئی ہے:

مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ فَلَا يَقْرَبْنَا فِي مَسَاجِدِنَا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ

---

❶ صحيح البخاري: كتاب الجمعة، باب السواك يوم الجمعة، ج ٢ ص ٤، رقم الحديث: ٨٨٧/ صحيح مسلم: كتاب الطهارة، باب السواك، ج ١ ص ٢٢٠، رقم الحديث: ٢٥٢ ❷ سنن النسائي: كتاب الطهارة، باب الترغيب في السواك، ج ١ ص ١٠، رقم الحديث: ٥ ❸ صحيح البخاري: كتاب الأطعمة، باب ما يكره في الثوم والبقول، ج ٧ ص ٨١، رقم الحديث: ٥٤٥٢

تَتَأَذَّى مِمَّا يَتَأَذَّى مِنهُ الْإِنسُ. ❶

جو اس درخت (پیاز) سے کھائے ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، اس لئے کہ فرشتوں کو اس چیز سے اذیت ہوتی ہے جس سے انسان کو اذیت ہوتی ہے۔

اسی علتِ اذیت کی وجہ سے مسجد میں مٹی کا تیل جلانا نہ چاہئے کہ اس کی بو بھی اذیت دیتی ہے، اسی طرح مسجد میں بیڑی، سگریٹ اور حقہ پی کر بغیر منہ صاف کئے داخل نہ ہونا چاہئے، اس سے یہ بات خود سمجھ میں آتی ہے کہ جب گندہ دہن داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے تو مسجد میں بیڑی سگریٹ پینا کتنا بڑا جرم ہوگا۔ ''وسیلہ احمدیہ شرح طریقہ محمدیہ'' میں ہے:

قال الفقهاء: كل من وجد فيه رائحة كريهة يتأذى به الإنسان يلزم إخراجه ولو يجر من يده أو رجليه دون لحية وشعر رأسه. ❷

فقہا نے کہا ہے کہ جس شخص میں ایسی ناگوار بو پائی جائے جس سے انسان کو اذیت ہو تو اس کا نکال دینا لازم ہے، گو ہاتھ پیر پکڑ کر گھسیٹنا پڑے، ہاں داڑھی اور سر کے بال نہ پکڑے جائیں۔

مکڑیوں کے جالے

اسی علت اذیت میں مکڑی کے جالے بھی آجاتے ہیں کہ آدمی طبعًا اس سے بھی تکلیف محسوس کرتا ہے، ہمارے زمانہ میں اس طرف توجہ دینے کی بڑی گنجائش ہے، اس سلسلہ میں فاروق اعظم کا قول گزر چکا ہے کہ آپ نے مسجد قباء کے متعلق فرمایا تھا کہ مکڑیوں کے جالے سے پاک وصاف رکھو۔ ❸

اخراج ریح

اسی علت میں اخراجِ ریح بھی ہے کہ اس سے بھی بدبو پھیلتی ہے اور جب بدبو پھیلے

---

❶ سنن النسائي: كتاب المساجد، من يمنع من المسجد، ج۲ ص۴۳، رقم الحديث: ۷۰۷

❷ مجموعة الفتاوى للكهنوى: ج ۱ ص ۱۷٦

❸ وفاء الوفاء: الفصل الثانى فى مسجد قباء وفضله، ج۳ ص ۲۰

گی تو اذیت ضرور پائی جائے گی، علماء نے اسی وجہ سے لکھا ہے کہ اخراجِ ریح مسجد میں مکروہ تحریمی ہے، معتکف کو البتہ بعض علماء نے معذور قرار دیا ہے، یوں اجتناب ہر حال میں اولی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ فرشتے نمازیوں کے لئے اس وقت تک دعا کرتے ہیں جب تک انہیں حدث نہ ہو۔ ❶

خوشبو کی دھونی

صرف یہی نہیں ہے کہ مسجد کو بد بو اور گندی چیزوں سے بچانا ضروری ہے بلکہ تطہیر وتنظیف کے ساتھ تطییب بھی مطلوب ہے، ایک لمبی حدیث میں یہ ٹکڑا بھی آیا ہے:

وَاتَّخِذُوا عَلَى أَبْوَابِهَا الْمَطَاهِرَ وَجَمِّرُوهَا فِي الْجُمَعِ. ❷

ان (مسجدوں) کے دروازوں پر طہارت خانہ بناؤ اور جمعوں میں ان کے اندر خوشبو کی دھونی دو۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ مسجدوں میں طہارت خانہ اور خوشبو کی دھونی کا انتظام کرو، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہر جمعہ کے دن دوپہر میں مسجد کے اندر خوشبو کی دھونی دیا کرتے تھے، ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا تھا کہ ہر شہر کی مسجدوں میں دوپہر کے وقت خوشبو کی دھونی دی جائے۔ ❸

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجدیں بناؤ اور ان کو پاک وصاف اور معطر رکھو۔ ❹

❶صحیح مسلم: کتاب المساجد، باب فضل صلاة الجماعة، ج ۱ ص ۴۵۹، رقم الحدیث: ۶۴۹ ❷سنن ابن ماجه: کتاب المساجد والجماعات، باب ما یکره في المسجد، ج ۱ ص ۲۴۷، رقم الحدیث: ۷۵۰ ❸زاد المعاد: فصل في خواص یوم الجمعة وهی ثلاث وثلاثون، ج ۱ ص ۳۷۰ ❹سنن أبي داود: کتاب الصلاة، باب اتخاذ المساجد في الدور، ج ۱ ص ۱۲۴، رقم الحدیث: ۴۵۵/ سنن الترمذي: أبواب السفر، باب ما ذکر في تطییب المساجد، ج ۲ ص ۴۸۹، رقم الحدیث: ۵۹۴

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں لوبان، اگر بتی اور دوسری خوشبو جلائی جائے، جمعہ کے دن اور بھی اس کا اہتمام رکھا جائے۔

وقف اور تولیت

مسجد کے لئے جو زمین وغیرہ وقف کی جاتی ہے اس سے یقینی طور پر واقف کی ملکیت بالکلیہ ختم ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے وقف میں شرط ہے کہ واقف راستہ کے ساتھ اپنی اس ملکیت سے علیحدہ ہو جائے اور لوگوں کو نماز کی عام اجازت دیدے اس اجازت کے بعد اگر ایک شخص نے بھی اس میں نماز پڑھ لی تو وہ مسجد ہو گئی، واقف کی ملکیت سے علیحدگی کا فائدہ یہ ہوگا کہ یہ ملکیت حسبتاً اللہ ہو جائے گی، اور سپردگی بحق مسجد ثابت ہو جائے گی، بعض ائمہ کہتے ہیں کہ وقف کے بعد قبضہ کے ثابت ہونے کے لئے باجماعت نماز ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ مقصود بالذات مسجد سے جماعت ہی کی نماز ہے، انفرادی طور پر تو ہر جگہ نماز پڑھی جاسکتی ہے، چنانچہ اذان واقامت کا مقصد بھی جماعت ہی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک ہی شخص نماز پڑھے مگر اذان واقامت کے ساتھ تو قبضہ کے لئے یہ کافی ہے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا یہ کہنا ہے کہ صرف واقف کا اعلان ہی مسجدیت کے لئے کافی ہے۔ ❶

مسجد کی تولیت

مسئلہ تولیت میں واقف کو اختیار ہے کہ تولیت اپنے اور اپنے خاندان کے لئے محفوظ رکھے یا وہ جس کو چاہے بخش دے، مگر جب متولی میں شرعی اعذار پیدا ہو جائیں گے تو اس کو اس عہدہ سے برطرف کر دیا جائے گا، مثلاً وہ غیر مامون ہو، عاجز ہو، فاسق ہو، یا فاجر ہو کہ اس کو شراب پینے کی عادت ہو گئی یا کیمیا میں مال خرچ کرنے لگا، تو ایسی صورت میں متولی کو تولیت سے علیحدہ کر دینا ضروری ہے، کوئی متولی خائن ہو جائے تو اس کو بھی قاضی معزول کر

❶ الهداية: كتاب الوقف، فصل، ج ۲ ص ۶۲۱، ۶۲۲/ فتح القدير: كتاب الوقف، فصل، ج ٦ ص ۲۱٦، ۲۱۷

سکتا ہے، اسی طرح اگر کوئی متولی سال بھر پاگل رہے تو وہ خود بخود معزول ہو جائے گا، البتہ صحت یاب ہونے پر وہ دوبارہ متولی ہو سکتا ہے۔ ❶

واقف نے اگر یہ شرط لگا دی ہے کہ تولیت اس کی اولا د در اولا د رہے گی تو جب تک اس خاندان سے کھلی ہوئی خیانت ثابت نہ ہو جائے، یا کوئی اور ایسا عذر محقق نہ ہو جائے جس سے معزولی جائز وضروری ہو، قاضی کسی اور کو متولی نہیں بنا سکتا ہے، اور اگر وہ ایسا بغیر کسی معقول عذر کے پائے جانے کے کرنا چاہے تو قاضی کا یہ فعل درست نہ ہوگا۔ ❷

ہاں جن اسباب کی بناء پر متولی کے علیحدہ کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہے ان میں سے کوئی سبب یا عذر پایا جائے گا تو قاضی اس کو علیحدہ کر دے گا۔

جس وقف کی تولیت کسی متعین شخص یا خاندان سے مخصوص نہ ہو یا انتخاب کا حق اہلِ مسجد پر ہو تو اس وقت متولی ایسے شخص کو منتخب کیا جائے جو اس عہدہ کا خواہاں نہ ہو، کیونکہ جو عہدہ کا خواہش مند ہوتا ہے وہ عموماً اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں رکھتا ہے، اور کسی فاسد نیت سے اس کا خواہاں ہوتا ہے

حق انتخاب

متولی کے انتخاب کا حق واقف کو ہے پھر حاکم اور قاضی کو یا واقف نے جن لوگوں کو اس کا اختیار دیا ہے، جہاں اسلامی حکومت نہیں ہے وہاں عموماً یہ اختیار محلّہ کی پبلک کو واقف دیتے ہیں جن کو دین سے لگاؤ ہو۔

متولی کے اوصاف

متولی کے انتخاب میں ان چیزوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ امانت دار معتمد، دیانتدار اور متقی ہو، خائن، چور اور مسرف (فضول خرچ) نہ ہو، پھر یہ کہ وہ عاقل و بالغ ہو،

❶ تنویر الأبصار مع الدر المختار: کتاب الوقف، الفصل الأول فی المتولی، ج٦ ص ٢٢٤ ❷ الهندية: کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولاية الوقف وتصرف القیم...... إلخ، ج٢ ص ٣٩٧

اس کا لحاظ نہیں ہے کہ وہ آنکھ والا ہو یا اندھا، مرد ہو یا عورت، کیونکہ اندھا اور عورت بھی متولی ہو سکتے ہیں۔

متولی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی خوشی سے اپنی جگہ اپنی زندگی میں کسی اور کو متولی بنادے، البتہ اگر اس کو مختار کل بنادیا گیا ہو تو ایسا کر سکتا ہے۔

متولی کے فرائض

تولیت کوئی چیز نہیں ہے کہ اس کے اختیارات لامحدود ہوں، بلکہ اس کے اختیارات کی شریعت نے تعیین کردی ہے اور اس کے فراض بیان کردیئے گئے ہیں جن کی پابندی متولی کے لئے ضروری ہے، اپنی مفوضہ خدمت سے زیادہ کا اس کو اختیار نہیں ہے۔

واقف نے اگر مشاہرہ کا اس کے لئے تعین کردیا ہے تو اس کو اس کا لینا جائز ہے ورنہ بقدر اجرت کے اجازت ہے۔ ❶

متولی کے لئے جائز ہے کہ بوقت ضرورت مسجد کی صفائی اور روشنی کے لئے ملازم رکھے، مگر مشاہرہ مناسب اور دستور کے مطابق مقرر کرے گا، زیادہ دے گا تو وہ ضامن ہوگا، ہاں وہ اپنے پاس سے زیادہ بھی دے سکتا ہے۔ ❷

متولی وقف کی بچت سے یعنی صرف کرنے کے بعد جو بچے گا اس سے ذرائع آمدنی خرید کرے گا، جو وقف ہی ہوگا لیکن اس خریدی ہوئی چیز کا حکم وقف کا نہ ہوگا، یعنی ضرورت کے وقت یہ بعد کی خریدی ہوئی چیز فروخت ہو سکتی ہے۔ ❸

وقف میں جو گھر ہے اس میں کوئی متولی کی اجازت حاصل کئے بغیر رہے گا تو اس کو اجرتِ مثل وجوباً دینی ہوگی۔ ❹

متولی ضرورت کے وقت وقف میں اپنا مال لگا سکتا ہے اور اس نے اگر اپنی لکڑی

❶ مجموعة الفتاوی: کتاب المساجد، ج ۱ ص ۱۷۶ ❷ فتح القدیر: کتاب الوقف، الفصل الأول فی المتولی، ج ٦ ص ۲۲۳ ❸ فتح القدیر: کتاب الوقف، الفصل الأول فی المتولی، ج ٦ ص ۲۲۳ ❹ فتح القدیر: کتاب الوقف، الفصل الأول فی المتولی، ج ٦ ص ۲۲۳

مسجد کے کام میں دی ہے تو پھر لے سکتا ہے۔ ❶

متولی وقف کی آمدنی سے تیل چٹائی اور فرش کے لئے اینٹ سیمنٹ خرید سکتا ہے بشرطیکہ وقف نامہ میں اس کی گنجائش ہو، مثلاً یہ جملہ ہو کہ مسجد کے مصالح اور اس کی ضرورت میں خرچ کر سکتے ہیں، البتہ اگر کسی متعین کام کے لئے ہی وقف کی آمدنی وقف کی گئی ہو تو اس کے سوا دوسرے کام میں نہیں خرچ کر سکتے، مثلاً مسجد بنانے ہی کے لئے ہو تو اس سے چٹائی، روشنی اور فرش وغیرہ کا نظم نہیں کر سکتے۔ ❷

متولی کو جب وقف نامہ کی تفصیل کا علم نہ ہو تو اس مجبوری میں اپنے پیشرو کی تقلید کرے گا۔ ❸

متولی وقف کے لئے اس وقت تک قرض نہیں لے سکتا جب تک کوئی ضروری اور ناگزیر امر پیش نہ آجائے اور پھر ایسے وقت میں قاضی کی اجازت بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔ قاضی کی اجازت کے بغیر قرض نہ لے گا، قاضی کی اجازت سے قرض ضرورت کے لئے لیا گیا تو اُسے وقف کی آمدنی سے ادا کرے گا، اسی طرح وقف میں زراعت ہوتی ہو اور بیج نہ ہو تو قاضی کی اجازت سے بیج بھی قرض لے سکتا ہے، واضح رہے کہ متولی کے لئے یہ قرض اسی وقت جائز ہے جب اس کے ہاتھ میں کچھ نہ ہو اور وہ اسے ادا بھی کر دے۔ ❹

متولی کے پاس وقف کے روپے تھے مگر اس نے وقف کے لئے کوئی چیز اپنے ذاتی روپے سے خریدی تو ایسی حالت میں بالاتفاق یہ جائز ہے کہ وقف کے خزانے سے اپنے روپے لے لے۔ ❺

❶ فتح القدير: كتاب الوقف، الفصل الأول فى المتولى، ج٦ ص ٢٢٣
❷ فتح القدير: كتاب الوقف، الفصل الأول فى المتولى، ج٦ ص ٢٢٣
❸ فتح القدير: كتاب الوقف، الفصل الأول فى المتولى، ج٦ ص ٢٢٣
❹ فتح القدير: كتاب الوقف، الفصل الأول فى المتولى، ج٦ ص ٢٢٣
❺ فتح القدير: كتاب الوقف، الفصل الأول فى المتولى، ج٦ ص ٢٢٣

وقف شدہ مکان کو متولی رہن (گروی) نہیں رکھ سکتا، اگر اس نے رہن رکھ دیا اور مرتہن نے اس میں سکونت اختیار کر لی تو ایسی صورت میں اس کو مروّجہ کرایہ دینا پڑے گا۔ ❶

متولی نے وقف کے روپے اپنی ضرورت میں صرف کر دیئے پھر اتنا ہی اپنے مال سے وقف میں خرچ کر دیا یا وقف کے خزانہ میں داخل کر دیا تو اس پر ضمان نہیں ہے۔ ❷

وقف کے روپے جمع تھے، کفار کی جانب سے مسلمانوں پر ناگہانی آفت یا مصیبت ٹوٹ پڑی جس کے دفعیہ کے لئے روپے کی ضرورت ہوئی تو ایسی حالت میں دیکھا جائے کہ اگر جامع مسجد سے متعلق اور مسجد کو اس کی فوری ضرورت نہیں ہے تو حاکم کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ وقف کے روپے بطور قرض مسلمانوں کو آفت اور مصیبت سے بچانے کے لئے خرچ کرے۔ ❸

مسجد کی مصلحت کے لئے جو وقف ہے اس کی آمدنی سے مسجد کے دروازہ پر ظلہ (چھت سایہ کے لئے) بنوانا متولی کے لئے جائز ہے تاکہ بارش کے نقصان سے محفوظ رہے، ہاں وقف جب مسجد کی تعمیر اور مرمت کے لئے مخصوص ہو تو ظلہ نہیں بنوا سکتا، مگر ظہیر الدین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وقف عمارت مسجد پر ہو یا مصالح مسجد پر دونوں برابر ہیں اور یہ زیادہ صحیح ہے، لہذا بنوانا جائز ہوگا۔ ❹

موجودہ دور میں متولی

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے موجودہ دور میں وقف کا جو حشر ہو رہا ہے اور متولی جس طرح دیدہ و دانستہ کوتاہی کرتے ہیں اس پر چند کلمات لکھنا ضروری ہیں۔

پہلے اس امر کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے کہ واقف وقف کس نیت سے کرتا ہے، سب

❶فتح القدير: كتاب الوقف، الفصل الأول فی المتولی، ج٦ ص ٢٢٣

❷فتح القدير: كتاب الوقف، الفصل الأول فی المتولی، ج٦ ص ٢٢٣

❸فتح القدير: كتاب الوقف، الفصل الأول فی المتولی، ج٦ ص ٢٢٣

❹فتح القدير: كتاب الوقف، الفصل الأول فی المتولی، ج٦ ص ٢٢٣

جانتے ہیں کہ وقف کر کے یہ چاہتا ہے کہ جس کام کے لئے وقف کیا گیا ہے وہ حسن وخوبی سے ادا ہو، اخراجات کے نہ ہونے کی وجہ سے کام کے تعطل کا جو خطرہ ہے وہ ہمیشہ کے لئے دور ہو جائے ،اور مسجد کا واقف تو ایک بڑی گہری فکر کے ساتھ اس کام کو انجام دیتا ہے، اس کی نیت کس قدر صالح ہوتی ہے کہ مسجد کا نظم عمدہ پیرایہ سے برقرار ہے، دربارِالٰہی کی صفائی ہو اس میں روشنی ہو، اس کے حاضرین کو ہر طرح کا ذہنی اور خارجی آرام ہو اور اس وقف کی آمدنی سے دربارِ الٰہی کے کام کاج مزے سے چلتے رہیں، خدانخواستہ اس کی نیت مال کو ضائع کرنا نہیں ہوتی ہے اور نہ اس کا یہ ارادہ ہوتا ہے کہ متولی اپنے عیش وآرام میں صرف کرے، متولی اس لئے کوئی بھی نہیں بنا تا کہ وقف برباد ہو اسی لئے عموماً وقف ناموں میں متولی کا انتخاب بہت سی قیدوں کے ساتھ درج ہوتا ہے۔

تولیت کے لئے شرائط

متولی ان تمام شرطوں کو جب پوری کرتا ہے تب کہیں وہ اپنے عہدہ کو ادا کرتا ہے۔
میں نے ایسے واقف نامے بھی دیکھے ہیں جن میں تولیت اپنے خاندان میں رکھی گئی ہے مگر شرائط وقیود لکھ کر اس کی صراحت کر دی گئی ہے، اگر ان شرائط وقیود کے مطابق کوئی فرد میرے خاندان کا وقف کو نہ چلا سکے تو اس کو برطرف کر دیا جائے۔

متولی کے لئے تقریباً ہر وقف نامہ میں درج ہوتا ہے کہ وہ عاقل وبالغ ہونے کے ساتھ امانتدار ہو، دیانتداری، ذی ہوش اور اوقاف کی بھلائی چاہنے والا ہو، وقف کی آمدنی حفاظت سے خرچ کرے، ذرائع آمدنی کی حفاظت کرے تو اس کی ترقی دینے کی سعی پیہم جاری رکھے اور پھر وقف نامہ میں جو مصرح شعبہ ہوتے ہیں اس کے خلاف کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی لعنت سے ڈرایا جاتا ہے۔

متولی کی غفلت

بایں ہمہ متولی کی وقف کی اصلاح وترقی سے چشم پوشی حد درجہ افسوس ناک ہے اور

قصداً وقف کے انتظام میں کوتاہی نا قابل برداشت، عموماً یہ منظر کم وبیش ہر جگہ نظر آتا ہے کہ کافی آمدنی ہوتے ہوئے بھی مسجد کا نظم خراب سے خراب تر ہو رہا ہے، نہ مسجد میں صفائی ہے نہ روشنی کا انتظام ہے، فرش ٹوٹ رہا ہے، دیواریں گر رہی ہیں، وضوخانہ میں پانی ناپید ہے اور امام ومؤذن وقت کی پابندی سے کام نہیں کرتے ہیں، مزید یہ اور غضب ہے کہ وقف نامہ کی صراحت کے باوجود امام کا انتخاب صرف مشاہرہ کی وجہ سے نامعقول ہے، ایسا امام جو خود مسائل ضروریہ سے واقفیت نہیں رکھتا دوسروں کی رہنمائی کیا کرے گا۔

متولی کو یقین رکھنا چاہئے کہ کل اس کو مرنا ہے اپنے اعمال واخلاق کا حساب دینا ہے اور اپنی اس ذمہ داری اور پھر کوتاہی کے سوال کا جواب پیش کرنا ہے، اپنے فرائض سے کوتاہی وہ جرم عظیم ہے جس کی گرفت سخت تر ہوگی، یہ کیا ظلم ہے کہ وقف کی آمدنی کا نہ کوئی حساب کتاب ہے اور نہ اخراجات کے اصول وقواعد، یہ بھی پتہ نہیں کہ ہمیں کون سا کام کرنا چاہئے اور کس جگہ خرچ کرنے سے پرہیز کرنا ہے۔ وقف کی آمدنی ایسے کام میں خرچ کرنا جس میں نام ونمود مقصود ہو اور وقف کو جس سے کوئی فائدہ نہ ہو اپنی ذمہ داری کے احساس کا فقدان ہے اور یہی وجہ ہے کہ وقف کی آمدنی بعض اپنی آمدنی سے ملا دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وقف کی چیز میری چیز ہے۔

ایک مردمؤمن کو ان بے اعتدالیوں سے ڈرنا چاہئے اور مفوضہ خدمات احسن وخوبی سے سرانجام دینا چاہئے یا پھر اس سے علیحدہ ہو جانا چاہئے۔

کتبِ موقوفہ

اخیر میں ایک بات اور یاد آگئی، بعض مسجدوں میں وقف میں کتابیں بھی ہوتی ہیں، متولی کا فرض ہے کہ ان کتابوں کی پوری حفاظت کرے اور کیڑوں کی خوراک نہ ہونے دے، ساتھ ہی اس سے اہل علم کو استفادہ کا موقع دے، اور اگر وقف میں صراحت ہو تو طالب علم کو بھی دینا چاہئے، ایک آدمی کتابوں کی حفاظت اور ان کے دینے لینے پر بھی متعین ہونا چاہئے۔

متفرق مسائل

کتاب کی جامعیت کے پیش نظر یہاں ان مسائل کا ذکر ہے جو کسی عنوان کے تحت نہ آسکے تاکہ ناظرین کتابِ مساجد سے متعلق ضروری مسائل میں دوسری تمام کتابوں سے بے نیاز ہوجائیں۔

باب اقتداء میں عیدگاہ اور نماز جنازہ کی جگہ کا حکم مسجد کا سا ہے۔ ❶

کسی احاطہ میں ایسی مسجد ہے کہ دروازہ بند کر لینے کے بعد بھی گھر والوں سے اس میں جماعت ہوجاتی ہے تو یہ مسجد، مسجد جماعت کے حکم میں ہے، البتہ اگر یہ شکل ہے کہ احاطہ کے دروازہ کے بند ہونے کے بعد جماعت نہیں ہوتی ہے گو عوام کو وہاں نماز کی اجازت ہو اور دروازہ کھلے رہنے پر جماعت بھی ہوجایا کرتی ہے تو بھی یہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے۔ ❷

متولی کے انتخاب کا حق اہل محلّہ کو ہے، باہم مشورہ سے منتخب کر سکتے ہیں۔ ❸

امام نیچے ہو اور اس کی چھت پر مقتدی ہوں تو یہ جائز ہے بشرطیکہ مقتدی امام سے آگے نہ ہو امام کا آگے ہونا ضروری ہے۔ ❹

مسجد کی چھت پر چڑھنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا ہے۔ ❺

---

❶ الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل كره غلق باب المسجد، ج ١ ص ١٢١ ❷ الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل كره غلق باب المسجد، ج ١ ص ١٢٢ / رد المحتار: كتاب الصلاة، باب: ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب فى أحكام المسجد، ج ٢ ص ٥١٩ ❸ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب: ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب فيمن سبقت يده إلى مباح، ج ٢ ص ٥٢٨ ❹ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب: ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب فيمن سبقت يده إلى مباح، ج ٢ ص ٥١٦ ❺ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب: ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب فيمن سبقت يده إلى مباح، ج ٢ ص ٥١٦

کوئی دن میں ایک مرتبہ بھی نمازِ تحیۃ المسجد پڑھ لے تو پورے دن کے لئے بھی کافی ہوسکتی ہے۔ ❶

محلّہ کی مسجد میں جب کوئی مؤذن نہ ہو تو نمازی کو اذان پکارنا چاہیے اور نماز پڑھنا چاہیے، گو وہ تنہا ہو کیونکہ اس پر مسجد کا حق ہے۔ ❷

محلّہ میں چند مسجدیں ہوں تو قدیم تر میں نماز پڑھنی چاہیے اگر فاصلہ برابر ہو، ورنہ قریب تر میں۔ ❸

عیدگاہ، جنازہ گاہ کی تعظیم و تکریم مسجد جیسی کرنی چاہیے، پیشاب و پائخانہ اور وطی سے بچنا چاہیے۔ ❹

مسجد میں سونا مکروہ ہے ہاں مسافر و معتکف کے لئے کراہت نہیں، کوئی دوسرا سونا چاہے تو اعتکاف کی نیت کرے۔ ❺

مصیبت کی وجہ سے مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے ایسے ہی مسجد کی چھت پر بھی۔ ❻

اذان ہونے کے بعد مسجد سے نکلنا مکروہ ہے مگر یہ کہ وہ دوسری مسجد کا امام و مؤذن یا منتظم ہو تو مضائقہ نہیں، کوئی شخص فرض نماز پڑھ کر جماعت کے وقت مسجد میں آیا، اگر عشا یا ظہر کی جماعت ہے تو نفل کی نیت سے مل جائے۔ ❼

---

❶رد المحتار: كتاب الصلاة، باب: ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب فيمن سبقت يده إلى مباح، ج۲ ص۵۱۷ ❷غاية الأوطار: كتاب الصلاة، باب الأذان، ج ۱ ص۳۰۳ ❸غاية الأوطار: كتاب الصلاة، باب الأذان، ج ۱ ص۳۰۳ ❹حاشية الطحطاوي على الدر المختار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ج ۱ ص۲۷۷ ❺رد المحتار: كتاب الصلاة، باب في أحكام المسجد، ج۲ ص۵۲۵ ❻رد المحتار: كتاب الصلاة، باب في أحكام المسجد، ج۲ ص۵۲۵ ❼رد المحتار: كتاب الصلاة، باب في أحكام المسجد، ج۲ ص۵۲۵

فنائے مسجد وہ جگہ ہے کہ اس کے اور مسجد کے درمیان کوئی راستہ ہے۔ ❶

اقتداء کے باب میں فنائے مسجد کا حکم مسجد جیسا ہے۔ ❷

شارع عام کی مسجد جس میں پابندی جماعت نہیں ہوتی ہے مسجد ہی کے حکم میں ہے مگر اس میں اعتکاف جائز نہیں ہے۔ ❸

جس مسجد میں امام ومؤذن متعین نہیں اس میں تکرار جماعت مکروہ نہیں ہے بلکہ افضل ہے ہاں اذان وامامت کے ساتھ مکروہ ہے، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جماعت ثانیہ میں جب تین سے زیادہ آدمی ہوں تو مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہیئت کی تبدیلی کے ساتھ جماعت ثانیہ مکروہ نہیں ہے، محراب سے ہٹ جانے سے ہیئت بدل جاتی ہے۔ ❹

مغصوبہ زمین میں جو مسجد بنی ہو اس میں نماز پڑھنے میں بعض مضائقہ نہیں جانتے اور بعض کے یہاں ناجائز ہے۔ ❺

فنائے مسجد، خانقاہ، مسجد مدرسہ (مدرسہ کا جو کمرہ نماز کے لئے مخصوص ہے) حوض کے کنارے جو جگہ نماز کے لئے متعین ہے، بازار میں جو چبوترہ نماز پڑھنے کے لئے ہے، یہ تمام مسجد کے حکم میں نہیں ہیں، حائضہ وغیرہ داخل ہو سکتی ہے۔ ❻

---

❶ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب في أحكام المسجد، ج٢ ص ٥١٩ ❷ الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره غلب باب المسجد، ج١ ص ١٢١ ❸ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب في أحكام المسجد، ج٢ ص ٥١٩ ❹ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: فى تكرار الجماعة فى المسجد، ج٢ ص ٣٤٢، ٣٤٣ ❺ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ج٢ ص ٥١٩ ❻ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب فى أحكام المسجد، ج٢ ص ٥١٩

مسجد میں قبیح اشعار پڑھنا مکروہ ہے، مگر حمد و نعت اور نصیحت آمیز اشعار کی اجازت ہے جبکہ ذاکر و نمازی کا حرج نہ ہو۔ ❶

ذکر بلند آواز سے مسجد میں مکروہ ہے مگر درسِ فقہ دے سکتا ہے بشرطیکہ نمازیوں کو ایذاء نہ ہو یہی حکم درسِ حدیث وتفسیر کا ہے۔ ❷

بوقت ضرورت غریب اور گھر والا بھی مسجد میں سو سکتا ہے مگر اجتناب مستحسن ہے۔ ❸

دنیا کا جو بھی کام ہو مسجد میں کرنا مکروہ ہے۔ ❹

مسجد میں بیٹھ کر فصلِ مقدمات، درس اور فتوی دینا جائز ہے۔ ❺

مولی، لہسن اور کچا پیاز وغیرہ بد بودار چیز کھا کر بغیر منہ کی بو صاف کئے مسجد آنا مکروہ ہے۔ ❻

جس شخص کے کپڑے، بغل اور جسم سے بد بو آتی ہو اور اس سے دوسروں کو اذیت ہوتی ہو تو ایسے شخص کو دخول مسجد سے روکا جا سکتا ہے۔ ❼

دستکاری کا کام کرنا مسجد میں ناجائز ہے۔ ❽

---

❶رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في إنشاد الشعر، ج۲ ص ۵۲۳، ۵۲۴ ❷رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في رفع الصوت بالذكر، ج۲ ص ۵۲۴ ❸الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، باب آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج۵ ص۳۹۶ ❹الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، باب آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج۵ ص۳۹۶ ❺رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ج۲ ص۵۲۷ ❻رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ج۲ ص۲۲۵، ۲۲۶ ❼رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ج۲ ص ۲۲۶ ❽رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ج۲ ص۲۲۵

مسجد کی چھت پر بلاضرورت چڑھنا مکروہ ہے۔ ❶

قرآن جو کسی مسجد پر وقف ہو اسی ایک پر محصور نہ رہے گا۔ ❷

ایک شخص نے وصیت کی کہ روپے فلاں مسجد کی تعمیر میں لگائے جائیں تو افضل یہ ہے جس کے لئے وصیت کی ہے اسی پر خرچ ہو، لیکن اگر دوسری مسجد پر صرف کر دیا گیا تو یہ بھی جائز ہے۔ ❸

دائمی سودخور کی بنائی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ ❹

کفار کا مال جو کسی نے مکر وفساد اور چوری سے حاصل کیا ہو اس سے مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔ ❺

صرف آمین پکار کر کہنے والوں کو مسجد سے نکال دینا درست نہیں۔ ❻

بنی ہوئی مسجد میں سامان رکھنے کے لئے کمرہ بنانا جائز نہیں اور نہ کوئی مسکن۔ ❼

حسب تصریح معتبرات ہندو کا مال تعمیر معابد خاص اہل اسلام میں صرف کرنا درست نہیں ہے۔ ❽

اپنے ذاتی مال سے مسجد کی دیواروں پر سونے کا پانی چڑھانا جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے۔ ❾

❶رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، ج٢ ص٥١٦ ❷مجموعة الفتاوى: كتاب الوقف، ج٢ ص١١٣ ❸مجموعة الفتاوى: كتاب الوصايا، ج٣ ص٣٩/ فتاوى سراجية على هامش قاضيخان، كتاب الوصايا، باب تنفيذ الوصية، ج٤ ص٤٢٦ ❹مجموعة الفتاوى: كتاب المساجد، ج١ ص١٨٤ ❺مجموعة الفتاوى: كتاب المساجد، ج١ ص١٨٤ ❻مجموعة الفتاوى: كتاب المساجد، ج١ ص١٨٤ ❼مجموعة الفتاوى: كتاب المساجد، ج١ ص١٨٤ ❽مجموعة الفتاوى: كتاب المساجد، ج١ ص١٨٤ ❾الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج٥ ص٣٩٤

مسجد کے قبلہ میں حمام (غسل خانہ) مخرج، قبر اور وضو خانہ مکروہ ہے، مگر یہ کہ قبلہ میں دیوار ہو جو اس کو سامنے سے چھپا دے اور وہ پشت پر پڑ جائے تو مضائقہ نہیں۔ ❶

مسجد کے قبلہ میں تیر اندازی کی مشق مکروہ ہے ہاں عیدگاہ وغیرہ میں مکروہ نہیں۔ ❷

اگر موقوفہ گھر سے مسجد میں داخل ہونے کا کوئی راستہ ہے تو امام مسجد اس راستہ سے آ سکتا ہے۔ ❸

مسجد سے متصل امام مسجد کا مملوکہ گھر ہے یا کرایہ کا اور وہ یہ چاہے کہ اس سے آنے کے لئے مسجد کی دیوار میں راستہ کھولے تو اس کی اس کو اجازت نہیں ہے۔ ❹

مسجد میں درس و تدریس جائز ہے اگرچہ اس کے بوریئے اور اس کی چٹائیاں استعمال میں ہوں۔ ❺

قیمِ مسجد نے اگر کسی مصلحت اور مسجد کی اچھائی کے لئے مسجد کے فناء میں (سامنے کی باہر زمین) تجارت کی اجازت دیدی تو جواز کی امید کی جاتی ہے۔ ❻

فنائے مسجد وہ ہے جو مسجد کی چھت کا سایہ ہو اور وہ عام راستہ نہ ہو۔ ❼

---

❶ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج۵ ص ۳۹۴ ❷ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج۵ ص ۳۹۵ ❸ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج۵ ص ۳۹۵ ❹ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج۵ ص ۳۹۵ ❺ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج۵ ص ۳۹۵ ❻ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج۵ ص ۳۹۵ ❼ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج۵ ص ۳۹۵

مسجد کے قیم کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے یا امام کے نفع کے لئے فنائے مسجد میں کرسی تخت بچھا کر کرایہ وصول کرے۔ ❶

ایک مسجد کو اہل محلّہ نے (کسی شرعی مجبوری کی وجہ سے) دیوار لگا کر دو کر دیا اور ہر ایک کے لئے الگ امام مقرر کر دیا مگر مؤذن ایک ہی رکھا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اولی یہ ہے کہ مؤذن بھی دو ہوں گو اہل محلّہ کا یہ فعل (ایک مسجد کو دو کرنا) بُرا ہے۔ ❷

جماعت بڑھانے کے لئے اہل محلّہ کو اختیار ہے کہ دو مستقل مسجدوں کو ایک کر دیں۔ دو مسجدوں کو ایک کرنا تذکیر و تدریس کے لئے جائز نہیں ہے گو یہ کام مسجد میں جائز ہیں۔ ❸

اخراج ریح مسجد میں نہ ہو، خروج ریح کے وقت ادب یہ ہے کہ مسجد سے نکل جائے۔ بے وضو مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔ ❹

داخل محراب کا حکم مسجد کا ہے۔ ❺

کوئی آرہا تھا راستہ میں اس کو سخت سردی لگ گئی جس سے ہلاکت کا اندیشہ ہو گیا وہ مسجد میں چلا آیا اور محسوس کیا کہ آگ جلا کر گرمی حاصل نہ کی گئی تو جان یا عضو کا خطرہ ہے تو ایسی حالت میں وہ مسجد کی لکڑی جلا سکتا ہے کسی دوسرے کی ہو تو اسے بھی جلا سکتا ہے، دونوں کی موجودگی میں مسجد کی لکڑی جلانا اچھا ہے۔ ❻

❶ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج٥ ص٣٩٥ ❷ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج٥ ص٣٩٦ ❸ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج٥ ص٣٩٥ ❹ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج٥ ص٣٩٥ ❺ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج٥ ص٣٩٥ ❻ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج٥ ص٣٩٥

فتنہ عامہ کے خطرہ سے غلہ اور گھر کے دوسرے سامان کا مسجد میں بند کرنا جائز ہے۔ ❶

مسجد میں بیٹھ کر تعویذ بیچنا جس میں تورات، انجیل یا قرآن پاک کی آیتیں لکھی ہوں جائز نہیں ہے۔ ❷

کسی نے مسجد سے گزرنے کی نیت کی اور داخل ہو کر وسط میں پہنچ گیا پھر اس نے ندامت محسوس کی تو اس کو چاہئے دو رکعت نماز پڑھے پھر نکلے، اگر ناپاک تھا تو فوراً نکل آئے۔ ❸

مسجد میں تنگی پیدا ہو جائے تو لوگوں کو سمٹ کر بیٹھنے کے لئے کہنا اور ان کا سمٹ کر بیٹھنا جائز ہے۔ ❹

سخت گرمی کی وجہ سے مسجد کی چھت پر جماعت کی اکیلے اقتداء کرنا مکروہ ہے، البتہ نیچے گنجائش باقی نہ رہے تو چھت پر جا کر اقتداء کر سکتا ہے۔ ❺

وقف کی آمدنی سے اذان کے لئے مینار اس وقت بنانا جائز ہے جب ایسا کرنا ضروری ہو مثلاً یہ کہ اہل محلّہ کو آواز نہ پہنچتی ہو ورنہ جائز نہیں۔ ❻

ستونوں پر لپیٹنے کے لئے کپڑے خریدنا متولی کے لئے جائز نہیں ہے، ہاں اگر وقف میں اس کی صراحت ہو یا وہاں یہ رائج اور دستور ہو تو جائز ہے۔ ❼

---

❶الفتاوی الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج۵ ص۳۹۵ ❷ الفتاوی الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج۵ ص۳۹۵ ❸الفتاوی الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج۵ ص۳۹۵ ❹الفتاوی الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج۵ ص۳۹۷ ❺ الفتاوی الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج۵ ص۳۹۷ ❻ الفتاوی الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج۵ ص۳۹۷ ❼الفتاوی الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج۵ ص۳۹۷

طالب علم اپنی کتابوں میں مسجد کی گھاس لے کر نشان لگائے تو یہ معاف ہے۔ ❶

نماز کے بعد مسجد کا چراغ جلتا ہو تو اس کی روشنی میں درس وتدریس تہائی رات تک جائز ہے، اس سے زیادہ مسجد کا چراغ پڑھنے پڑھانے کے لئے جلانا درست نہیں۔ ❷

تعمیر مسجد کے لئے جمع شدہ روپوں میں سے اگر کسی نے ادا کرنے کی امید پر اپنے کام میں خرچ کر دیا جو اس کو نہ کرنا چاہئے تھا، اب اس کو چاہئے کہ اپنے کسی ساتھی کو خبر کر کے جو جانتا تھا ادا کر دے، اور اگر خاموشی سے اس نے مسجد کا مال اپنے کام میں خرچ کیا تھا تو قاضی کو اطلاع دے کر ادا کر دے، اور قاضی نہ ہو تو یوں بھی ادا کر دے تو فیما بینہ وبین اللہ بری الذمہ ہو جائے گا۔ ❸

بنی ہوئی مسجد توڑ کر مضبوط ومستحکم بنانا اہل محلّہ کے لئے اس وقت جائز ہے جب بانی مسجد اہل محلّہ ہی میں سے ہو ورنہ نہیں۔ ❹

کافر اور ذمی مسجد حرام، بیت المقدس اور دوسری تمام مسجدوں کے ضروری کام کے لئے داخل ہو سکتا ہے، البتہ بغیر طہارت داخل ہونا مکروہ ہے۔ ❺

رمضان میں موم بتی جو جل کر بچ جائے وہ دینے والے کی اجازت کے بغیر کوئی نہیں لے سکتا، چاہے وہ امام ہو چاہے مؤذن، البتہ یہی دستور اور رواج ہو تو مضائقہ نہیں۔ ❻

تعمیر مسجد کے ساتھ اس کی چھت پر امام کے لئے حجرہ بنانے میں حرج نہیں ہے۔ ❼

---

❶ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج٥ ص٣٩٧، ٣٩٨ ❷ البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج٥ ص ٤٢٠ ❸ البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج٥ ص ٤٢٠ ❹ البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج٥ ص ٤٢٠ ❺ البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج٥ ص ٤٢٠
❻ البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج٥ ص ٤٢٠
❼ البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج٥ ص ٤٢١

مسجد کی دیوار کے سہارے جو گھر کھڑا کرے اس کا ڈھا دینا واجب ہے، کرایہ اور اجرت قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ ❶

مسجد میں جنازہ کی نماز مکروہ ہے۔ ❷

مسجد کے اوقاف سے مدرسہ میں خرچ کرنا درست نہیں ہے۔ ❸

امام ومؤذن کی تقرری وانتخاب میں اگر بانی مسجد اور اہل محلّہ میں اختلاف ہو جائے تو اگر اہل محلّہ کا منتخب کردہ امام ومؤذن بانی مسجد کے منتخب کردہ امام ومؤذن سے بہتر ہو تو اسی کو چنا جائے گا کیونکہ اہل محلّہ ہی کو امام ومؤذن کا نفع وضرر ہے۔ ❹

مسجد کے لئے تیل اور چٹائی دونوں کے خریدنے کا ثواب برابر ہے، ہاں ان میں جس کی مسجد کو زیادہ ضرورت ہے اس کا خریدنا زیادہ اچھا ہے۔ ❺

اپنی مسجد میں جماعت چھوٹ گئی اس لئے جماعت کی امید پر دوسری مسجد میں گیا اس کا یہ فعل افضل ہے، مگر مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصی بہرحال خود افضل ہیں (یعنی ان کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں نہ جائیں گے)۔ ❻

اپنی مسجد کو چھوڑ کر جماعت کے لئے گیا مگر وہاں بھی جماعت نہ ملی تو پھر اپنی ہی مسجد افضل ہے۔ ❼

مؤذن نے اذان دی مگر کوئی دوسرا نہ آیا کہ جماعت ہو ایسی حالت میں مؤذن جماعت کے لئے اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں نہ جائے گا بلکہ تنہا بھی پڑھنا پڑے تو بھی

❶البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج۵ ص ۴۲۱ ❷ البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج۵ ص ۴۲۱ ❸ البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج۵ ص ۴۲۱ ❹ غنية المستملي: فصل في أحكام المسجد، ج ۱ ص ۵۳۰ ❺ غنية المستملي: فصل في أحكام المسجد، ج ۱ ص ۵۳۰ ❻ غنية المستملي: فصل في أحكام المسجد، ج ۱ ص ۵۲۹ ❼غنية المستملي: فصل في أحكام المسجد، ج ۱ ص ۵۲۹

اپنی ہی مسجد میں وہ نماز ادا کرے۔ ❶

اذان ہوئی، نمازی آئے مگر امام نہ آیا تو ان ہی میں سے ایک امامت کرے گا، یہ امام کے نہ آنے کی وجہ سے جماعت کے لئے دوسری مسجد میں نہیں جائیں گے۔ ❷

اپنی مسجد میں کسی کی تکبیر اولی یا ایک دو رکعت چھوٹ جائے اور دوسری مسجد میں اس کو ان کے پالینے کی امید ہو تو بھی ان کو اجازت نہیں ہے کہ اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں جائیں، اگر جماعت کا کچھ حصہ بھی اپنی مسجد میں مل گیا تو اس نے فضیلت پالی۔ ❸

اپنے محلّہ کی مسجد کا امام جب زانی یا سود خور ہو تو ایسی حالت میں اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں جا سکتا ہے، یا اسی طرح کی اور کوئی ناپسندیدہ عادت یا عیب اس امام میں ہے تو بھی دوسری مسجد میں جا سکتا ہے، (یہ عیب امام کا ایسا ہو جو شرعاً بھی ناگواری کا باعث ہو)۔ ❹

ہر طرح کی بدبو سے مسجد کو محفوظ رکھنا واجب ہے۔ ❺

اگر رفع فساد کے لئے دوسری مسجد بنوالی تو توڑنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ مسجد ضرار کے حکم میں نہیں ہے، ہاں اگر مقصود تفریق و فساد ہو تو وہ ضرار کے حکم میں ہوگی۔ ❻

مسجد کے نیچے یا اوپر دوکان بنوانا اگر مسجد پر وقف ہو اور مسجد بنانے کے ساتھ ہی بنائی گئی ہو تو جائز ہے، مسجد تیار ہونے کے بعد کوئی مسجد کے نیچے یا اوپر دوکان وغیرہ نہیں بنوا سکتا۔ ❼

---

❶غنية المستملي: فصل في أحكام المسجد، ج ١ ص ٥٢٩ ❷ غنية المستملي: فصل في أحكام المسجد، ج ١ ص ٥٢٩ ❸ غنية المستملي: فصل في أحكام المسجد، ج ١ ص ٥٢٩ ❹ غنية المستملي: فصل في أحكام المسجد، ج ١ ص ٥٢٩ ❺ غنية المستملي: فصل في أحكام المسجد، ج ١ ص ٥٢٩ ❻ مجموعة الفتاوى: كتاب المساجد، ج ١ ص ١٧٣ ❼مجموعة الفتاوى: كتاب المساجد، ج ١ ص ١٨١

بھنگی کی اجرت مسجد میں لگانا جائز نہیں ہوگا، حدیث ''**کسب الحجام خبیث**'' وغیرہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کاروبار جس میں تلبس و اختلاط نجاسات کے ساتھ ہو مکروہ ہے اور اجرت اس کی خباثت سے خالی نہیں ہے۔ ❶

مسجد میں اگر کوئی قبر ہو تو وہ قبر جس مقتدی کے آگے یا دائیں بائیں پڑے گی اس کی نماز مکروہ ہوگی۔ ❷

زانیہ قرض لے کر مسجد بنائے اور اپنے مال مکسوبہ سے ادا کرے تو مسجد، مسجد کہلائے گی اور قرض ادا ہو جائے گا۔ ❸

سفر سے واپسی میں مسجد میں اترے اور دو رکعت نماز پڑھے۔ ❹

بانی مسجد مرمت، عمارت، فرش، چٹائی، قندیل، اذان و اقامت اور امامت کا زیادہ حقدار ہے، ایسے ہی بانی کی اولاد اور اس کا خاندان اس کے مرنے کے بعد۔ ❺

بانی کو یہ حق صلاحیت کی شرط کے ساتھ ہے ورنہ اس کی رائے کو دخل ہوگا۔ ❻

حقہ پی کر مسجد جانا یا تلاوت کلام پاک کرنا مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح کچا پیاز، لہسن وغیرہ کھا کر مسجد جانا مکروہ تحریمی ہے۔ ❼

مسجد کی دیوار یا چھت پر تیمّم جائز ہے مگر بے ادبی سے خالی نہیں۔ ❽

اذان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہاتھوں کا چومنا جن لوگوں نے مستحب لکھا

---

❶مجموعة الفتاوى: كتاب المساجد، ج ١ ص ١٨١ ❷مجموعة الفتاوى: كتاب المساجد، ج ١ ص ١٨١ ❸مجموعة الفتاوى: كتاب المساجد، ج ١ ص ١٨٢ ❹مجموعة الفتاوى: كتاب المساجد، ج ١ ص ١٨١ ❺غنية المستملي: فصل في أحكام المساجد، ج ١ ص ٥٣٠ ❻الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، فصل: كره غلق باب المسجد، ج ١ ص ١٢٢ ❼مجموعة الفتاوى: كتاب الحظر والإباحة، ج ٢ ص ٢٤٦ ❽مجموعة الفتاوى: كتاب الحظر والإباحة، ج ٢ ص ٢٤٦، ٢٤٧

ہے صحیح نہیں ہے۔ ❶

مسجد میں فرشی پنکھا لگانا فی نفسہ مباح ہے کوئی ممانعت شرعیہ اس میں نہیں مگر خلاف اولی ہے۔ ❷

مسجد کے اوپر مصلحت مسجد کے پیش نظر امام کے لئے حجرہ بنانا مسجد کی تعمیر کے ساتھ جائز ہے، مگر مسجد جب بن چکی تو پھر اجازت نہیں ہے۔ ❸

مسجد کا کوئی حصہ نہ تو حصول آمدنی کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے اور نہ مسکن۔ ❹

اجرت دے کر بھی کوئی چاہے کہ مسجد کی دیوار سے فائدہ اٹھائے تو یہ جائز نہیں ہے خواہ کوئی بھی فائدہ اٹھانے والا ہو۔ ❺

مسجد کی چھت پر وطی، پیشاب اور پائخانہ مکروہ تحریمی ہے۔ ❻

بغیر عذر شرعی مسجد کو راستہ بنانا مکروہ تحریمی ہے، البتہ بوقت مجبوری وضرورت شدید گزرنا جائز ہے مگر اس کی عادت قریب بہ فسق ہے۔ ❼

جن مصلوں پر اللہ تعالی کے نام ہوں ان کا بچھانا اور استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ ❽

مسجد میں نجاست داخل کرنا حرام ہے ایسے ہی جس شخص کے بدن پر نجاست لگی ہو

---

❶مجموعة الفتاوى: كتاب الحظر والإباحة، ج۲ ص ۲۲۶، ۲۲۷ ❷مجموعة الفتاوى: كتاب الحظر والإباحة، ج۱ ص۱۷۷ ❸رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، ج٦ ص ۵۴۹ ❹رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، ج٦ ص ۵۴۹ ❺رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، ج٦ ص ۵۵۰ ❻رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، ج٦ ص ۵۵۰ ❼رد المحتار: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما لا يفسده، مطلب في أحكام المسجد، ج۲ ص ۵۱٦ ❽الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ج۱ ص ۱۲۲

اس کا مسجد میں داخل ہونا حرام ہے۔ ❶

مسجد میں جُنبی (ناپاک مرد) حائضہ اور نفاس والی عورت کا داخل ہونا حرام ہے۔ ❷

مسجد کے اندر کنواں کھودنا منع ہے ہاں پہلے سے ہو تو چھوڑ دیا جائے گا۔ (مسجد سے باہر ضرورت کے لئے کھودنا چاہیئے) ❸

مسجد کے اندر کا مطلب ہے وہ جگہ جو نماز کے لئے مخصوص ہوتی ہے جیسے مسجد کا اندرونی حصہ اور صحن، مسجد کے احاطہ کے اندر ان کے علاوہ جو جگہ ہے وہ بھی باہر کا حصہ کہا جاتا ہے۔

مسجد میں ناپاک مٹی لگانا اور اس کو ناپاک پانی مٹی سے لیپنا ناجائز ہے۔ ❹

مسجد میں خرید و فروخت جائز نہیں ہے، معتکف کو صرف بھاؤ کرنے کی اجازت ہے مگر بیع نہ ہو۔ ❺

مسجد کا چراغ گھر میں لانا جائز نہیں ہے البتہ اپنا چراغ مسجد میں لے جانا جائز ہے، مسجد کا چراغ تہائی رات تک جلتا چھوڑا جا سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں چھوڑا جائے گا مگر اس وقت جبکہ واقف نے اس کا حکم دیا ہو یا وہاں کا یہی دستور قدیمی ہو۔ ❻

---

❶ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما لا يفسده، مطلب في أحكام المسجد، ج ا ص ۱۲۱ ❷ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما لا يفسده، مطلب في أحكام المسجد، ج۲ ص۵۱۷ ❸ الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره غلق باب المسجد، ج ا ص ۱۲۲ ❹ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما لا يفسده، مطلب في أحكام المسجد، ج۲ ص۵۱۷ ❺ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما لا يفسده، ج۲ ص۵۲۶ ❻ الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره غلق باب المسجد، ج ا ص۱۲۲ / البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج۵ ص ۴۲۰

کوئی اگر مسجد میں کسی خاص جگہ آ کر بیٹھتا ہے، اس جگہ دوسرا آ کر بیٹھ گیا تو اس کو وہ نہیں اُٹھا سکتا۔ ❶

ایک شخص مسجد میں آ کر بیٹھا اور پھر وہ کسی کام سے اٹھا مگر اپنی جگہ اپنا کپڑا چھوڑ گیا تو اب کوئی دوسرا اس جگہ نہیں بیٹھ سکتا۔ ❷

مسجد میں سوال کرنا حرام ہے اور دینا مکروہ، اور اگر سائل لوگوں کی گردن نہ پھلاندے تو دونوں جائز ہیں۔ ❸

مسجد میں بغیر طہارت داخل ہونا مکروہ ہے۔ ❹

مسجد میں فصد لگوانا اور اس طرح پیشاب کرنا کہ پیشاب کسی برتن میں رکھا جائے تب بھی جائز نہیں ہے۔ ❺

مسجد میں جوتا پہن کر داخل ہونا جس سے تلویث مسجد کا اندیشہ ہو جائز نہیں۔ ❻

غیبت کرنے والے اور چغلخور کو دخولِ مسجد سے روکنا جائز ہے۔ ❼

دنیاوی بات کے لئے مسجد میں بیٹھنا یا بیٹھے ہوئے دنیا کی باتیں کرنا مکروہ ہے۔ ❽

مسجد میں کلی کرنا اور وضو کرنا مکروہ ہے مگر یہ کہ اس کے لئے کوئی مخصوص جگہ بنی ہو

---

❶رد المحتار: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما لا يفسدها، ج٢ ص٥٢٧

❷رد المحتار: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما لا يفسدها، ج٢ ص٥٢٧

❸رد المحتار: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما لا يفسدها، مطلب في أفضل المساجد، ج٢ ص٥٢٣ ❹البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل فى أحكام المسجد، ج٥ ص٤٢٠ ❺رد المحتار: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما لا يفسدها، مطلب في أحكام المسجد، ج٢ ص٥١٧ ❻رد المحتار: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما لا يفسدها، مطلب في أحكام المسجد، ج٢ ص٥١٨

❼رد المحتار: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما لا يفسدها، ج٢ ص٥٢٦

❽رد المحتار: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما لا يفسدها، ج٢ ص٥٢٧

جیسے وضو خانہ تو مضائقہ نہیں۔ ❶

ابابیل یا چمگادڑ اپنی بیٹوں (پائخانہ) سے جب مسجد کو گندہ کر رہی ہوں تو ان کو بچوں سمیت نکال پھینکنا جائز ہے۔ ❷

مسجد میں درخت لگانا مکروہ ہے مگر مسجد جب مرطوب ہو تو اس کے دفعیہ کے لئے لگانا جائز ہے۔ ❸

پاگل اور بچہ کا مسجد میں داخل ہونا اگر تلویث کا گمان غالب ہو تو حرام ورنہ مکروہ تنزیہی۔ ❹

مسجد کو ہر گھن والی چیز سے پاک وصاف رکھنا واجب ہے۔ ❺

مسجد میں سلائی کرنا مکروہ ہے لیکن اگر وہ مسجد کی نگرانی کے لئے بیٹھا ہو اور اس سلسلہ میں سلائی بھی کرتا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ❻

دیوار، فرش اور مسجد کی چٹائی پر تھوکنا یا بلغم ڈالنا جائز نہیں ہے۔ ❼

اگر حالت نماز میں تھوکنے کی مجبوری ہو تو چٹائی پر تھوکنا اس سے اچھا ہے کہ کوئی چٹائی

❶الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره غلق باب المسجد، ج١ ص ١٢١ / البحر الرائق: كتاب الوقف، فصل فى أحكام المسجد، ج٥ ص ٤٢٠ ❷الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ج١ ص ١٢١ ❸رد المحتار: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما لا يفسدها، مطلب في الغرس في المسجد، ج٢ ص٥٢٥ ❹رد المحتار: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما لا يفسدها، مطلب في أحكام المسجد، ج٢ ص٥١٨ ❺رد المحتار: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما لا يفسدها، مطلب في الغرس في المسجد، ج٢ ص٥٢٦ ❻الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، باب فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره غلق باب المسجد، ج١ ص١٢٢

❼الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، باب آداب المسجد والقبلة...... ج٥ ص٣٩٧

کے نیچے تھوکے کیونکہ نیچے کا حصہ جزو مسجد ہے، اچھا طریقہ یہ ہے کہ اپنے کپڑے کے کنارے پر تھوک کر مل دے۔ ❶

بچھی ہوئی مٹی فرشِ مسجد کے حکم میں ہے۔ ❷

مسجد میں گھاس جمع ہو تو اس میں پاؤں پوچھنا جائز ہے اور بعضوں نے مکروہ کہا ہے۔ ❸

مسجد میں ناپاک تیل کی روشنی کرنا مکروہ ہے۔ ❹

مسجد کے چراغ کی روشنی میں نماز سے پہلے اور بعد بھی درس تدریس جائز ہے جس سے نمازی کا حرج نہ ہو۔ ❺

مسجد میں ناپاک گارے کی استر کاری مکروہ ہے۔ ❻

اجرت پر کتابت کرنے والے کاتب کے لئے مسجد میں کتابت مکروہ ہے، ہاں بغیر اجرت یا اپنے لئے لکھے تو جائز ہے۔ ❼

مسجد کی دیواروں اور محراب پر لکھنا قرآن پاک کی آیتوں کا مکروہ تنزیہی ہے، کیونکہ

---

❶رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ج۲ ص۵۲۵/ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، باب آداب المسجد والقبلة...... ج۵ ص۳۹۷ ❷رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ج۲ ص۵۲۵/ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، باب آداب المسجد والقبلة...... ج۵ ص۳۹۷ ❸الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، باب آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج۵ ص۳۹۶ ❹رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، ج۲ ص۵۱۷ ❺رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، ج۲ ص۵۱۷ ❻رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، ج۲ ص۵۱۷ ❼الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره غلق باب المسجد، ج۱ ص۱۲۲

مسجد کے منہدم ہونے کی صورت میں توہین کا اندیشہ ہے۔ کتبوں یا رقعوں کا مسجد کے دروازہ پر لٹکانا یا چپکانا مکروہ ہے۔ ❶

مسجد میں کنواں ہو اور کوئی دوسرا راستہ نہ ہو تو بوقت ضرورت و مجبوری مسجد سے گزر سکتا ہے، یوں نہیں۔ ❷

بوقت ضرورت گوبر ملی ہوئی مٹی کا لگانا جائز ہے۔ ❸

مسجد کا سامان رکھنے کے لئے مسجد کے ساتھ حجرہ بنانا جائز ہے۔ ❹

جو معلّم اجرت پر بچوں کو پڑھاتا ہو اور وہ گرمی یا کسی اور مجبوری سے مسجد میں بیٹھے تو مکروہ نہیں ہے، اور بعض لوگوں نے کاتب کی طرح مکروہ کہا ہے۔ ❺

مسجد میں نماز کے علاوہ دوسرے دینی کام کے لئے بیٹھنا جائز ہے لیکن اگر اس کی وجہ سے کوئی چیز غائب ہوگی تو تاوان دینا ہوگا۔ ❻

مسجد میں کسی ایک جگہ کو اپنے لئے مخصوص کر لینا مکروہ ہے۔ ❼

مسجد میں کوئی نمازی کہیں بیٹھ جائے تو بغیر ضرورتِ شرعی اس کو چھیڑنا اور وہاں سے اٹھانا جائز نہیں ہے، ہاں اگر عام نمازیوں کو اس سے تکلیف ہو تو اُسے اٹھایا جا سکتا ہے،

---

❶ الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره غلق باب المسجد، ج ١ ص ١٢٢ ❷ الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره غلق باب المسجد، ج ١ ص ١٢٢ ❸ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، ج ٢ ص ٥١٧ ❹ الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ج ١ ص ١٢٢ ❺ الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ج ١ ص ١٢٢ ❻ الفتاوى الهندية: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ج ١ ص ١٢٢ ❼ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ج ٢ ص ٥٢٧

بصورتِ تنگی غیر محلّہ والے کو مسجد میں آنے سے روکا جا سکتا ہے، کسی کے بیٹھنے سے صف میں خلل ہو تو نمازیوں کو حق ہے کہ اُسے اٹھا دے۔ ❶

اگر مسجد میں تنگی ہو جائے تو عام نمازیوں سے چاہے وہ ذکر و شغل میں مصروف ہوں سمٹ کر بیٹھنے کی فرمائش کرنا جائز ہے۔ ❷

مسجد میں نکاح کرنا سنت ہے۔ ❸

مسجد میں نمازی کی گردن پھلاندنا مکروہ ہے۔ ❹

مسجد میں پاک آدمی کا بھی غسل اور وضو کرنا مکروہ ہے۔ ❺

آج کل مسجد میں پاک وصاف جوتا پہننا بھی بے ادبی ہے۔ ❻

نمازیوں کے لئے سایہ کے خیال سے مسجد میں درخت لگانا بشرطیکہ اس سے تنگی یا صفوف میں ناہمواری نہ ہو مباح مگر خلافِ اولی ہے، اور اگر تنگی یا صفوف میں ناہمواری پیدا ہو یا اپنے نفع کے خیال سے لگایا جائے یا گرجا وغیرہ سے مشابہت پیدا ہو تو ان تمام صورتوں میں مکروہ ہے۔ ❼

---

❶ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في من سبقت يديه إلى مباح، ج۲ ص۵۲۸ ❷ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في من سبقت يديه إلى مباح، ج۲ ص۵۲۸ ❸ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد، ج۲ ص۵۲۶ ❹ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، باب آداب المسجد، ج۵ ص۳۹۷ ❺ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، ج۲ ص۵۱۹ ❻ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، ج۲ ص۵۱۸ ❼ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد، ج۲ ص۵۲۵/ الفتاوى الهندية: كتاب الكراهية، باب آداب المسجد والقبلة، ج۵ ص۳۹۶

دنیا کی باتوں کے لئے مسجد میں بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ ❶

جو مسجد میں چوری کا عادی ہو جائے تو ضروری ہے کہ اس کو سزا دی جائے اور سخت سزا اور ساتھ ہی قید میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ وہ توبہ کرے۔ ❷

متولی واقف ہو یا کوئی اور مگر وہ اطمینان بخش باقی نہ رہا عاجز ہو گیا یا فاسق و فاجر تو اس کو عہدہ تولیت سے علیحدہ کر دینا ضروری ہے۔ ❸

متولی خائن ہو جائے تو قاضی کے لئے جائز ہے کہ اس کو معزول کر دے۔ ❹

ایسا شخص جس کو تہمت لگانے کے جرم میں حد لگائی گئی ہے مگر اب اس نے توبہ کر لی ہے ایسے شخص کو متولی بنانا جائز ہے۔ ❺

ایک شخص کئی وقف کا متولی ہے اگر اس سے کسی ایک وقف میں بھی خیانت ثابت ہو گئی تو اِسے کل اوقاف سے معزول کر دیا جائے گا۔ ❻

بعض مسجدوں میں مسجد سے علیحدہ بغل میں کمرے ہوتے ہیں جس میں بعض لوگ چھپ کر نماز پڑھتے ہیں، مسجد میں عوام سے بچنے کی غرض سے نہیں آتے، اس سے صفوں میں درستی نہیں رہتی اس لئے یہ فعل پسندیدہ نہیں ہے اور سنتِ نبوی کے خلاف بھی ہے۔ ❼

خطیب کے منبر پر آنے کے بعد کسی دوسرے کام کی اجازت نہیں، جہاں خطیب

❶ الفتاوی الهندية: كتاب الكراهية، باب آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج۵ ص۳۹۷ ❷ الفتاوی الهندية: كتاب الكراهية، باب آداب المسجد والقبلة والمصحف، ج۵ ص۳۹۷/ رد المحتار: كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ج۲ ص۵۲۷ ❸ الدر المختار مع رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب فيما يعزل به الناظر، ج۶ ص۵۸۴ ❹ رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب فيما يعزل به الناظر، ج۶ ص۵۸۴ ❺ رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولي، ج۶ ص۵۸۴ ❻ رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب فيما يعزل به الناظر، ج۶ ص۵۸۳ ❼ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الأول، الفصل الأول، ص۲۶

کے خطبہ اولی کے بعد مؤذن ''غفر اللّٰہ لک ولوالدیک ولنا ولوالدینا والحاضرین'' بلند آواز سے کہتے ہیں، یہ بدعت ہے اور سنت نبوی کے خلاف ہے۔ ❶

رجب اور اس کے روزے کی فضیلت کی جو حدیث ہے وہ موضوع ہے، منبر سے اس غلط چیز کی تلقین جائز نہیں ہے۔ ❷

بعض جگہ رواج ہے کہ امام خطبہ سے فارغ ہو کر جب اترتا ہے تو لوگ اس کے جسم کو ثواب کی نیت سے چھوتے ہیں اور اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں، یہ سنت کے خلاف ہے اور خالص بدعت ہے۔ ❸

تکبیر تحریمہ سے پہلے زور زور سے نیت باندھنا خلافِ سنت ہے۔ جماعتِ ثانی کے انتظار میں پہلی جماعت کا ترک بدعت ہے۔ ❹

تراویح میں اس تیزی سے پڑھنا پڑھانا کہ قرآن صحت کے ساتھ نہ پڑھا جائے یا رکوع وسجود اور قعود پورے طور پر نہ ادا ہوں کسی حال میں درست نہیں۔ ❺

رجب کے اول جمعہ میں چراغاں کی رسم جہاں بھی ہے بدعت ہے۔ ❻

۱۵ شعبان کی شب میں مسجد میں چراغاں کرنا اور صلاۃ الفیہ (یعنی سو رکعت میں ہزار بار قل ھو اللہ احد پڑھنا) بدعت ہے۔ ❼

رمضان میں ضرورت سے زیادہ چراغاں کرنا اور رنگ برنگ کی بتی جلانا بدعت ہے۔

❶ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الأول، الفصل الأول، ص ۷۰

❷ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الأول، الفصل الأول، ص ۷۱

❸ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الأول، الفصل الأول، ص ۷۲

❹ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الأول، الفصل الثاني، ص ۷۳

❺ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الأول، الفصل الثاني، ص ۷۸

❻ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الأول، الفصل الثانى، ص ۸۵

❼ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الثاني، الفصل الثاني، ۹۹

عید کے دنوں میں رات بھر چراغ جلانے کی رسم مسجدوں میں بدعت ہے۔❶

مسجد میں مجلس سماع بدعت ہے۔❷

مسجد میں دنیا کی بات کے لئے ٹولی ٹولی بنا کر بیٹھنا گناہ ہے۔❸

ماہ صفر کے اخیر بدھ کو مغرب وعشاء کے درمیان آیاتِ سلام لکھنے کی رسم بدعت ہے۔❹

خطبات عیدین بغیر سنے ہوئے مسجد اور عیدگاہ سے بھاگنا گناہ ہے۔❺

شروع سال اور اخیر سال میں امام مسجد کا خصوصیت سے دُعا کرنا اور اس کا اہتمام بدعت ہے۔❻

اقامت میں ''أشهد أن محمدا رسول الله'' سے پہلے لفظ ''سیدنا'' بڑھانا بدعت ہے، اجتناب بہت ضروری ہے۔❼

بعض مسجدوں میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد نماز عصر میں مؤذن اور مقتدی زور زور سے آمین کہتے ہیں اور دعائیں پڑھتے ہیں، مؤذن اور مقتدی کا یہ رسمی فعل خلافِ سنت ہے، فرض کے بعد آہستہ آہستہ دعا ماثورہ پڑھنا چاہئے، آواز اس قدر بلند نہ کرنی چاہئے کہ جس سے دوسرے نمازیوں کا حرج ہو۔❽

بعض جگہ منبر کے سامنے والے دروازے پر مؤذن ولوگ جمع ہوتے ہیں اور امام (خطیب) جب منبر پر چڑھنے لگتا ہے تو خوب زور زور سے درود پڑھتے ہیں، اور اسی طرح

❶إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الثاني،الفصل الثاني، ص ۱۰۱
❷إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الثاني،الفصل الثاني، ۱۰۳
❸إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الثالث، الفصل الثاني، ص ۱۲۵
❹إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الثاني،الفصل الأول، ص ۱۱٦
❺إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الثاني،الفصل الثاني، ص ۱۲٦
❻إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الثاني،الفصل الثاني، ص ۱۲۹
❼إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الثاني،الفصل الثالث، ص ۱۳۹
❽إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الثاني،الفصل الثالث، ص ۱۴۱

امام جب منبر سے اترتا ہے تو چیخ چیخ کر درود پڑھتے ہیں اور ''وعلی آل محمد'' پر آواز تیز کر دیتے ہیں یہ بدعت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطیب کے نکلنے کے بعد تمام کاموں کو لغو قرار دیا ہے۔ ❶

بڑی جماعت میں جہاں اخیر تک امام کی آواز نہیں پہنچتی ہے چند مکبر ہوتے ہیں مگر ان کا ضرورت سے زیادہ ہونا اور ضرورت سے زیادہ چیخنا اور تکبیر اس طرح کہنا کہ اس میں تبدیلی ہو جائے ممنوع ہے، امام کی آواز پہنچ رہی ہو تو اس کی مطلق ضرورت نہیں۔ ❷

بعض مسجدوں میں یہ رواج ہے کہ رمضان کی اخیر پانچ یا تین راتیں جب باقی رہتی ہیں تو مؤذن اور کچھ دوسرے لوگ وتر کے سلام کے فوراً بعد زور زور سے رمضان کا منظوم مرثیہ پڑھتے ہیں جس کے تماشائی محلّہ کی تمام عورتیں اور بچے ہوتے ہیں، یہ تمام چیزیں آداب مسجد کے خلاف ہیں اس سے بچنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ ❸

اسی طرح جہاں امام رمضان کے اخیر جمعہ میں الوداع پڑھتے ہیں اور فطرہ کی تلقین ہضم کر جاتے ہیں خلافِ ادب ہے۔ ❹

مسجد میں میت پر مرثیہ پڑھنے کی رسم بدعت ہے۔ ❺

مصیبت کی وجہ سے مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے۔ ❻

مسجد میں مردہ کا دفن کرنا یا قبر کو مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔ ❼

عاشوراء محرم کے جمعہ میں امام کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ کربلا

---

❶ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الثاني،الفصل الثالث، ص ۱۴۲
❷ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الثاني،الفصل الثالث، ص ۱۴۴
❸ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الثاني،الفصل الثالث، ص ۱۴۶
❹ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الثاني،الفصل الثالث، ص ۱۴۶
❺ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الخامس، الفصل الأول، ص ۱۶۲
❻ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الخامس، الفصل الأول، ص ۱۶۲
❼ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الخامس، الفصل الأول، ص ۱۶۴

بیان کرنا کہ لوگ روئیں اور سوگ کریں خلافِ سنت ہے، رونا پیٹنا رافضیوں کا شعار ہے، اجتناب ضروری ہے۔ ❶

البتہ شہادت اور ان کی زندگی کے صحیح اوقات بیان کرنا کہ مسلمانوں میں شوقِ شہادت پیدا ہو اور ان کی زندگی سے سبق حاصل کریں کوئی مضائقہ نہیں۔

کام کاج چھوڑ کر مسجد میں بیٹھنا اور دوسروں کے ٹکڑوں پر زندگی گزارنا اسلامی حمیت کے خلاف ہے۔ ❷

طاعون یا کسی دوسری وبا کے لئے خاص طور سے مسجد میں جمع ہو کر دعا کرنے کا ثبوت نہیں ہے اس لئے یہ فعل بدعت ہے۔ ❸

پیشاب کے بعد ڈھیلہ لے کر مسجد کے احاطہ میں لوگوں کے سامنے چلنا اور دائیں بائیں مڑنا بے ادبی ہے، یہ فعل بے حیائی ہے نیز اس میں ستر کھلنے کا غالب گمان ہے۔ ❹

مسجد میں یا اس کے کسی گوشہ میں تعزیہ، علم (جھنڈا) اور اسی طرح کی دوسری چیز رکھنا بدعت ہے، اس سے بچنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔ ❺

مسجد میں قبلہ رخ بیٹھنا مستحب ہے، قبلہ کی طرف پیر پھیلانا مکروہ ہے۔ ❻

کوئی سونے یا چاندی کی قندیل مسجد کی روشنی کے لئے وقف کرے تو یہ وقف درست نہیں ہے، اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اِسے توڑ کر مسجد کی ضرورت میں اس کی قیمت خرچ کی جائے گی۔ ❼

---

❶ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الخامس، الفصل الأول، ص ١٦٥

❷ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الخامس، الفصل الأول، ص ١٦٩

❸ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب الخامس، الفصل الثاني، ص ١٩٠

❹ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب السابع في بدع شتى، ص ٢١٣

❺ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب السابع في بدع شتى، ص ٢١٦

❻ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب السابع في بدع شتى، ص ٢٦٣

❼ إصلاح المساجد من البدع والعوائد: الباب السابع في بدع شتى، الخاتمة، ص ٢٧١

مؤلف کی کاوشوں پر ایک طائرانہ نظر

Designed & Printed By: Shafaq Urdu Bazar Karachi. 0321-2037721

اسٹاکسٹ

ادارۃ المعارف کراچی
(احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی، کورنگی انڈسٹریل ایریا۔ کراچی)
021-35123161,021-35032020,0300-2831960

مولانا محمد ظہور صاحب
(جامعہ سراج الاسلام، پارہوتی، مردان)
0334-8414660,0313-1991422

مولانا محمد نعمان صاحب کے علمی و تحقیقی بیانات و دروس کے لئے اس وٹس ایپ نمبر پر رابطہ کریں: 03112645500